پاکستان میں مروّجہ نظام تعلیم کا تجزیاتی مطالعہ

(مولانا مودودیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار کی روشنی میں)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علومِ اسلامیہ

مقالہ نگار

ہارون الرشید

ایم فل سکالر، علومِ اسلامیہ

1353Mphil/IS/S17

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

لیکچرر، علومِ اسلامیہ

نمل اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن2020-2017

ہارون الرشید

پاکستان میں مروّجہ نظام تعلیم کا تجزیاتی مطالعہ

(مولانا مودودیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار کی روشنی میں)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علومِ اسلامیہ

مقالہ نگار

ہارون الرشید

ایم فل سکالر، علومِ اسلامیہ

1353Mphil/IS/S17

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

لیکچرر، علومِ اسلامیہ

نمل اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2017-2020

ہارون الرشید

©نام مقالہ نگار

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرستِ عنوانات

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
iv	فہرست عنوانات (Table of Contents)	1.
vi	مقالہ کی منظوری کا فارم (Theses Acceptance Form)	2.
vii	حلف نامہ (Declaration)	3.
viii	انتساب (Dedication)	4.
ix	اظہار تشکر(A Word of Thanks)	5.
x	ملخص مقالہ (Abstract)	6.
xi	مقدمہ(Preface)	7.
1	**باب اول: پاکستان میں مروجہ نظامہائے تعلیم کا جائزہ**	8.
2	فصل اول: اسلامی نظام تعلیم کا تعارف	9.
22	فصل دوم: جدید نظام تعلیم کا تعارف	10.
41	فصل سوم: پاکستان میں نظام تعلیم کا مختصر تعارف	11.
63	فصل چہارم: اسلامی اور جدید نظام تعلیم کا تقابلی جائزہ	12.
96	**باب دوم: مولانا مودودیؒ کے تعلیمی افکار و نظریات**	13.
97	فصل اول: مولانا مودودیؒ کے تعلیمی نظریات	14.
108	فصل دوم: مولانا مودودیؒ کی نظر میں مروجہ نظام تعلیم کے بنیادی نقائص	15.
116	فصل سوم: مروجہ نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کا معاشرتی کردار	16.
125	فصل چہارم: نصاب تعلیم میں اسلامی و عصری ضروریات کا فقدان	17.

18.	**باب سوم: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تعلیمی افکار و نظریات**	132
19.	فصل اول: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تعلیمی نظریات	133
20.	فصل دوم: مولانا مناظر احسن گیلانی کی نظر میں مروجہ نظام تعلیم کے بنیادی نقائص	140
21.	فصل سوم: نصاب تعلیم کی اصلاحات اور مولانا گیلانیؒ کا نقطہ نظر	145
22.	فصل چہارم: مروجہ نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کی فکری صلاحیتوں کا جائزہ	154
23.	**باب چہارم: مروجہ نظام تعلیم کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے اصلاحی خاکہ**	174
24.	فصل اول: پرائمری و ثانوی نصاب تعلیم کا مجوزہ خاکہ	175
25.	فصل دوم: اعلیٰ تعلیمی نصاب کا مجوزہ خاکہ	187
26.	فصل سوم: اساتذہ اور طلباء کے لیے تربیتی پالیسی	196
27.	فصل چہارم: اسلامی و جدید تعلیمی اداروں کے منہج تدریس میں اصلاحات	203
28.	نتائج بحث	211
29.	سفارشات	212
30.	فہرستِ آیات	214
31.	فہرستِ احادیث	217
32.	فہرست اعلام	218
33.	فہرست اماکن و بلاد	219
34.	فہرست اشعار	220
35.	فہرست اصطلاحات	221
36.	مصادر و مراجع	222

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ کو پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کے دفاع کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **پاکستان میں مروّجہ نظامِ تعلیم کا تجزیاتی مطالعہ (مولانا مودودیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار کی روشنی میں)**

Topic in English: **An Analysis of contemporary education system in Pakistan with respect to Moulana Maududi and Maulana Munazir Ahsan Gillian's thoughts**

Topic in Roman Urdu: **Pakistan Main Muraw'aja Nizam-e-Taleem ka tajziati mutali'a (Moulana Maududi R.H aur Maulana Munazir Ahsan Gilani R.H kay Afkar ki Roshni main)**

نام ڈگری: ایم فل علومِ اسلامیہ

نام مقالہ نگار: ہارون الرشید

رجسٹریشن نمبر: 1353Mphil/IS/S17

ڈاکٹر ریاض احمد سعید
(نگران مقالہ) ____________________ نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز، نمل) ____________________ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان
(پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس، نمل) ____________________ پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس کے دستخط

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں ہارون الرشید ولد محمد یوسف

رجسٹریشن نمبر: 1353Mphil/IS/S17

طالب علم، ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **پاکستان میں مروّجہ نظامِ تعلیم کا تجزیاتی مطالعہ**
(مولانا مودودیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار کی روشنی میں)

Topic in English: **An Analysis of contemporary education system in Pakistan with respect to Moulana Maududi and Maulana Munazir Ahsan Gillian's thoughts**

Topic in Roman Urdu: **Pakistan Main Muraw'aja Nizam-e-Taleem ka tajziati mutali'a (Moulana Maududi R.H aur Maulana Munazir Ahsan Gilani R.H kay Afkar ki Roshni main)**

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر ریاض احمد سعید** کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: ہارون الرشید

دستخط مقالہ نگار: ____________

رموز واوقاف

نمبر شمار	علامات	
1.	﴿ ﴾	قرآنی آیات کی نشاندہی کے لیے
2.	(( ))	احادیث کے لیے
3.	"—"	اقتباسات کے لیے
4.	ص	صفحہ نمبر کے لیے
5.	ج	جلد نمبر کے لیے
6.	**p**	انگریزی صفحہ کے لیے
7.	Vol	انگریزی میں جلد نمبر کے لیے
8.	Ibid	انگریزی میں ایضاً کے لیے
9.	/	قرآنی آیت اور پارہ نمبر کے درمیان
10.	ھ	سن ہجری کے لیے
11.	ء	سن عیسوی کے لیے

انتساب

اپنے والدین اور محترم اساتذہ کرام کے نام جن کی کاوشوں اور رہنمائی کی وجہ سے اپنے اس مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔

کلماتِ تشکر

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں لطف وکرم ہے کہ اُس نے مجھ جیسے کمزور انسان کو اِس اہم موضوع پر قلم اٹھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائی۔ کروڑوں درود و سلام ہو اُس ذاتِ عالیہ ﷺ پر کہ جن پر درود بھیجے بغیر رب کی عبادت مکمل نہیں ہوتی۔

اس کے بعد میں اپنے نگرانِ مقالہ ڈاکٹر ریاض احمد سعید صاحب کا شکر گزار ہوں جن کی توجہ اور مسلسل رہنمائی کی وجہ سے یہ تحقیقی کام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلام آباد کے تمام اساتذہ کرام بالخصوص صدرِ شعبہ علومِ اسلامیہ جناب ڈاکٹر نور حیات خان صاحب کا شکر گزار ہوں جن کی بے لوث رہنمائی نے مجھے حوصلہ بخشا اور قیمتی ہدایات دیں جو میرے لیے بہت بڑا اعزاز اور سرمایہ افتخار ہیں اور میں ڈاکٹر ذوالقرنین صاحب کا بھی انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے انتخابِ موضوع، خاکہِ تحقیق کی ترتیب وتدوین اور قدم قدم پر نہایت محبت وشفقت سے میری علمی وفکری معاونت فرمائی کہ میں یہ تحقیقی کام مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔

حقِ تشکر ادا ہو نہیں سکتا جب تک اُن مصنفین کا تذکرہ نہ کیا جائے جنہوں نے زیرِ تحقیق موضوع سے متعلقہ اپنی تصنیفی یادگاریں چھوڑیں اور میرے لیے رہنمائی کا سامان فراہم کیا۔ (فجزاھم اللہ خیر الجزاء)

اسی طرح میں ان عظیم ہستیوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ جن کا شکریہ کما حقہ ادا ہو نہیں سکتا، میری مراد میرے والدین ہیں جن کی دعاؤں نے زندگی کے ہر موڑ پر میری مشکلات آسان کر دیں۔ اور میں ان تمام افراد جن میں سر فہرست میرے دوست محمد وجاہت اور عبد المتین کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی کوششیں شامل حال رہیں اور مجھے تمام مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ دیا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں ان سب کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ امین

ہارون الرشید

ایم فل سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، نمل۔ اسلام آباد

تاریخ 03-09-2020

Abstract

This thesis titled "An Analysis of contemporary education system in Pakistan with respect to Molana Maududi and Mualana Munazir Ahsan Giyani's thought"

This thesis presents overview of Seyed Maududi and Mualana Munazir Ahsan Galan's philosophical thoughts and its applications to education process. This research encompassed a vast panorama of education system in Pakistan and its outcomes into society. The purpose of this research is to analyze the education system and its consequences on the society. The method of research is descriptive and qualitative.

The Muslims of the sub-continent wanted an independent Islamic state to live their lives in accordance with the Islamic values where they could practice freely .Allah (S.W.T) gifted the Pakistan a reward of their struggle .Before the independence, where other values and traditions were framed by Europeans slave nation with fully covered their interest, their education system was also framed to back up their goals. This system lasted so many impacts in the Muslim society of Sub Continent the impacts of their targeted educational system still exist clearly in after world education system.

After the 1857 war of independence, Sir Syed Ahmad Khan introduced an educational system for Muslims of India in the form of Ali Garh movement witch aimed at getting the favor of the ruling class.

Conversely, the Scholars of India focused on the educational system which consisted of pure Islamic, religious and human values having deep effects later on. Among them was Seyed Maududi and Mualana Munazir Ahsan Giyani's who deeply studied the former Muslim educational system, the British educational system and after world system. These two educational system created such gap and differentiation between religious and world that was undoubtedly, un.Islamic and this concept was harshly criticized by the educational experts.

Seyed Muadoodi and Mualana Munazir Ahsan Giyani's who after contemplating the current issues of the situation not only rejected the concept of rejection of religion and world but also introduced a complete educational system based on Islamic values.

After the independence, the same system got established in the country witch once resulted in our demise both religiously and as nation even though the objective of independence was the establishment of Islamic values. The study also found that education we gave is entirely purposeless not fulfilling our national cultural and religious needs. Above all is that the generation we educated is highly corrupt immoral and materialistic due to meaningless education system.

As research aimed to provide some glimpse of Seyed Maududi and Mualna Munazir Ahsan Giyani's education thought in an outline form it warrants a comprehensive and obtained study on the reconstruction of education thought in context of Seyed Maududi and Mualana Munazir Ahsan Giyani's philosophy.

Preface/مقدمہ

Introduction/تعارف موضوع

اَلحمدُ للهِ وَالصّلوٰة وَالسّلامُ عَلیٰ مُعلِّمِ النَّاسِ الخَیرِ مُحمّد رَسُولِ اللهِ وَعَلیٰ اٰ لِه وَصَحبِه وَمِن اتبَعَ هٰذِه:

قَالَ سُبحانه وَتَعالیٰ:

﴿يَرۡفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمۡ وَٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡعِلۡمَ دَرَجَٰتٖۚ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا۔

قَالَ النّبیُ ﷺ:

((نَعُوذُ بِاللهِ مِن عِلم لاَ ينَفَع))[2]

ترجمہ: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس علم سے جو نفع نہ دے۔

برصغیر کے مسلمانوں کو قومی امنگوں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں زندگی گزارنے کے لیے ایک آزاد اسلامی ریاست کی ضرورت تھی جو کہ پاکستان کی صورت میں انہیں عطا ہوئی۔ آزادی سے قبل جہاں دیگر نظام ہائے حیات کے قوانین فرنگی استعمار نے اپنی غلام رعایا کے لیے مرتب کیے تھے، جن کے پس منظر میں ان کے ذاتی مقاصد کارفرما تھے اسی طرح ان کا وضع کردہ نظام تعلیم بھی انہیں مقاصد کے حصول کے لیے ایک آلہ کار کی حیثیت رکھتا تھا، جبکہ انگریزوں کے نظام تعلیم کے مقابلے میں مسلمانان ہند کے لیے سر سید احمد خان نے علی گڑھ کی شکل میں جو تعلیمی نظام و نصاب ترتیب دیا اس میں ایک محکوم قوم کا حکمران قوم کی خوشنودی حاصل کرنے اور سرکاری ملازمتوں میں حصہ حاصل کرنے کی غرض شامل تھی۔ سر سید کے مقابلے میں علمائے ہند نے اپنے سابقہ نظام تعلیم کے تناظر میں مذہبی اور اسلامی بنیادوں پر نظام و نصاب تعلیم مرتب کیا جس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے تاہم ان کو عصر حاضر کے مطابق ڈھالنے کی سعی و کوشش کی ضرورت تھی جس سے صَرفِ نظر کیا گیا۔ ان دونوں نظام ہائے تعلیم کی وجہ سے دین و دنیا میں تفریق کا ایک ایسا تصور پیدا ہوا جو سراسر غیر اسلامی اور غیر اخلاقی تھا، جس کی بنا پر اس دور کے مسلم مفکرین اور صاحب بصیرت افراد نے اس غیر اسلامی تصورِ تعلیم کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ ان دور اندیش اور صاحب بصیرت شخصیات میں سے دو نامور شخصیات مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا مودودیؒ کی تھیں

---

1. المجادلہ، 11/58

2. السجستانی، ابوداؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمروالازدی (متوفٰی 275ھ)، سنن ابی داؤد، کتاب تفریع ابواب الوتر، باب الاستعاذۃ، دار الرسالہ العالمیہ، پہلی طباعت، 2009/1430م، ج2، ص: 647، حدیث، 1548

جنھوں نے حالات کا گہری سے مطالعہ کرتے ہوئے نہ صرف مروجہ نظامِ تعلیم پر تنقید کی بلکہ مسلمانوں کے لیے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کا اصلاحی خاکہ اور نقشہ پیش کیا۔انہوں نے مسلمانوں کو باور کرایا کہ اسلام میں دین و دنیا کی تفریق کا تخیل غیر فطری اور غیر اسلامی ہے۔چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا مودودیؒ نے نظامِ تعلیم کا پورا خاکہ خالصتاً دینی اور عصری بنیادوں پر پیش کیا۔

اہداف و مقاصد/Objectives

1۔مروجہ نظام تعلیم کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے معاشرے کے مختلف شعبوں میں مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لینا۔

2۔موجودہ نظام تعلیم کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا مودودیؒ کے افکار کی روشنی میں اصلاحی خاکہ فراہم کرنا۔

3۔نصاب تعلیم میں اسلامی اور عصری ضروریات کے فقدان کا جائزہ لینا۔

ضرورت اور اہمیت/Significance & Importance

بلاشبہ اسلامی تعلیمات اور عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قوم کے نونہالوں کے اخلاق و کردار اور شخصیت کی تعمیر اور اصلاح کرنا ازحد ضروری ہے۔بد قسمتی سے ملک خداداد میں حکومتیں تبدیل ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری قومی تعلیمی پالیساں بھی بدلتی رہیں، جس کے نتیجے میں ہم بحیثیت مذہب و قوم ترقی کی راہ میں بہت پیچھے رہ گئے۔بلاشبہ ہمارے نظام تعلیم میں کچھ خامیاں اور نقائص ایسے ہیں جو اصلاح طلب اور قابل غور ہیں۔حالانکہ وطن عزیز کے حصول کے پیش نظر یہاں نظام تعلیم کی بنیاد اسلامی نظریہ حیات پر رکھی جاتی اور سائنسی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم ترویج و اشاعت بھی تعلیمی مقاصد میں شامل ہوتی۔

قیام پاکستان کے بعد وہی تعلیمی نظام جو انگریز حکومت قائم ہونے کے بعد وقتی ضرورت کے تحت ہندوستان میں ترتیب دیا گیا تھا ہو بہو یہاں نافذ کر دیا گیا جو ہماری مذہبی اور قومی تقاضوں سے قطعاً ہم آہنگ نہیں۔اسی ضرورت کے پیش نظر پاکستان کے نظام تعلیم کا مولانا مودودیؒ اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے افکار کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہوئے اصلاحی خاکہ مہیا کیا گیا ہے۔

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ/Basic Problem of the Research

اس تحقیق کا بنیادی مقصد مروجہ نظام تعلیم میں بنیادی نقائص کی نشاندہی کرنا اور نصاب تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق کا خاتمہ کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا مودودیؒ کے افکار کی روشنی میں اصلاحی خاکہ فراہم کرنا۔

سابقہ تحقیق کا جائزہ/Literature Review

میری پوری کوشش اور سعی کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس موضوع پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا جس میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا مودودیؒ کے افکار کی روشنی میں نظام تعلیم کا جائزہ لے کر اصلاحی خاکہ مہیا کیا گیا ہوا گرچہ مطلقاً تعلیم کے حوالے کافی کام ہوا ہے جن میں سے چند اہم درجہ ذیل ہے۔

1۔دینی مدارس کے نظام تعلیم کی خوبیاں اور خامیاں تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مقالہ نگار ارشد محمود،ایم فل،اسلامیات، نمل اسلام آباد۔

2۔اسلامی تعلیمات اور پاکستان کی تعلیمی پالیسیاں، تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مقالہ نگار، محمد فاروق،ایم فل اسلامیات، نمل اسلام آباد۔

3۔ تعلیم وتربیت کا نفسیاتی پہلو اور اسلام (ایم اے) محمد سلیم پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

4۔علوم اسلامیہ کا فروغ اور قومی تعلیمی پالیسی 2009ء کے اقدامات (تحقیقی اور تقابلی جائزہ) مقالہ نگار چوہدری انور احمد ڈھڈی،ایم فل (اسلامیات)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

5۔مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا منہج تقابل ادیان اور نکتہ نگاہ (تحقیقی جائزہ) نمل اسلام آباد

6۔علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید میں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کا کردار تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ (پی۔ایچ۔ڈی)، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

7.Maulana Munazir Ahsan Giyani's personality and his contribution to Islamic sciences by Siddiqy,Abduus slam۔PHD thesis,Alighar Muslim university ,India.(2002)

8.Munazir Ahsan Gilani His influence in the advancement of Muslim education India subcontinent.IIUI(2013)

درجہ بالا موضوعات پر نظر کرنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ سید مودودیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی شخصیات اور افکار و نظریات پر تفصیلی کام ہو چکا ہے تاہم ان کے تعلیمی نظریات کے تقابلی پہلو میں خلا باقی تھا جس کو پر کرنے کی اس مقالہ میں سعی کی گئی ہے۔

تحقیقی سوالات/Research Questions

1۔ پاکستان میں مروجہ نظام تعلیم کی نوعیت، بنیادی نقائص اور خصائص کیا ہیں؟

2۔ کیا موجودہ تعلیمی ادارے بنیادی اسلامی تعلیم فراہم کرنے میں کامیاب ہیں؟

3۔ کیا نصاب تعلیم میں عصری تقاضوں کے مطابق تبدیلی کی ضرورت ہے؟

4۔ مروجہ نظام تعلیم کو کن خطوط پر استوار ہونا چاہیے کہ اسلامی اور عصری ضروریات پورا کر سکیں؟

اسلوب تحقیق/Research Methodology

☆اس تحقیق کا بنیادی اسلوب تجزیاتی ہے۔

☆بوقت ضرورت تنقیدی اور تقابلی اسلوب بھی اختیار کیا گیا ہے۔

☆ تحقیق پر بین الاقوامی سطح پر منظور شدہ طریقوں میں سے طریقہ اپنایا گیا ہے۔(ڈیپارٹمنٹ خطوط کے مطابق)

☆دوران تحقیق روایتی طریقوں کے ساتھ دور جدید کے ذرائع بھی استعمال میں لائے گئے ہیں۔

☆ تحقیقی موضوع پر مکمل سعی کے ساتھ اصل مصادر و مراجع تک رسائی حاصل کی گی ہے اوران ہی سے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں۔

☆ضرورت کے پیش نظر توضیح اور تشریح کے لیے ثانوی مصادر و مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆سید مودودیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تعلیمی افکار کی کتب ورسائل اور دیگر وسائل سے تجزیہ کر کے نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تحدید/Limitations

موجودہ مقالہ میں پاکستان میں مروجہ نظام ہائے تعلیم دینی اور دنیاوی کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے مثبت اور منفی پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار کا مطالعہ سامنے رکھتے ہوئے تعلیمی اصلاحی خاکہ فراہم کیا گیا ہے۔

ابواب بندی(Chapterization)

باب اول: پاکستان میں مروجہ نظامِ ہائے تعلیم کا جائزہ

فصل اول: اسلامی نظامِ تعلیم کا تعارف

فصل دوم: جدید نظام تعلیم کا تعارف

فصل سوم: پاکستان میں نظام تعلیم کا مختصر تعارف

فصل چہارم: اسلامی اور جدید نظامِ تعلیم کا تقابلی جائزہ

باب دوم: مولانا مودودیؒ کے تعلیمی افکار و نظریات

فصل اول: مولانا مودودیؒ کا تعارف و تعلیمی نظریات

فصل دوم: مولانا مودودیؒ اور مروجہ نظام تعلیم کے بنیادی نقائص

فصل سوم: مروجہ نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کا معاشرتی کردار

فصل چہارم: نصاب تعلیم میں اسلامی و عصری ضروریات کا فقدان

باب سوم: مولانا مناظر احسن گیلانی کے تعلیمی افکار و نظریات

فصل اول: مولانا مناظر احسن گیلانی کا تعارف و تعلیمی نظریات

فصل دوم: مولانا مناظر احسن گیلانی اور مروجہ نظام تعلیم کے بنیادی نقائص

فصل سوم: نصاب تعلیم کی اصلاحات اور مولانا مناظر احسن گیلانی کا نقطہ نظر

فصل چہارم: مروجہ نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کی فکری صلاحیتوں کا جائزہ

باب چہارم: عصر حاضر میں نظامِ تعلیم کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے اصلاحی خاکہ

فصل اول: پرائمری و ثانوی نصاب تعلیم کا مجوزہ خاکہ

فصل دوم: اعلیٰ تعلیم کے نصاب کا مجوزہ خاکہ

فصل سوم: اساتذہ اور طلباء کی تربیتی پالیسی

فصل چہارم: اسلامی وجدید تعلیمی اداروں کے منہج تدریس میں اصلاحات

خاتمہ

نتائج

سفارشات

فہارس

مصادر ومراجع

باب اول

پاکستان میں مروّجہ نظام ہائے تعلیم کا جائزہ

فصل اول: اسلامی نظام تعلیم کا تعارف

فصل دوم: جدید نظام تعلیم کا تعارف

فصل سوم: پاکستان میں نظام تعلیم کا مختصر تعارف

فصل چہارم: اسلامی اور جدید نظام تعلیم کا تقابلی جائزہ

فصل اول

اسلامی نظام تعلیم کا تعارف

نظام تعلیم کی تعریف

نظام تعلیم ایسا عمل ہے جس میں شامل اجزاء مقاصد، نصاب، طریقہ ہائے تدریس، اساتذہ اور تعلیمی انتظامیہ سب مل کر نظام تعلیم کی تشکیل کرتے ہیں۔ نظام تعلیم کی اصطلاح کو محدود معنوں میں ایسے تمام رسمی اداروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو علم اور تہذیبی روایات کو منتقل کرتے ہیں۔ اور افراد کے ذہنی اور اجتماعی نشوونما پر اثر انداز ہوتے ہیں عصر حاضر میں نظام تعلیم کا تصور جو ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ کسی کتاب کا پر تو تو نہیں بلکہ ہم خود جس نظام تعلیم سے گزرے ہیں یا گزر رہے ہیں اور مطالعہ و مشاہدہ کی بنا پر جو کچھ جانتے ہیں اس کی بنیاد پر ہمارے ذہن میں تشکیل پاتا ہے اور یہ ہمہ گیر تصور ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تعلیم کسی قوم کے سماجی اور ثقافتی نظریات سے گہرے طور پر مربوط ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی قوم کا نظام تعلیم اپنے مزاج، مواد، اور موضوعات کے اعتبار سے اپنے نظریاتی رنگ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس عنصر سے نظام تعلیم خالی ہو تو قوم ہر لحاظ سے پیچھے چلی جاتی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نظام تعلیم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "فرد کی تعلیمی نشوونما بدرجہ کمال ناممکن ہے، جب تک نظام تعلیم جو تعلیمی ضروریات کا کفیل ہے بدرجہ کمال افادیت کا حامل نہ ہو۔ اس میں تعلیمی افادیت بدرجہ کمال ہو نہیں سکتی جب تک اس کو یوں وضع نہ کیا گیا ہو کہ
>
> 1۔ کسی بے نقص نظریاتی مسلک کی آبیاری کرے۔
>
> 2۔ اور اس طرح آبیاری کرے کہ تاحد امکان کوئی دقیقہ نہ رہے۔"[1]

ایک جامع اور کامل الصفات نظام تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "پس نتیجہ یہ ہے کہ اک کامل و بے نقص نظام تعلیم کی تعریف یہ ہو سکتی ہے۔ وہ ایسا نظام ہو جو قوم کو اک کامل الصفات، بے نقص و بے عیب نصب العین، بالفاظ دیگر ذات باری تعالیٰ کے ساتھ دل و جان سے تاحد امکان محبت کرنا سکھا سکتا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ نظام تعلیم اتنی قابلیت پیدا کر سکتا ہو کہ

---

1 محمد رفیع الدین، قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار، تلخیص، محمد موسیٰ بھٹو، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، لطیف آباد، حیدر آباد، سن اشاعت، 2006ء، ص:70

زندگی میں انسان جن سرگرمیوں میں فطرۃ منہمک رہتا ہے،ان کو خواہ وہ کسی شعبہ سے متعلق ہوں تا حدامکان ایسی خوش سلیقگی کے ساتھ سدھار اور سنوار لے کہ نصب العین کی محبت کا حق ادا کرنے میں کمی نہ آئے۔"[1]

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک بہترین نظام تعلیم علمی،اخلاقی،روحانی اور فکری تربیت کرتا ہے۔مزید لکھتے ہیں:

"ایک صفت یہ بھی ہو کہ قومی زندگی کی اس آئین بندی کے لیے جو ذہنی اور فکری سرمایہ (علم و ہنر، فنی مہارت،عادات،رویے،خواہشیں،رجحان، نفرت،رغبت، نظریے،امیدیں،امنگیں،عقیدے، معی ار،اغراض و مقاصد)اس لیے درکار ہے کہ نصب العین کامل سے واسطہ رکھتا ہے،اس کا حصول جہاں تک بھی اس وقت کی علمی،اخلاقی،روحانی فکرانہ ترقیوں کے ذخیرے سے ممکن ہو اس نظام تعلیم کے تحت آسان ہو جائے گا۔"(2)

پس ثابت ہوتا ہے کہ نوع انسانی علوم و فنون سے بہرہ ور ہو کر ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے جب اگلی منزل پر پہنچے گی تو ہمارا موجودہ نظام تعلیم ناقص اور نامکمل ہو جائے گا،یہاں تک کہ علوم و فنون میں جدید تمام اضافے جو نصب العین سے مکمل اتحاد و اتفاق کرتے ہوں جن میں اچھائی، برائی اور صداقت پائی جاتی ہے،اس نظام تعلیم کا حصہ نہ بن جائیں۔اس کے برخلاف جب نصب العین باطل اور ناقص ہوتا ہے تو یہ تمام تقاضے ادھورا کام کرتے ہیں ان میں وہ صفات نہیں ہوتی کہ جیسا عملاً چاہیں کریں۔

اسلامی نظام تعلیم

اسلام دین حیات ہے،اس میں محض مذہبی عقائد پر توجہ نہیں دی گئی بلکہ اسلام چاہتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کے اعمال میں باقاعدگی پیدا کی جائے۔یہ سماجی اور سیاسی نظم وضبط قائم کرنے کے لیے مختلف قسم کے معیارات قائم کرتا ہے اور مسلمانوں کے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔اسلام نے زندگی کے دنیاوی اور روحانی پہلوؤں کے امتزاج اور ترکیب نو سے ثقافتی معیار قائم کیا ہے۔اسلام کا تعلیمی معیار حقیقی معنوں میں اللہ کا خلیفہ بناتا ہے۔تعلیمی نقطۂ نظر کے مطابق تمام تر سماجی رویوں کو زندگی کی مستقل اقدار کے سرچشمے سے نکلنا چاہیے یہ وہ اقدار ہیں جن کو قرآن نے بھی پیش کیا۔اسلام کے سواد نیا کا کوئی مذہب یا تمدن ایسا نہیں جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔اسلام واحد مذہب ہے جس نے تعلیم کو تمام انسانوں پر فرض قرار دیا ہے اور اس فرض کی انجام دہی کو معاشرے کی ایک ذمہ داری بنایا ہے۔

---

[1] ۔قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار،ص:70

[2] ۔ایضاً

حضور ﷺ پر جب پہلی وحی اترتی ہے وہ علم ہی کے مقام، مرتبے اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے اس میں تعلیم کی اہمیت کی ہی وضاحت نہیں کی گئی بلکہ تعلیمی ذرائع کے بھی واضح نکات موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ ۞ خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِنْ عَلَقٍ ۞ ٱقْرَأْ وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ ۞ ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ ۞ ﴾[1]

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب کریم ہے وہ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو ذمہ داری سونپی اور بحیثیت نبی آپ کے جو وظائف مقرر کیے ان میں تلاوت قرآن، تعلیم کتاب وحکمت، تبین احکام وآیات، تزکیہ نفوس اور تبلیغ ودعوت کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنمَا بُعِثتُ مُعلِماً))[2]

ترجمہ: میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اسلام اپنا ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت رکھتا ہے جس کے اصول وضوابط مستقل اور مستحکم ہیں، جس کا پورا نظام عدل وانصاف سے مرکب ہے اور جس کے تمام اجزاء باہم مربوط وہم آہنگ ہیں۔ یہ ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر نظام تعلیم رکھتا ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں آجاتی ہیں جو انسان کے قلب وضمیر اور اس کے معاملات زندگی دونوں پر محیط ہے اور اپنی ہدایت وقانون سازی میں دین ودنیا دونوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

"اسلامی تعلیم کا حقیقت میں مقصد رضائے الٰہی کی طلب ہے اور بس، اس میں کسی دنیاوی لالچ وغرض کا میل نہیں بلکہ اس کی نظر میں تعلیم کا اصل مقصد صرف انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کرنا، اچھے اخلاق سے آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا، اپنے علم کی روشنی سے جہل اور نادانی کے اندھیرے دور کرنا، نہ جاننے والوں کو سکھانا، بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا، حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے۔"[3]

---

[1]. علق، 96/4،1

[2]. ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق، بن موسیٰ بن مھران، الاصبھانی، (متوفی 4309)، المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم، باب الرجل امراتہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن اشاعت اول، 1417ھ/1996م، ج4، ص:164، حدیث، 4391

1۔ سید ابوالحسن علی ندوی، ریاست، اسلامی نظام تعلیم، الفیصل، ناشران وتاجران کتب لاہور، 1994ء، ص:21

اسلامی نظام تعلیم انسانی شخصیت کی کامل اور متوازن نشو و نما کے حصول کے لیے روحانی، فکری اور حسی تربیت کرتا ہے جس سے ایمانی حیثیت اسلام سے محبت، قرآن وسنت کی اتباع اور اسلامی اقدار کی تکمیل ہوتی ہے اور ایسے صالح افراد کی تیاری ہوتی ہے جو اسلامی تہذیب و تعلیم پر پختہ یقین رکھتے ہوں اور کسی سے مغلوب اور مرعوب نہ ہوتے ہوں۔ پروفیسر شبیر احمد منصوری اپنے مضمون "تعلیم اور تعمیر انسانیت" میں لکھتے ہیں:

"دین اسلام نے تعلیم و تعمیر کے عمل کو جس قدر مقدس اور اہم قرار دیا ہے دیگر مذاہب اور ادیان عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی اسلام کا تصورِ علم نہایت وسیع ہے۔ خالق تعالیٰ، تمام انواع مخلوقات، آفاق والنفس یہ سب علم کا موضوع ہیں۔ علم کی وسعت کا ایسا تصور اسلام کے علاوہ کسی اور فلسفہ وفکر میں اتنی وسعت سے نہیں ملتا، حواس، عقل وجدان، پورا وجود انسانی اور وحی الٰہی انبیاء علیھم السلام کی صورت میں پاکیزہ کردار مبلغین کی جماعت یہ سب انسان کو علم فراہم کرتے ہیں صرف معلومات ہی نہیں بلکہ قلب و نظر کی اصلاح کا نظام بھی دیتے ہیں۔"[1]

اسلام کا نظریہ تعلیم یہ ہے کہ وہ انسانی معاشرے کو ایک ایسا ضابطہ حیات دے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل ایمان و اعتقاد سے ہم آہنگ ہو۔ اگر اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے اور اس قلیل تعداد اور بے سروسامان جماعت کے کردار پر نظر ڈالی جائے جس نے قیصر و کسریٰ جیسی سلطنتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا تو، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کامیابی کا راز اللہ پر کامل یقین اور اس کے رسولؐ کی راہنمائی پر مضبوطی سے قائم رہنے میں پنہاں تھا۔ اس لئے اگر کوئی بہتر نظام تعلیم ہے تو وہ وہی ہے جس کو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اسلامی نظام تعلیم کے مقاصد

اسلامی تناظر میں تعلیم کا مقصد اعلیٰ جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے وہ اس کی بندگی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾ [2]

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ عبودیت اور بندگی کے مسئلے پر دلالت کرتی ہے اور پوری صراحت کے ساتھ جن وانس کی خلقت کے اصلی ہدف اور مقصد کے عنوان سے تعارف کرواتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] شبیر احمد منصوری، تعلیم اور تعمیر انسانیت، ماہنامہ افکار معلم، ادارہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب، لاہور، 18 مارچ 1992ء، ش: 11، ص: 130

[2] ۔ الذاریات 56/51

﴿ مَآ أُرِيدُ مِنۡهُم مِّن رِّزۡقٖ وَمَآ أُرِيدُ أَن يُطۡعِمُونِ ٥٧ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلۡقُوَّةِ ٱلۡمَتِينُ ٥٨ ﴾[1]

ترجمہ: میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلایا کریں، اللہ تو خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے، قوت والا ہے، مضبوط ہے۔

یہ آیت کریمہ جو انتہائی مختصر اور جامع ہیں ہمیں ایک عظیم مقصد سے روشناس کرا رہی ہیں۔ عبدالرحمان بن ناصر السعدی مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وہ مقصد جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو پیدا کیا، تمام انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا جو لوگوں کو اس کے مقصد کی طرف بلاتے رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو اس کی معرفت اس کی محبت اس کی طرف انابت اور ماسوا سے منہ موڑ کر صرف اسی کی طرف توجہ کرنے کی متضمن ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی معرفت سے وابستہ ہے بلکہ بندے میں معرفت جتنی زیادہ ہو گی اس کی عبادت اتنی ہی کامل ہو گئی۔ یہ وہ مقصد ہے جس کی خاطر اللہ نے مکلفین کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں پیدا کیا کہ اسے ان سے کوئی ضرورت تھی۔"[2]

اصل میں تعلیمی و تربیتی مقاصد کی تشکیل میں قرآن کریم اور سنت رسولؐ سے اخذ شدہ اقدار ہی سب سے بڑا سرچشمہ ہیں۔ اسی سرچشمہ کی روشنی میں تعلیم کا کام ایسے افراد تیار کرنا ہے جو ہر دور میں دین اسلام کے مطابق زندگی کے مختلف انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں دنیا کی رہنمائی کے قابل ہوں اور ان کے اندر آخرت کی جوابدہی کا احساس ہو۔ اس حوالے سے اسلامی تعلیم صرف علمی اور نظری ہی نہیں بلکہ سراپا عمل بھی ہے۔

اسلام میں جس طرح دین اور دنیا ایک دوسرے کے لیے لازم اور ملزوم ہیں اسی طرح علم اور دین ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسلامی تعلیمی پالیسی کی غرض و غایت بنیادی طور پر یہی ہے کہ تعلیم و تعلم کے ذریعے ہم ذات باری تعالیٰ تک رسائی حاصل کر لیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی مقاصد تعلیم کو درجہ ذیل آیۃ کریمہ میں بیان فرمایا:

---

1 ۔ الذاریات،، 57/51

2 ۔ عبدالرحمان بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمان فی تفسیر کلام المنان، تحقیق عبدالرحمان بن معلا، دارالسلام، الریاض (س۔ن) ج:3، ص22

﴿هُوَ ٱلَّذِي بَعَثَ فِي ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝٢﴾[1]

ترجمہ: وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالاں کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کا زندہ رہنا اور مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس طرح جو تعلیم انسان (مسلمان) کی زندگی کے لیے ہے وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوئی۔ حافظ ابن عبد البر کے مطابق

"تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے"۔[2]

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا مقصد صرف معلومات میں اضافہ نہیں بلکہ تعلیم کے ذریعے طالب علم روحانی قدروں سے واقف ہو جاتا ہے جس سے خوشنودی الٰہی حاصل ہوتی ہے[3]

تعلیم کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ میں اسلامی نظریہ حیات سے آگہی پیدا کرے۔ یعنی زندگی کا مفہوم اور مقصد دنیا میں انسان کی حیثیت، توحید، رسالت، آخرت، انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ان کے اثرات، اخلاقیات کے اسلامی اصول، اسلامی ثقافت کی نوعیت ایک مسلمان کے فرائض اور اس کا مشن انہیں سمجھایا جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ وہ کس طرح اعلیٰ مقاصد کے لئے دنیا کی قوتوں کو استعمال کریں تعلیم کو ایسے افراد پیدا کرنے چاہیے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں اسلامی نظریات پر بھرپور یقین کے حامل ہوں اور اس طرح ان کے اندر ایک ایسا اسلامی نقطہ نظر پیدا ہو کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنا راستہ خود بنا سکیں۔

اسلامی نظام تعلیم کے اوصاف

اسلامی نظام تعلیم و تربیت کا ایک وصف یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا صالح بندہ بن جائے اور عبودیت کا حق ادا کرے۔ اس میں درجات کی بلندی علم و تقویٰ پر منحصر ہے۔ تعلیم کسی خاص گروہ یا نسل کا حق نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کا بنیادی فریضہ ہے اعمال زندگی سر انجام دینے کے لئے پہلے اسلامی طرزِ حیات کا سبق سیکھ لینا ضروری ہے۔ اسلامی نظام

1۔ الجمعہ، 2/62

2۔ حافظ ابن عبد البر جامع البیان العلوم، ندوۃ المصنفین، دہلی، بھارت، 1992ء، ص: 33

3۔ ابو حامد، محمد بن محمد، غزالی احیاء العلوم، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، ج، (س ن)، ج، 1، ص: 11

تعلیم کی اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ عمل تعلیم و تربیت کے تمام عناصر مثلا مقاصد تعلیم، نصاب تعلیم، تربیت اساتذہ، اسلوب درس وتدریس اور طریقہ امتحانات کا اسلام کے نقطۂ نظر میں بحیثیت کل مطالعہ کیا جائے۔اس مطالعہ کی روشنی میں ایک ایسا نظام تعلیم مرتب ہو، جس میں اساتذہ اور طلباء کی علمی پیشہ ورانہ اور اخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا ہو اور جس میں اسلام کو بحیثیت ایک مکمل نظام حیات کے شرط لازم قرار دیا گیا ہو۔

"سید مودودیؒ کے نزدیک نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل میں دین و دنیا کی تفریق کا تخیل غیر اسلامی ہے، مسلمان اس کے بالکل قائل نہیں کہ ان کی ایک تعلیم دنیوی ہو اور ایک تعلیم دینی۔اس کے بر عکس وہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی پوری کی پوری تعلیم بیک وقت دینی بھی ہو اور دنیوی بھی۔اسلامی نقطہ نظر سے علم عطیہ الٰہی ہے لہٰذا علم اس کا نام ہو گا جس سے تعلق باللہ پیدا ہو دنیا کے دوسرے علوم اس وقت تک بے معنی اور ضلالت کا سر چشمہ ہیں جب تک انسان "العلم" کو حاصل نہ کرلے۔دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کا قطعی ماخذ قرآن وسنت ہے۔"[1]

اسلامی نظام تعلیم میں بنیادی دینی تعلیم ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے لازمی ہوتی ہے۔تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔معلم اور متعلم دونوں کی عزت نفس کا خیال رکھا جاتا ہے۔پاکیزہ فضا میں تعلیم دی جاتی ہے انفرادی، اجتماعی اور عائلی ذمہ داریوں کو اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مطابق سر انجام دینے کی عملی تربیت دی جاتی ہے۔متعلم کی عمر، ضروریات، مزاج، انفرادی خصوصیات اور نفسی کیفیات کا لحاظ کر کے تعلیم دی جاتی ہے۔طلبہ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ہم آہنگی سے پروان چڑھانے کی فکر کی جاتی ہے۔طلبہ کو سادہ زندگی، محنت و مشقت اور اپنا کام آپ کر لینے خلق للہ کی خدمت کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے۔اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا اور مخلوق کو نفع پہنچانا یہی حصولِ علم کی غرض وغایت ہوتی ہے۔

یہ ہیں اسلامی نظام تعلیم کی بنیادی خصوصیات جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم ہی وہ جامعُ الصفات نظام ہے جس میں انسان کی شخصیت کے ہر پہلو کی پوری رعایت رکھی گئی ہے یہی نظام مکمل مفید اور اللہ کی نظر میں مستند ہے اور انسان کے ظاہر و باطن اور دنیا و عقبیٰ کے لئے یکساں سود مند ہے۔

نیابت الٰہی

اسلامی نظام تعلیم کا اولین وصف بندے میں نیابت کا شعور ہے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی عبودیت وہ ہے جسے کوئی قوت اس معرفت پر اس کی اطاعت وبندگی اور اور اسے ماننے پر مجبور کرنے والی نہ ہو بلکہ وہ خود اپنی عقل سے اس کو

---

[1]۔مشتاق الرحمان صدیقی، سید مودودی کا تعلیمی نقطہ نظر، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1402ھ، ص:45

پہچانے خود اپنی جستجو سے اس کو پالے۔اپنی آزاد خواہش سے اس کی بندگی و عبادت کرے۔ مولانا مودودیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"انسان کی حیثیت اس دنیا میں خدا کے خلیفہ کی ہے خلیفہ نائب کو کہتے ہیں۔نائب کا کام یہ ہے کہ جس کا وہ نائب ہے اس کی اطاعت کرے اور نہ اس کے سوا کسی کی اطاعت کرے اور نہ اس کے سوا کسی کی اطاعت کر سکتا ہے ایسا کرے تو باغی سمجھا جائے گا۔"[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اس دنیا میں اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے اور نائب کا کام ہمیشہ اصل کی پیروی کرنی ہوتی ہے۔اسلامی نظام تعلیم انسان کو اسی بنیادی ذمہ داری کا شعور اور احساس دلاتا ہے۔

عبادت الٰہی

اسلامی نظام تعلیم کا ایک وصف یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی بندگی اور عبادت کے لیے تیار رہنے کا کہتا ہے۔ہر مسلمان خدا کی واحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور اس کی ہر بات پر قادر سمجھتے ہوئے اس کی بندگی کرتا ہے۔یہی عقیدہ انسان کو جرات منداور شجاع بنادیتا ہے کیونکہ وہ خدا کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتا نہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب منہاج العابدین میں لکھتے ہیں:

"علم و عبادت وہ مقاصد و جواہر ہیں جن کے لیے اللہ نے کتب سماویہ نازل فرمائیں۔انبیاء کو بھیجا گیا بلکہ زمین و آسمان اور کائنات کی تمام تر مخلوقات واشیاء سب کی سب علم اور عبادت کے واسطے تخلیق کی گئیں۔"[2]

انسان کو اللہ رب العزت نے اس دنیا میں صرف اور صرف اپنی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔اور یہی مقصد حیات قرار دیا گیا ہے۔اسلامی نظام تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ابھارتا ہے۔

خشیت الٰہی اور فکر آخرت

اسلامی نظام تعلیم کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ خشیت سے دلوں کو آراستہ رکھتی ہیں۔کیونکہ انسان میں جتنا خوف الٰہی ہو گا، آخرت کی فکر ہو گئی اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر ہو گا اتنا ہی زیادہ ہدایت یافتہ ہو کر نکلے گا اور اللہ کا قرب نصیب ہو گا۔

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول مبادی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1975ء، ص:29

[2] ابو حامد، محمد بن محمد غزالی، منہاج العابدین، مترجم (مولانا محمد زکریا) دارالاشاعت کراچی، س۔ن، ص:26

ارشاد خداوندی ہے۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُاْ﴾[1]

ترجمہ: اللہ سے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جن کو سمجھ ہے۔

تعمیر اخلاق و کردار

اسلامی نظام تعلیم یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ تعلیم سے اخلاق و کردار کی تعمیر ہو۔اخلاقی تعلیم کی ہی وجہ سے آپ ﷺ ﷺ نے جاہل اجڈ معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا اور امت مسلمہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اخلاق و کرادر کی بہترین مثال اپنے اسوہ سے پیش کی۔

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

ترجمہ: تحقیق تمہارے لیے حضورؐ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

بلاشبہ اسلامی نظام تعلیم میں انسانی اخلاق اور کردار کی تعمیر کی جاتی ہے تاکہ معاشرے میں مثبت کردار ادا کریں۔

اعتدال اور توازن

اسلامی تعلیمات کا ایک وصف یہ ہے کہ اعتدال اور توازن ہے۔اس میں مادی اور روحانی ضروریات پورا کرنے کی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔اسلام ہر فرد کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے اور ان میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔اسلامی تعلیمی پالیسی افراد کی روحانی اور مادی ترقی کے ارتقاء کا سبب بنتی ہے۔

"اس نظام تعلیم میں تعلیم یافتہ شہری، تربیت یافتہ کارکن اور اہل قیادت پیدا کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔"[3]

اسلامی نظریہ حیات پر مبنی نظام تعلیم ہر فرد میں روحانی اور مادی ضروریات کا ذمہ درانہ تصور پیدا کرتا ہے۔یہی تعلیمات معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتی ہیں کہ صرف روحانیت یا مادیت کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ دونوں میں توازن اور اعتدال قائم رکھا جائے گا۔

---

[1] فاطر، 28/25

[2] الاحزاب، 21/33

[3] ابو حامد، محمد بن محمد غزالی، کیمائے سعادت، دارالاشاعت، کراچی، 1978، ص:344

اسلامی نظریہ نصاب

نصاب تعلیمی نظام کا ایک اہم عنصر ہے اور طالب علم کے ذہنی اور عملی رویے کی تشکیل میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نصاب کسی بھی نظام تعلیم کا عکس ہوتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نظام کو تشکیل دینے والے اور اسے نافذ کرنے والے اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ نصاب دراصل ان تمام سر گرمیوں کا نام ہے جن سے تعلیمی اداروں کی کوشش وجود میں آتی ہیں۔ اس پروگرام میں محض نصابی خاکہ اور درسی کتب ہی نہیں بلکہ وہ سارہ ماحول ہے جو متعلم کو متاثر کرتا ہے طلبہ کو اسی ماحول سے گزرنا پڑتا ہے چنانچہ ضروری تجربات کے حصول کے لئے باقاعدہ تدریسی لوازمات کی تیاری تشکیلِ نصاب میں ایک اہم قدم ہوتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نصاب تعلیم کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"حقیقت میں نصاب تعلیم کسی قوم کے فکری ارتقاء، اس کے علمی تجربوں، اس کے طریق فکر اور اس کی ذہنی صلاحیت کی ہانڈی کا سر جوش ہوا کرتا ہے۔"[1]

اسلامی حوالے سے طلبہ کے فکر و عمل کو واضح رخ دینے میں نصابِ تعلیم و تربیت کچھ زیادہ ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات کے حوالے سے تشکیل و تدوین میں اہم ترین سوال ہے کہ اسلامی ریاست کو کس طرح کے انسان اور ان میں کون سے اوصاف مطلوب ہیں؟ اس تناظر میں نصاب کی اسلامی تشکیل میں اسلامی تہذیب کے احیاء کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی سارے تعلیمی و تربیتی عمل کا رشتہ اس رب سے جوڑا جائے جو پوری کائنات کا خالق ہے۔

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"اگر ایک عمل حقیقت کے طور پر سوچا جائے تو بات بہت سیدھی اور صاف ہے کہ نصاب تعلیم کا زندگی سے معاشرے سے اور طرز فکر سے اور یہاں تک کہ دینی تصورات سے اور ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے سے اور یہاں تک عرض کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث کے فہم سے مستحکم ربط ہے، اور اس سے جدا نہیں کر سکتے۔"[2]

چنانچہ نصاب تعلیم چاہے سائنسی علوم کے متعلق ہو یا عمرانی علوم سے اور چاہے وہ کسی بھی درجے میں پڑھایا جا رہا ہو، یا کسی بھی زمانے یا علاقے میں ہو، وہ اس نظریے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جس کا سر چشمہ وحی الٰہی ہے۔ اس سر چشمہ کے

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، نظام تعلیم۔ مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت، سید احمد شہیدؒ اکیڈمی، دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)، طبع: اول، اگست 2012ء، ص: 81

[2] ایضاً، ص: 81

ذریعے اللہ نے اپنے بندوں کی تعلیم و تربیت اور خلافت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے آسمانی کتابوں کی صورت میں نصاب تعلیم عطا کیا۔انسانیت کی فلاح کے لئے آخری کتاب قرآن کریم ہے جو رسول اللہؐ پر اتاری گئی لہٰذا نصاب کی اہم علمی بنیاد قرآن کریم اور سنت رسولؐ ہے اور یہی نصاب کا مرکز اور محور ہے۔اسلام کے نزدیک عقل و حواس کے ذریعے علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے لیکن اسے یقین کا درجہ حاصل نہیں۔لہٰذا یہ ذرائع لازماً بالاتر اور یقینی ذریعہ علم وحی الٰہی کے تابع ہوں گے۔حقیقت میں انسان مطلوب کے لازمی اوصاف کے حوالے سے تعلیمی اور تربیتی سرگرمیوں کا اساسی رہنما اصول دراصل وہ مشن ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے گئے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ ٱلَّذِي بَعَثَ فِي ٱلۡأُمِّيِّـۧنَ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٖ ۝٢﴾(1)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

تفسیر عبداللہ بن عباس میں ہے:

"اسی نے عرب میں ان کی قوم میں سے محمد ﷺ کو بھیجا جو ان کو قرآن کریم پڑھ کر سناتے ہیں جس میں اوامر اور نواہی کا بیان ہے اور ان کو توحید کے ذریعے شرک سے پاک کرتے ہیں یا یہ کہ زکوۃ اور توبہ کے ذریعے گناہوں سے پاک کرتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو قرآن کریم اور حلال حرام سکھاتے ہیں یا یہ کہ علم کی باتیں، مواعظ اور قرآن سکھاتے ہیں اور یہ اہل عرب رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل واضح طور پر کفر میں مبتلا تھے۔"(2)

مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں جو نظریہ زندگی فلاح انسانیت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، اس کی بنیاد پر ہر تعلیمی سطح اور ہر قسم کی درسگاہ کے نصاب کی تشکیل میں تلاوت آیات، تزکیہ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔

---

[1] ۔الجمعہ، 2/62

[2] ۔ابوطاہر محمد بن یعقوب، فیروز آبادی، عبداللہ بن عباس، تفسیر ابن عباس، مکی، مترجم، مولانا پروفیسر محمد سعید احمد عاطف، دارالکتب، لاہور، ج: سوم، 2009ء، ص: 373

اگر تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو اسلامی نظام تعلیم کی کچھ نہ کچھ جھلک ہمیں مروّجہ مدارس اسلامیہ میں نظر آتی ہے، دینی اور اخلاقی لحاظ سے ان طلباء کا مقام کافی حد تک بلند نظر آتا ہے، بزرگوں کی قدیم طرز زندگی اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، دینی مدارس کے ماحول میں احکام دین کی پابندی اور نشست و برخاست کے اندر بھی ایک پس منظر کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہاں اسلامی نظام تعلیم سے مراد مروّجہ مدارس اسلامیہ کا نظام تعلیم ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کا تاریخی پس منظر

بحیثیت مسلمان نبی اکرم ﷺ کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی عظیم الشان روحانی، اخلاقی اور معاشرتی دعوت تھی تو اسی بناء پر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ظہور نبوت سے پہلے دنیا کی عمومی حالت کیا تھی اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک ایسا کرہ تھا جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا تو بالکل بجا ہوگا۔ اس وقت عالم انسانی کا نظام فکر و عمل درہم برہم ہو چکا تھا۔ معاشرے میں اخلاقی اور روحانی قدریں دم توڑ چکی تھیں۔ سابقہ انبیاء کی تعلیمات کو بھلا دیا گیا تھا۔

جزیرہ عرب میں جہالت و وحشت کا دور دورہ تھا۔ اس سر زمین میں ناخواندگی اور جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہر سو چھایا ہوا تھا۔ اسی بناء پر اسے دور جاہلیت کہا جانے لگا۔ تاہم معلم انسانیت کی بعثت سے تقریباً نصف صدی پیشتر مکہ معظمہ کو بیت اللہ کی مناسبت سے ایک طرح سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

> "عرب کے تمام قبائل اس کی تقدیس کے قائل تھے اس کے تقدس کے پیشِ نظر اس کے قرب و جوار میں سالانہ میلے اور بازار لگنے شروع ہو گئے تھے۔ اس نوعیت کے مرکزی اجتماعات مختلف قبائل کے شعراء، خطباء، اور فصحاء کی علمی سرگرمیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔"(1)

عہد نبویؐ سے پہلے عرب میں کسی باقاعدہ نظام تعلیم کا سراغ نہیں ملتا، صرف زبانی تعلیم اور اس کے چند اداروں کا سراغ ہے جس میں یہودی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ بات یقیناً تعجب انگیز اور حیرت افزا ہوگی کہ اس زمانہ میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس قائم تھے خواہ وہ کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے ہوں لیکن تعلیمی شعور اور علمی ذوق کا نتیجہ تھا کہ لڑکوں کی تعلیم کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا احساس پایا جاتا تھا چنانچہ علامہ ابن قیمہ لکھتے ہیں۔

> "مکہ مکرمہ کے قریب قبیلہ ہذیل کی ایک مشہور فاحشہ عورت "ظلمہ" بچپن میں اسکول جاتی تھی جہاں اس کا محبوب مشغلہ بچوں کی دواتوں میں قلم ڈالنا اور نکالنا تھا۔"(2)

---

[1] ۔ محمد عبد المعبود، عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور، 2001ء، ص: 11

[2] ۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، ص: 11

علامہ احمد بن علی القلشقندی کی روایت کے مطابق:

"زمانہ جاہلیت میں ابو سفیان بن حرب نے بھی مکتب قائم کر رکھا تھا قریش کے متعدد لوگوں کے علاوہ عمر بن خطاب نے بھی اس میں تعلیم حاصل کی تھی۔"[1]

اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل یہود نے ہمیشہ تعلیم پر توجہ دی اور آج بھی تعلیمی تحقیقات کے نتیجے میں پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

"اسلام سے پہلے بھی مدینہ میں یہودیوں کے بچوں کے تین مکتب قائم تھے، جہاں ابو سفیان، بشر اور ابی قیس المعروف الکاتب تعلیم پر مامور تھے۔"[2]

زمانہ جاہلیت کے نظام و تمدن کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جہالت کی تاریکیوں میں بھی لوگوں میں کچھ نہ کچھ تعلیم و تعلم کی رغبت تھی جس کے لیے انفرادی اور پرائیویٹ سطح پر مردوں اور عورتوں دونوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔

عہد نبویؐ کا نظام تعلیم

آپ ﷺ نے جس مثالی نظام تعلیم کی بنیاد رکھی اس کے مراکز مساجد تھے۔ یہ ادارے اسلام کے آغاز سے ہی وجود میں آگئے تھے، کچھ کا تعلق مکہ سے تھا کچھ کا مدینہ سے اور کچھ ادارے بیرون ممالک میں تھے جیسے آج کل بہت سے اداروں کا بیرونی یونیورسٹیوں سے الحاق ہوتا ہے ان میں سے کچھ درسگاہیں مکمل وقت کے لیے تھیں کچھ جزوی وقت کے لیے جیسے آج کل صبح وشام کے اسکول و کالجز موجود ہیں۔ معلم انسانیت ﷺ نے تعلیم و تلقین کا مقدس سلسلہ سرزمین مکہ ہی سے شروع فرمادیا تھا دار ارقم کو اپنی اولین درسگاہ قرار دیا تھا۔ جہاں مسلمانوں کو قرآن مجید اور دینی مسائل سے سرفراز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ انہیں صرف اخلاقی و مذہبی تعلیم سے بہرہ یاب فرماتے تھے۔ پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں:

"عہد رسالت میں تعلیمات کی بنیاد "الکتاب" پر رکھی گئی اس کتاب نے جزیرۃ العرب میں بعدازاں پورے عالم میں ایک فکری انقلاب کی بنیاد رکھ دی تھی۔ جس کے اثرات مشرق و مغرب میں ہر زمانے میں محسوس کئے گے عہد رسالت کا نظام تعلیم لازمی طور پر قرآن مجید و فرقان حمید کے ہی تابع

---

1 ۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، ص:11

2۔ حافظ غلام حسین، اسلامی حکومت میں اقلیتیں، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ لاہور، (س۔ن)، ص:4

تھا(ولا تقف مالیس لک بہ علم)کا اعلان کر کے جہاں اوہام پرستی کی جڑ کاٹ کر علم کی پیروی کا حکم دیا گیا وہاں ظن تخمین اور قیاجات پر مبنی علوم کو باطل قرار دے دیا گیا۔"[1]

مکی عہد کی تعلیمی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر اسلم رقمطراز ہیں:

"اس ضمن میں پالیسی یہ تھی کہ مسلمان صرف وحی اور قرآن کی طرف متوجہ رہیں تاکہ نزول وحی ہی مسلمانوں کی سوچ وفکر کردار اور شخصیت کو خاص سانچے میں ڈھال دے اس پالیسی پر مکہ کے تیرہ سالہ قیام کے دوران اور ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی چند سالوں تک عمل رہا۔"[2]

اسلام نے مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کرنے کے لیے جن خاص دینی احکام کی تعلیم کی ضرورت محسوس کی ہے اس کے پیش نظر قرآن اور وحی الٰہی کو بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

اسلام میں پہلی درسگاہ

بعثت نبویؐ کے بعد ابتدائے اسلام کا دور مسلمانوں پر مصیبتوں کا دور تھا مسلمان کھل کر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔جب سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اپنا سب کچھ رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا حتٰی کہ اپنا گھر تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کے لیے وقف کر دیا۔آپ کا گھر کوہ صفا پر عام بستی سے ہٹ کر تھا اور اس جگہ پر مسلمانوں کا اکٹھا ہونا بنو قریش اور بنو ہاشم کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔اس گھر میں اہل ایمان اور حضورؐ کی محافل سجتی تھیں۔یہ اسلام کی سیکھنے اور سکھانے کی پہلی درسگاہ اور تبلیغ کا مرکز تھی۔

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں۔

"صفہ نامی چبوترہ پہلا مدرسہ تھا اور اصحاب صفہ اس کے متعلم تھے۔اس میں ستر اور اسی تک طالب علم تھے۔حضور ﷺ کے علاوہ دوسرے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بھی یہاں معلم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے تھے۔"[3]

اگرچہ اس پہلی اسلامی یونیورسٹی میں تعلیم ابتدائی نوعیت کی تھی اس کے باوجود متعدد شعبوں پر مشتمل تھی مثلاً لکھائی، پڑھائی کا شعبہ، تعلیم قرآنی کا شعبہ، جو لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتے انہیں اس وقت تک کی نازل شدہ آیات کی تعلیم دی جاتی، اسلام کی اس اقامتی درسگاہ میں طلباء کی مجموعی تعداد بعض اوقات چار سو تک بھی ہو جاتی تھی۔

---

[1] محمد اسلم، اسلامی تعلیم، ش:5، ستمبر، اکتوبر، 1972ء، ص:38

[2] ایضاً، ص:40

[3] خورشید احمد، نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، (س۔ن)، ص:28

"آپ ﷺ نے مسجد سے باہر ایک گوشہ کو "صفہ "علم وادب کا مرکز قرار دیا۔ جسے موجودہ زبان میں رہائشی یونیورسٹی کہا جا سکتا ہے۔اس یونیورسٹی میں مقیم طلباء و فضلاء اصحابِ صفہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اس میں زیر تعلیم طلبا دو قسم کے تھے۔کچھ طلباء شہر کے مختلف حصوں میں رہائش پذیر تھے اور پڑھائی سے فارغ ہو کر گھروں کو چلے جاتے تھے اور کچھ ایسے تھے جن کا گھر نہ ہونے کی وجہ سے وہی ان کا ہاسٹل بھی تھا۔"[(1)]

اس مدرسے نے اسلامی حکومت میں تعلیم کے نہج کی جو بنیاد رکھ دی اور جو روایت قائم کی، وہی ہماری تعلیمی روایت بن گئی۔

بنیادی خدوخال

حضور ﷺ ﷺ نے اس درس گاہ کی بنیاد اور اساس جن خطوط پر رکھی وہ ایک مسلم معاشرے کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ ﷺ نے نہ صرف نصاب تعلیم کی بنیاد رکھی بلکہ مقاصد تعلیم کی بھی وضاحت مبین کی۔ پروفیسر خورشید احمد نے تعلیمی تاریخ سے جو نتائج اخذ کیے وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"اولین چیز دینی تعلیم ہے۔قرآن اور سنت نبوی ﷺ کو نصاب تعلیم کا مرکز و محور ہونا چاہیے۔ تعلیم کا مقصد اچھا انسان اور داعی الی الحق بنانا اور مسلم معاشرے کی تمام ضروریات کو پورا کرنا ہے۔رسول کریم ﷺ نے تعلیم اور مسجد کا تعلق قائم کیا۔مسجد دینی محور سیاسی مرکز اور تعلیم گاہ قرار پائی اور اس کے ذریعے سے طالب علم ایک مخصوص ثقافتی ورثے کے امین بنے۔"[2]

اسلامی نظریہ تعلیم کی بدولت اسلامی معاشرہ بھی تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور معاشی ترقی کے اعتبار سے کمال تک پہنچ گیا۔ اس سلسلے میں عہد نبوی ﷺ کے نظام کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں:

"دیگر علوم اور زبانیں سیکھنے کی بھی عام اجازت دے دی گئی کیونکہ قرآن کا بپا کردہ فکری اور اخلاقی انقلاب ہجرت کے بعد بتدریج غالب آرہا تھا۔اسلامی آداب، تہذیب اور اقدار تیزی سے تکمیل کے مدارج طے کر رہی تھیں۔"[3]

انسانیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ تعلیم کی فضیلت وفوقیت اتنی عام ہوئی کہ تعلیم اور تحصیل تعلیم پر نہ صرف پادریوں ، برہمنوں اور شہزادوں کی اجارہ داری ختم ہوئی بلکہ ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب خاص و عام آزاد اور غلام عورت اور مرد کی

---

[1] ۔عہد نبوی کا نظام تعلیم، ص:13

[2] نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، ص:29

[3] اسلامی تعلیم، ص:45

ضرورت اور بنیادی حق قرار دی گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدینہ منورہ ایک تعلیمی مرکز بن گیا جس کے نتیجے میں صحابہ کرام کی ایسی کھیپ تیار ہوئی جس نے اس تعلیمی پروگرام کو آگے بڑھایا۔

عہد نبویؐ کے بعد کے ادوار

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تعلیم کے بنیادی خطوط کا ارتقاء ہوا، مسجد تعلیم کا مرکز بن گئی، حلقہ ہائے قرآن واحادیث قائم ہوئے۔ مسجد میں کئی کئی حلقے لگتے اور ان میں ہزاروں طلبہ شریک ہوتے تھے۔ خوشحال اساتذہ اپنی کفالت خود کرتے البتہ ضرورت منداساتذہ کی بیت المال سے کفالت کی جاتی تھی۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اساتذہ کی باقاعدہ تنخواہیں اور وظیفے مقرر فرمائے اور ہر مسجد ایک مکتب اور ہر میدان تعلیم گاہ بن گیا۔ پہلی چار صدیوں تک یہی نظام رائج تھا۔"[1]

اصطلاحی مدارس نہ ہونے کے باوجود تعلیمی نظام اتنا مستحکم تھا کہ تعلیم گھر گھر پہنچ رہی تھی گویا ہمہ گیر تعلیم موجود تھی۔

"دور قدیم کی اہم تعلیم گاہوں میں جو قابل ذکر ہیں اور آج بھی قائم ہیں ان میں تیونس کی جامعہ زیتون اور مصر کی جامعہ ازہر شامل ہیں۔ مساجد کے علاوہ خانقاہیں، علماء کے مکانات اور کھلے میدان تعلیم گاہ کا درجہ رکھتے تھے۔"[2]

اس دور کے تعلیمی اداروں میں مرکزی حیثیت مساجد کو ہی حاصل تھی تاہم تعلیمی عمومیت کا یہ عالم تھا کہ علماء کے مکانات اور کھلے میدان بھی تعلیمی مرکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور تمام طلبہ کو تعلیم مفت دی جات تھی۔ یہ مسلمانوں کے تعلیمی نظام کا پہلا دور شمار کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے تعلیمی نظام کے دوسرے دور میں پیش رفت ہوئی، اس میں مساجد کے ساتھ ساتھ مدارس اسلامیہ بھی قائم ہونے لگے۔ اس دور میں تعلیمی اداروں کے لیے باقاعدہ اخراجات متعین کیے جانے لگے، نصاب تعلیم مرتب کیا گیا اور کتب خانوں کی تعمیر بھی کی گئی۔

"دوسرے دور کا آغاز پانچویں صدی ہجری کے اوائل سے ہوتا ہے۔ اس میں مساجد کے علاوہ باقاعدہ مدارس بھی بڑے وسیع پیمانے پر قائم ہوئے۔ غالباً سب سے پہلا مدرسہ جس کی اپنی عمارت سرکاری گرانٹ اور وقف املاک برائے عام اخراجات اور مرتبہ نصاب تعلیم وغیرہ تھے سلطان محمود غزنوی

---

[1] اسلامی نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، ص:29

[2] ایضاً، ص:30

نے اپنے پایہ تخت غزنی میں 410ھ میں قائم کیا۔۔۔اور اس کے کتب خانے کو نادر کتب سے آراستہ کیا گیا۔"[1]

سلطان محمود غزنوی نے اپنی پوری سلطنت کے اندر بے شمار مدارس قائم کیے۔اور ان کو دیکھتے ہوئے کئی اہل ثروت نے بھی یہ خدمت سرانجام دی۔تاریخ کی یہ ستم ظریفی ہے کہ انہوں نے سلطان غزنوی کو عسکری حملوں کی بدولت تو یاد رکھا لیکن تعلیمی دنیا میں جو انقلاب برپا کیا اس کا اعترف نہیں کیا گیا۔

دوسرا اہم مدرسہ جس نے تاریخی نام حاصل کیا وہ مدرسہ نظامیہ بغدادیہ ہے جس کو دولت سلجوقیہ کے مشہور وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے قائم کیا۔اس مدرسہ کو امام الحرمین اور امام غزالیؒ جیسے مدرسین نصیب ہوئے۔اس کے ساتھ ہی مدارس کی روش چل پڑی اور پوری دنیا میں اس کا جال بچھ گیا۔ایسے ایسے عظیم الشان مدارس قائم ہوئے جن ماتحت متعدد مدارس کام کرتے ہیں دوسرے الفاظ میں ان کو یونیورسٹی کہا جا سکتا ہے۔ان میں وہی سابقہ تمام اصول کارفرما تھے جو پہلے دور میں گزر چکے ہیں۔ایسے نظام تعلیم کی نظیر اور مثال کسی اور تمدن میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

برصغیر میں دینی مدارس کا آغاز و کردار

برصغیر پاک وہند میں اسلامی فکر اور اسلامی نظام تعلیم کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو کئی ادوار سامنے آتے ہیں۔برصغیر میں ریاستی سطح پر منظم اسلامی تعلیم کا آغاز ایک انتظامی ضرورت کے تحت ہوا۔

محمود غزنوی کا کردار

یہاں ہم محمود غزنوی کے دور کو اس لیے اولین درجہ دے رہے ہیں کہ ہندوستان میں سب سے پہلے مدارس قائم کرنے والا یہی خاندان تھا۔شاید ہی کوئی بادشاہ اس خاندان کا گزرا ہو جس کو تعلیم کی ترقی کا خیال نہ رہا ہو۔ان میں سے ہر ایک دوسرے سے علم و فن کی سرپرستی میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا۔

"سلطان محمود اور اس کے جانشینوں کے دربار میں ہمیشہ ممتاز علماء و فضلا کا جمگھٹ لگا رہتا۔انہوں نے اپنی اپنی حکومتوں کے زمانے میں بہت سے مدارس اور تعلیمی ادارے قائم کئے سلطان محمود نے برصغیر پاک وہند میں پہلا مدرسہ قنوج کے مقام پر 409ھ میں قائم کیا۔"[(2)]

---

[1] اسلامی نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، ص:30

[2]۔تاریخ قدیم مدارس عربیہ، ص:29

سلطان محمود غزنوی نے علم وادب کی سرپرستی کے باعث بہت شہرت حاصل کی۔ غزنوی ایک سپہ سالار اور فاتح کی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ علم وفن کی سرپرستی کے اعتبار سے بے نظیر حکمراں تھا۔ بڑے بڑے عالم اور شاعر اس کے دربار میں موجود ہوتے تھے۔ غزنی میں بڑے بڑے مدارس تعمیر کروائے اور اہل علم کی امداد پر لاکھوں روپے سالانہ خرچ کرتا تھا۔

اورنگزیب عالمگیر کا کردار

سلطان محمود غزنوی کے بعد یکے بعد دیگرے مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتے ہوتے اورنگزیب عالمگیر کا سنہری دور برصغیر میں آیا۔ جس میں بادشاہ وقت نے خود دینی مدرس میں بڑی دلچسپی لی اور متعدد مدارس قائم کیے۔

> "اورنگزیب تعلیم وتدریس میں وسیع نقطہ نظر رکھتا تھا۔ اس نے مدارس کی خودمختاری میں براہ راست مداخلت کیے بغیر نصاب میں عصری علوم کے اضافے اہم تبدیلیاں کرائیں اور طالب علموں کے لیے وظائف جاری کیے۔"(1)

اورنگزیب تعلیم دوست شخص تھا، اس نے تعلیم پر خصوصی توجہ دی شہر شہر اور قریہ قریہ اساتذہ مقرر کیے نہ صرف مقرر کیے بلکہ ان کے وظائف بھی جاری کیے اور طلبہ کی معاش کے لیے بھی حکومت کی طرف سے سہولتیں دی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب کے زیادہ تر فرامین تعلیم کے ہی متعلق ہیں۔

یہ تھا مسلمان حکومت کا حال اس روش پر مسلمان امراء اعیان حکومت زمیندار اور دوسرے اہل ثروت عمل کرتے تھے۔

درس نظامی کا آغاز

درس نظامی تعلیم کا کورس ہے جسے اورنگزیب عالمگیر نے نافذ کیا تھا۔ اس نے ماہر تعلیم ملا نظام الدین سہالوی[2] سے کہہ کر ایسی دینی تعلیم کا نصاب مرتب کرایا تھا جو عہد مغلیہ میں سول سروس کا نظام کہلاتا تھا۔ مسلمانوں میں عقلی و نظریاتی شعور پیدا کرنے کے لیے جب اس نصاب کا نفاذ کیا گیا تو مسلمانوں میں علمی و عقلی انقلاب پیدا ہوا۔ نواب سعد اللہ خان جیسا سیاست دان جس نے مغلیہ دور میں پورے ہندوستان پر بطور وزیر اعظم حکمرانی کی تھی وہ اسی درس نظامی کا فاضل تھا۔

1۔ سلیم منصور خالد، دینی مدارس میں تعلیم کیفیت، مسائل، امکانات، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، عالمی ادارہ فکر اسلامی، 2002ء

2 ملا نظام الدین سہالوی بانی درس نظامی، معتبر عالم دین، فقیہ، فلسفی، شارح اور ایک ممتاز عالم دین تھے۔ وہ موجودہ اترپردیش بھارت کے ایک قصبہ سہالی میں پیدا ہوئے۔ ماہنامہ اشراق، لاہور، ستمبر 2013ء

برصغیر پاک وہند کے مدارس عربیہ میں مروج نصاب تعلیم کو اس کے مرتب ملا نظام الدین محمد سہالوی کی نسبت سے درس نظامی کہا جاتا ہے۔

"ملا نظام الدین محمد سہالوی کا سلسلہ نسب صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے۔"[1]

"ملا قطب الدین کے چار بیٹے تھے ملا اسد، ملا محمد سعید، ملا نظام الدین محمد اور ملا محمد رضا تھے۔ ملا سعید نے والد کی شہادت پر بادشاہ وقت اورنگزیب عالمگیر سے فریاد لگائی اس پر بادشاہ نے انہیں لکھنوء میں رہائش کے لیے فرنگی محل دے دیا۔"[(2)]

"اسی فرنگی محل میں اورنگزیب نے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور اس میں ملا نظام الدین سہالوی کو استاد مقرر کیا جنہوں نے درس نظامی کا آغاز کیا۔"[(3)]

ملا نظام الدین نے جو نصاب تعلیم مرتب کیا وہ انتہائی اہم اور کئی خصوصیات کا حامل تھا یہی وجہ ہے تھی کہ بہت جلد اس نصاب کو ہندوستان کے باقی مدارس نے بھی اپنا لیا جو انگریز سامراج کے تسلط تک من و عن قائم رہا۔ انگریزوں کی آمد سے اسلامی نظام تعلیم کو ختم کر دیا گیا۔ فارسی زبان کی بالادستی کو ختم کر کہ انگریزی زبان کو ہندوستان کی سرکاری زبان بنا دیا گیا۔

اسلامی نظام تعلیم کا خاتمہ

برصغیر پاک وہند انگریز حکومت کے ہاتھوں میں جانے سے قبل مسلم قوم نہ صرف سیاست میں مستحکم تھے بلکہ ذہن و فراست میں بھی بڑی قوت رکھتے تھے ان کا بنایا ہوا نظام تعلیم اعلیٰ درجے کی ذہنی تربیت دے سکتا تھا اس لیے مسلمانوں کا نظام ہندوستان کے دیگر تمام نظاموں سے بدرجہا فائق اور بہتر تھا۔

"انگریزوں نے جس وقت اس ملک پر قبضہ کیا ہے اس وقت یہاں کی تعلیمی دنیا پر تاریکی اور ظلمت کا نہیں بلکہ روشنی اور نور کا دور دورہ تھا۔ انگریزوں نے علم کی ان شمعوں کو گل کیا، مدارس کو بند کیا، تعلیمی اعانت اور سرپرستی کے نظام کو ختم کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی نسلوں میں ہمیں ایک ناتعلیم یافتہ گروہ بنا دیا۔"[4]

---

[1]۔ محمد اختر راہی، تذکرہ مصنفین درسِ نظامی، مکتبہ رحمانیہ 118 اردو بازار لاہور، 1978ء، ص:13

[2]۔ ایضاً، ص:1، 14

[3] دینی مدارس میں تعلیم، ص:9

[4] نظام تعلیم، نظریہ، روایت، وسائل، ص:79

مسلمانوں کا مرتب کردہ نظام تعلیم کسی نہ کسی حد تک اسلامی نظام تعلیم کی جھلک پیش کر رہا تھا۔ مسلمان جب زوال پذیر ہوئے تو مغربی طاقتیں اسلامی ممالک پر حملہ آور ہوئیں اور اسلامی نظام ختم کر دیا، مسلمان نسلوں کو اپنا مستقل غلام و محکوم بنانے کے لیے اسلامی نظام تعلیم و تربیت کو یکسر معطل کر کے اپنے الحاد و بے دینی اور باطل عقائد و نظریات پر مبنی نظام تعلیم کو مسلمانوں پر مسلط کیا تاکہ آنے والی نسلیں مغرب کی فکری و ذہنی غلام بن جائیں اور ان کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھا دی جائے کہ مغربی افکار و نظریات، نظام حیات، تہذیب و ثقافت اور طرز زندگی کو اپنانے میں ہی انسانیت کی فلاح و بہبود ہے۔

انگریزوں نے بڑے غور و فکر کے بعد دینی تعلیم کے خلاف ایک جامع منصوبہ تیار کر کہ اس پر بڑی مستقل مزاجی سے برسوں تک عمل جاری رکھا۔ انگریز کے اس منصوبے سے دینی مدارس بند ہوتے چلے گے لیکن کوئی اس پر آنسو بہانے والا نہ رہا اور کسی نے اس صریح ظلم کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ انگریز کے اس منصوبے کے تین اجزاء تھے۔ (1) مدارس سے لوگوں کو بد ظن کرنا (2) مدارس کے فضلاء پر رزق کے دروازے بند کر دیئے جائیں (3) مدارس کے ذرائع آمدنی پر حکومت قابض ہو جائے۔ پھر اس مظلوم قوم کے لیے ایک ایسا نظام تشکیل دیا جو اس کے فکر و نظر اور ثقافت و تہذیب کو کو مسخ کر دے۔ پہلے اس چمن کو اجاڑا گیا اور پھر اس کی جگہ ایک جنگل اگا یا گیا۔

فصل دوم

جدید نظام کا تعارف

جدید نظام تعلیم سے مراد وہ نظام ہے جو سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے۔ جس میں دین کی بعض بنیادی باتوں کی زیادتی کر کے خالصتاً جدید علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پاکستان کی تعلیمی زندگی کی تاریخ متحدہ ہندوستان کی تعلیمی تاریخ سے مربوط اور منسلک ہے یہی وجہ ہے کہ یہ نظام تعلیم بھی ہمیں ورثہ میں ملا ہے جو سامراجی قوتوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے متحدہ ہندوستان میں ترتیب دیا تھا۔

جدید (مغربی) نظریہ تعلیم

کسی قوم کی پختہ اور تربیت یافتہ عادتوں کا اندازہ ان کی طرز معاشرت سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں سالہا سال کی محنت، ریاضت اور تجربات شامل ہوتے ہیں۔ طرز معاشرت اور معاشرتی زندگی کی اساس و بنیاد نظریہ تعلیم پر ہی ہوتی ہے جو اس کے ماہرین اور مرتبین کے عقائد و نظریات فلسفہ زندگی کے بارے میں ہوتے ہیں جو ان کے خیالات، اساس و مقاصد اور ان کے اخلاق و کردار کا عکس ہوتے ہیں۔ جو نظریات و فلسفہ تعلیم کے بارے میں مرتب کئے جاتے ہیں وہی اس معاشرے اور سوسائٹی میں رائج ہوتے ہیں۔ اگر یہ نظریہ حیات، مقاصد و معیار اور اساس و بنیاد سے یکسر مختلف ہوں تو پھر ذہنی کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ ملک و ملت کی تعمیر کے بجائے تخریب اور تصدیق کے بجائے نفی و تردید ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ اس قوم و معاشرہ کا پورا نظام حیات درہم برہم ہو جاتا ہے۔

> "تمدن کے حوالے سے تکنیکی تعلیم، سبب اور نتیجے کے طور پر سامنے آتی ہے اس قسم کی تعلیم فرد کو معاشرے کے لیے تیار کرتی ہے اور اس کے دیگر تمام پہلو اسی پیمانے پر ناپے جاتے ہیں اس تعلیم کی تکمیل اس پر ہوتی ہے کہ انسان عناصر فطرت پر غلبہ حاصل کرے یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جو تعلیم دی جاتی ہے اس کا آغاز اور اختتام انسان پر ہوتا ہے۔ اعلیٰ انسانی قدروں پر نہیں، تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے درمیان جو شدید خلفشار ہے یہ بناوٹ کا نہیں بلکہ نظریے کا فرق ہے۔ اس کے پیچھے ایک باضابطہ فلسفہ موجود ہے۔ تعلیم کے دونوں نظاموں میں تہذیب و تمدن کا فرق اپنے تمام نتائج کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔"(1)

1۔ علی عزت بیگوچ، اسلام اور مشرق کی تہذیبی کشمکش، محمد ایوب منیر (مترجم)، ادارہ معارف اسلامی، لاہور 1994ء، ص: 108

جدید مغربی فلسفیانہ غور وفکر کے محرکات

جن محرکات کی بناپر جدید مغربی تعلیم فلسفیانہ غور وفکر کرتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ پیش نظر حقیقت، یہ مادی کائنات، نامی شعوری اور خود شعوری کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے ان میں سے ہر ایک کے کچھ خصائص ہیں،

2۔ حقیقت کی نسبت پہلے سے موجود کوئی نظریہ۔

3۔ حقیقت اور اس کے مابین کوئی تضاد۔

4۔ نظریہ حقیقت اور صاحب فکر کے اپنے شعور کے کسی مطالبے کے درمیان تضاد۔

5۔ ان تضادات کے پیش نظر صاحب فکر کے ذہن پر بار۔[1]

جدید (مغربی) نظام تعلیم کی بنیاد ایسے لوگوں نے رکھی جن کے پاس حقیقی سرچشمہ علم نہ تھا۔ فلسفہ تعلیم کی بنیاد ڈالنے والوں کے پاس نہ تو حکمت تھی نہ ہی علم جس سے وہ نوع انسانی کی صحیح راہ کی طرف راہنمائی کر سکیں۔ مغرب نے خود ساختہ منزل کا تعین کیا اور الحاد اور مادیت کے نظریے و نقطے پر اپنے نظام تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش کی، مغربی نظام تعلیم کے مفسرین ایک الجھن کا شکار ہیں کیوں کے وہ فطرت انسانی کی غلط تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے پاس تعلیم کا کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس کے بل بوتے پر وہ اسے مکمل نظام حیات تسلیم کریں سوائے حیوانی احتیاجات کے۔ جدید (مغربی) فلسفہ تعلیم نام نہاد ترقی کی طرف گامزن ہے اس طرح ان کی تہذیب میں حیوانیت غالب ہے اور وہ اخلاقی قدروں کے بحران کا شکار ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنی کتاب میں مغربی فلسفہ تعلیم کے المیہ کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

> "A correct theory of education as indeed of any human activity can be founded only in a correct theory of the nature of man unfortunately the modern intellectuals are on their own confession very backward in their knowledge of human nature.[2]"

ترجمہ: جب تک انسانی فطرت کے پاس صحیح تصور حیات اور متعین راستہ موجود نہ ہو اس وقت تک صحیح نظریہ مرتب نہیں کر سکتی۔ مغربی فلسفیانہ مکاتب فکر کے پاس شاید ہی کوئی ایسا فلسفہ تعلیم موجود ہو جو کامل معیار پر پورا اترتا ہو اس لیے مغربی ماہرین تعلیم کی فکر اور زاویہ نگاہ میں تضاد اور ابہام پایا جاتا ہے۔

---

[1] ۔ برہان احمد فاروقی، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، سروسز کلب، علم و عرفان پبلشر اردو بازار لاہور، 1996ء، ص:226

[2] Muhammad Rafiuddin, "First principles of Education", Iqbal Academy Pakistan,Lahore,1983,P.1

ڈاکٹر محمد رفیع الدین لکھتے ہیں:

"There is hardly any philosophy of education at present which answers completely to this description of a true philosophy of education. The modern Educationists are vague and confused and the philosophies of education produced by them are full of serious intellectual loopholes and discrepancies."(1)

ترجمہ: جدید مغرب کے فلسفہ نظام تعلیم میں بڑی الجھن یہی ہے کہ ان کے پاس کوئی تصور حقیقت نمایاں نہیں ان کا فلسفہ تعلیم محدود اور صرف جسمانی ضروریات اور خواہشات کے گرد گردش کرتا ہے۔

پروفیسر سید سلیم مغربی فلسفہ تعلیم کو اپنے انداز میں لکھتے ہیں:

"اہل مغرب کے نزدیک انسان ایک حیوان ہے اس کے حیوانی تقاضے اور مطالبات ہیں ان کو نہ انسان کے آغاز سے دلچسپی ہے نہ انجام سے۔"(2)

مغربی فلسفہ حیات کا تقاضا صرف دنیاوی زندگی کی عیش و عشرت ہے جس کی بدولت وہ دنیا کی ہر چیز کو مسخر کرنا چاہتا ہے لیکن تہذیبی لحاظ سے وہ بالکل بے لگام ہے۔ مغربی نظریہ تعلیم کا فلسفہ اور روح اپنا منفرد ضمیر ایسے نظریات پر مبنی ہے جو صرف مفروضات پر قائم ہے اور مصنفین اور مرتبین کے عقیدہ و ذہنیت کا عکس اور ہزاروں سال کے طبعی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ یہی افکار واقدار کا مجموعہ اور ان کی تعبیر ہے۔ مغرب کے حکماء تعلیم کے فلسفہ کے بارے میں جو رائے زنی کرتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے فلسفہ تعلیم میں ان کے خیالات کس قدر منتشر ہیں۔ الغرض مغربی فلاسفروں اور ماہرین تعلیم نے جو نظریات پیش کئے ہیں ان کو پڑھ کر ایک طالب علم میں یہ رجحان پیدا ہوتا ہے کہ وہ محض حیوانی مخلوق کی ترقی یافتہ شکل ہے اس کا کام فقط ان حیوانی اعمال کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ مغربی ماہرین تعلیم انسان کے بارے میں مندرجہ ذیل خیالات پیش کرتے ہیں:

ارسطو Aristotle--------انسان دو ٹانگوں والا جانور ہے۔

ڈیکارٹ Descartes------انسان ایک مشین ہے جس میں روح ہے۔

تھامس مور Thomas More-----انسان ایک دوسرے کے لیے بھیڑیا ہے۔

روسو Rousseau-------انسان ایک وحشی ہے البتہ اس کو سدھایا جاسکتا ہے۔

---

[1] Muhammad Rafiuddin ,First principles of Education.P.1

[2]۔ سید محمد سلیم، مغربی تہذیب اور اسلام میں تعلیم کا مقصد، ماہنامہ افکار معلم، لاہور، 1999ء، ج:12، شمارہ:7

ڈیوڈ ہیوم David Hume-------انسان کو ایک بد معاش ہی تصور کرنا چاہیے۔

ڈارون Darwin------------انسان ایک اعلیٰ درجے کا حیوان ہے۔

فرائڈ Freud------------انسان ایک حیوان ہے اس کی جبلت منحرف ہو کر تباہی مچا دیتی ہے۔[2(1)]

جدید مغربی نظریہ تعلیم کا پرچار کرنے والوں نے انسانیت کو اس کے اعلیٰ وارفع مرتبہ سے گرا کر حیوان ثابت کر دیا ہے۔اس طرح انسانی شخصیت کی اعلیٰ ترقی کے بجائے اسے تخریب اور اخلاقی پستی کی تعلیم دینے کا فلسفہ پیش کیا۔مغربی نظام تعلیم تہذیب و تمدن،اخلاق و کردار،علم و فکر اور میلانات اور رجحانات کے جو اثرات مرتب کرتا ہے اس کی اساس بنیاد مغرب کا فلسفہ تعلیم ہی ہے۔جس پر اس تہذیب کی تشکیل ہوئی اور وہ فلسفہ تعلیم الحاد،انکار خدا،مادیت اور جنسی آزادی اور لبرل ازم شامل ہیں۔

مغربی نفسیات کے معقولات

"انا یا خودی----Ego-----شعور-----consciousness

ادراک-----knowing----جذبہ-----Feeling

رادہ-----Willing----مقصود-----Purpose----ذریعہ----Means

یہ معقولات صرف نفسیات کے دائرے میں منطبق ہو سکتے ہیں جس مفروضے سے نفسیات اپنے مدلولات کی توجیہ کرتی ہے۔"[(3)]

---

[1] ۔سید محمد سلیم،"مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ"،ادارہ تعلیمی تحقیق،لاہور،1986ء،ص:74

[2] ارسطو ایک یونانی فلسفی،مفکر اور ماہر منطق تھا،جس نے سقراط جیسے استاد کی صحبت پائی اور سکندر اعظم جیسے شاگرد سے دنیا کو متعارف کروایا۔ڈیکارٹ ایک فرانسیسی سائنس دان اور ریاضی دان جس نے علم ہندسہ میں نمایاں کام کیا۔ڈارون ایک انگریز ماہر حیاتیات تھا،جس نے نظریہ ارتقاء پیش کیا اور دنیا کی سوچ میں بہت بڑی تبدیلی لایا۔ڈیوڈ ہیوم ایک سکاٹش فلسفی،تاریخ دان،ماہر معاشیات اور مضمون نگار تھا۔روسو ایک فرانسیسی فلسفی تھا،اس نے اپنی کتاب میں نظریہ معاہدہ عمرانی پر بحث کی،اس کتاب کا شمار انقلابی کتب میں ہوتا ہے۔تھامس مور جسے کاتھولک کلیسا نے اعزازی طور پر مقدس تھامس مور کا خطاب بھی دیا۔ایک انگریز وکیل،سماجی فلسفی،مصنف،سیاستکار اور نشاۃ ثانیہ کا ایک معروف انسان دوست تھا۔فرائڈ اصل نام سگمنڈ فرائڈ ہے۔6 مئی 1856ء کو پیدا ہوا اور 1939ء کو لندن میں وفات پائی۔یہ یہودی مفکر آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے اور اس کے کام پر بھی غور و خوض کیا جاتا ہے۔(Encyclopedia Britannica)

[3] ۔قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل،ص:61

مغربی اور جدید زندگی تعلیم کے فطری اور حقیقی ضروریات کے تقاضے کا نہیں بلکہ فرضی اور غیر حقیقی ضروریات کا مطالبہ ہے جس کی بندش محض قانونی گرفت استیصال رشوت کی کوششوں سے ممکن نہیں۔ یہ نظام زندگی ایک مدت سے اخلاقی ہدایات سے محروم ہے۔

علامہ اقبال مغربی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات"([1])

"تعلیم پیر فلسفہء مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش"([2])

جدید مغربی تعلیم کے مقاصد

جدید مغربی فلسفہ تعلیم کے گہرے مطالعے سے مندرجہ ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

تصور آزادی

جدید مغربی فلسفہ تعلیم میں انفرادی آزادی پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ انسان اپنے افعال و کردار، معاش و معاشرت، سیاست واخلاق غرض زندگی کے ہر شعبے میں آزاد اور خود مختار ہے۔ وہ ہر جائز وناجائز ذرائع سے دولت اکھٹی کرے یا کسی کے حقوق کو پامال کر کے خود مالک وخود مختار بن جائے وہ ہر معاملہ میں آزاد ہے، اس کی آزادی میں مذہب یا ریاست رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ مغربی مقصد آزادی سے مغرب کا خاندانی نظام تباہ و برباد ہو گیا ہے۔ مغربی تعلیمات کے مقاصد میں کوئی ایسا مقصد کارفرما نظر نہیں آتا جس کی بنیاد پر وہ اپنی زندگی کو صحیح راہ پر استوار کر سکیں۔ نظریہ آخرت کے وجود کو مغرب تسلیم نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ بے راہ روی کا شکار ہے۔

"مشرق کی اسلامی روحانیت وتصوف کے بر خلاف اس کو تزکیہ نفس، اصلاح قلب، خشیت الٰہی، عمل صالح، مجاہدہ نفس اور موت کے بعد کی زندگی اور اس کی تیاری سے کوئی تعلق نہیں"(3)

1۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، 2002ء، ص:399

2 ۔ایضاً، ص:399

3 ۔ سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال، مجلس نشریات اسلام، کراچی، گیارواں ایڈیشن، (س۔ن) ص:236تا237

یہی وجہ ہے کہ مغربی نظام تعلیم میں آزادی ایک اہم قدر ہے جس کے حصول کے لیے افراد کو تیار کیا جاتا ہے۔اس آزادی کی وجہ سے ضبط نفس اور اخلاق کے تمام پیمانے بے کار ہیں۔

> "When we look around we see that the situation is changing drastically. Today we have more women than men, now women are free because they are free to follow us.Men's eyes are are agender for them rare.For which they have to compete hard.You do not have to go to the wives, today you can call them from home without any hesitation on the telephone.Now there is no need for houses or capital, wives now the company is called Girls.All matters are settled with them on the phone like a doctor and the bill is paid at the end of the month."1

جب ہم گردوپیش پر نگاہ ڈالتے ہیں تو حالات یکسر بدلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں آج ہمارے ہاں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی افراط ہے۔اب عورتوں کو آزادی ہے اس لیے کہ وہ ہمارا پیچھا کرنے میں آزاد ہیں، مردوں کی چشم التفات ان کے لیے ایک جنس نایاب ہے جس کے لیے انہیں سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔آپ کو بیویوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں،آج ٹیلی فون پر انہیں گھروں سے بلا تکلف بلا سکتے ہیں۔اس تغیر نے اس پیشہ کے معاشی پہلو میں ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے۔اب نہ تو مکانوں کی ضرورت ہے نہ سرمائے کی،بیویوں کو اب کمپنی گرلز کے لقب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ان سے سارے معاملے کو ڈاکٹر کی طرح فون پر ہی طے کر لیا جاتا ہے اور مہینے کے آخر میں بل ادا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال مغربی آزادی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود"(2)

---

[1] Muhammad Asad,Islam at the cross roads,publisher,7Aibak road new Anarkli Lahore, 1991 ,Edition, 5, p:40

[2] ۔کلیات اقبال اُردو(ضرب کلیم)،مکتبہ جمال، حسن مارکیٹ،اردو بازار،لاہور،(س۔ن)ص:968

قوم پرستی

مغرب نے اپنی تعلیم کے مقاصد حصول میں قوم پرستی کو بہت اہمیت دی ہے۔اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے گرد سیاسی مقصد اور استعمار کے دائرے متعین کر لیے ہیں۔ نفرت اور خوف قوم پرستانہ زندگی ان کی تعلیم کے لیے ضروری عناصر ہیں وہ ہر وقت اپنے سامنے والے کو اپنا مد مقابل حریف خیال کرتے ہیں اس کے لیے نفرت کا جذبہ رکھتے ہیں اور اسی نفرت کو اپنی حکومت اور زندگی کی بقا تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"وہ مشترک جذبات جن کو آسانی سے برانگیختہ کیا جا سکتا ہے اور جو جمہور کی بڑی بڑی جماعتوں کو حرکت میں لا سکتے ہیں وہ رحم ،فیاضی اور محبت کے جذبات نہیں بلکہ نفرت اور خوف کے جذبات ہیں،جو لوگ کسی قوم پر کسی مقصد کے لیے حکمرانی کرنا چاہتے ہیں، وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اس کے لیے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کرلیں جس سے وہ نفرت کریں۔ اور اس کے لیے کوئی ایسی شخصیت یا قوم نہ پیدا کرلیں جس سے وہ ڈرے۔"[1]

قوم پرستوں کا قاعدہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی کمزور قوموں میں بھی قوم پرستی کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں،اس کے ادب،زبان اور تہذیب کے حق میں قصیدہ خوانی اور اس کے عہد ماضی کی شان و شوکت میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قومیں بھی قوم پرستی کے جذبات سے مغلوب اور نشہ قومیت سے سرشار ہو کر اپنے اندر غلط اعتماد فخر و تکبر پیدا کر لیتی ہیں۔

دنیاوی طلبی اور مادیت پرستی

جدید نظام تعلیم میں خدا طلبی کے بجائے دنیا طلبی کا دور دورہ ہے۔ زندگی کی ہوس اور معیار زندگی اتنا بلند ہو گیا ہے کہ مسافر طمع کو کسی منزل پر قرار اور طائر حرص کا کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں۔ دولت وجاہ کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار اونچی سے اونچی سطح تشفی کے لیے کافی نہیں۔

مسٹر جوڈ کے قول کو سید ابوالحسن علی ندوی۔۔"اپنی کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال" میں لکھتے ہیں:

"جو نظریہ حیات اس زمانہ پر مستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ اور معاملہ کو پیٹ یا جیب کے نقطہ سے دیکھتا ہے اور جانچتا ہے۔"[2]

---

[1] ۔انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال، ص:246

[2] ۔ایضاً، ص:291

مغرب میں افرا تفری کے اس دور میں ہر شخص انفرادی سوچ کی سطح پر ترقی کرنا چاہتا ہے اجتماعی لحاظ سے اس کا تعلق کسی کے ساتھ استوار نہیں ذات کی عیش پرستی مقصد حیات ہے۔ صرف اچھا کھانا اور اچھا پہننا ہی معاشرے میں معزز اور ممتاز ہونے کی علامت ہے۔

جدید اور عصری نظام تعلیم نے مادیت پر بھرپور توجہ دی ہے اس طرح عصری فکر و فلسفہ اور نظام تعلیم کی بنیاد خالص مادیت پر قائم ہے۔ تعلیم کا مقصد مال و دولت کا حصول قرار پایا۔

> "Our thoughts are made of materialism.In our minds, the idea of heaven is nothing but an area full of wealth.At present, the whole world is a business, a political business, an economic business.A nation, afactory and a government are the tables at which transactions are made, and politicians are salesmen of the factory who are always on the lookout to sell their goods in other markets more than others."[1]

ترجمہ: ہمارے افکار کا تانا بانا مادیت سے بنایا گیا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں جنت کا تخیل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جس میں مال ہی مال بھرا ہوا ہے۔ اس وقت پوری دنیا ایک کاروبار ہے، سیاسی کاروبار، معاشی کاروبار، ایک قوم، ایک کارخانہ اور ایک حکومت وہ میز ہے جس پر لین دین کیا جاتا ہے اور سیاست دان اس کارخانہ کے دوکاندار ہیں جو ہر وقت اس ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے مال کو دوسری منڈیوں میں دوسروں کی نسبت زیادہ فروخت کر سکیں۔

مغرب کے اس مادہ پرستانہ فلسفہ کے بارے میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی لکھتے ہیں۔

"آج تعلیم یافتہ طبقہ میں جو خرابیاں اور اخلاقی و فکری انحراف پایا جاتا ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کا مقصد غلط سمجھا گیا ہے، تعلیمی و تربیتی کردار کی غلط تشریح کی گئی، اور سب سے بنیادی سبب تعلیم کا ملحدانہ اور مادی فلسفہ ہے جو مادہ پرست اور ملحد مغربی تہذیب کی دین ہے، بد قسمتی سے عالم اسلام نے بھی مغرب کے اسی مادی اور ملحدانہ نظام تعلیم و تربیت اور گمراہ کن تصور حیات کو اپنا رکھا ہے۔"[2]

---

[1] Norman Bearlay,Politics has no morals,London,1949,p:124

[2] نظام تعلیم و تربیت: اندیشے، تقاضے اور حل، ص: 71

زر پرستی کے اس جنون نے سب سے زیادہ نقصان اخلاقی قدروں کو پہنچایا ہے چونکہ سب سے اہم مقصد دولت کی ہوس ہے اس لیے اس کا حصول سب سے بڑی نیکی ہے۔ تصور مادیت سے افکار و نظریات کا ماحاصل دولت اکھٹی کرنا ہے، فکر معاش، حصول دولت مغرب کا مطمح نظر ہے اس مادہ پرستی نے انسان کو راہ مستقیم سے ہٹادیا ہے۔

بقول اقبال:

"تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال

غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش"[1]

سیکولرازم اور الحاد کی اشاعت

سیکولرازم یا لادینیت و الحاد کا مقصد یہ ہے کہ مذہب کو ہر شعبہ زندگی سے خارج کر دیا جائے۔یورپ میں سیکولرازم کی بنیاد یونانی اور رومی تہذیب کی ترقی یافتہ شکل کی بنا پر شروع ہوئی جس نے مغرب کو مذہب کا انکاری بنادیا۔

"This is a training method that has completely excluded religious education."[2]

ترجمہ: یہ ایسا طریقہ تربیت ہے جس سے قطعی طور پر مذہب کو خارج کر دیا گیا ہے۔

علامہ اقبال تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جہان مغرب کے بت کدوں میں، کلیساؤں میں، مدرسوں میں

ہوس کی خوں ریزیاں چھپاتی ہے عقل عیار کی نمائش"[3]

سترہویں صدی میں سائنس کا آغاز ہوا تو اہل سائنس اور فلسفہ نے کلیسائیت اور عیسائیت کے خلاف عقل عقائد پر اعتراض کئے تو اہل کلیسا نے سائنس کو خلاف مذہب قرار دے دیا۔اس طرح نظام تعلیم سے مذہب کا خاتمہ ہوا اور یورپ لادینیت اور الحاد کا حامی بن گیا۔الحاد کے غلبہ کی وجہ سے بے دینی نظریات پر مغربی تعلیم کی بنیاد رکھی گئی۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سیکولر تعلیم کے بارے بتایا گیا ہے۔

"مغربی مفکرین کے نزدیک بچہ کے طبعی رجحانات اور فطری تقاضوں کی رعایت ضروری ہے اور اس کی تکمیل کے لیے اس کو مطلق آزادی دینے کے داعی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بچہ کو اپنے تقاضوں اور بشری

---

[1]۔ کلیات اقبال، ص:607

[2] Encyclopaedia,Brtannica,E.B London,Ed 1949,Vo,20,P:264

[3]۔ کلیات اقبال، ص:599

خواہشات کی تکمیل کے وسائل کے اختیار میں آزاد چھوڑ دینا چاہیے وہ جس طرح چاہے اپنی خواہشات کی تکمیل کرے۔"[1]

لادینیت طرز تعلیم نے انسان کو بے عقیدگی اور انتشار سے بھرپور نظام تعلیم دیا ہے جس کا مقصد انسان کو دین سے دور کرنا تھا۔اس طرح مغربی نظام تعلیم نے انسان کو مادہ پرستی کی حد تک پہنچا دیا ہے۔اور انسانی زندگی کا مقصد صرف ذاتی اغراض وخواہشات کی تکمیل ہی ہے جس سے قومی سطح پر مصلحت اور موقع پرستی سے انفرادی اور اجتماعی زندگیاں بکھر کر رہ گئی ہیں۔

انہیں نظریات وعقائد کو اہل مغرب نے اپنایا اور علوم وفنون، علم وفکر اور ہنر وفن کے ہر مضمون میں اسی لادینیت کے نظریات کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔سیکولرازم نے افکار پر گہرا اثر ڈالا سائنس دانوں کی روش کے قدم بقدم فلاسفر، ماہرین، اور مفکرین بھی لادینیت کی راہ پر چل پڑے۔نظام فکر و تعلیم سے ہی اصل اساس نظام کی اقدار حاصل ہوتی ہیں، یہی اقدار حیات، اخلاق وکردار پیدا کرتے ہیں مگر مغربی فکر میں اقدار حیات ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

جدید نظام تعلیم پر مغربی اثرات کا جائزہ

منفی اثرات

انگریز دور حکومت میں برصغیر کے مسلمانوں پر جو نظام تعلیم مسلط کیا گیا تھا اس میں دوسری خرابیوں کے علاوہ ایک یہ خرابی بھی تھی کہ اس میں اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں سے کاٹ کر عبادتوں اور زندگی کے چند معاملات تک محدود کر دیا تھا۔یہ بات محتاج بیان نہیں کہ اسلام زندگی کا ایک مکمل نظام ہے اور حکومت وسیاست سے لے کر تجارت ومعیشت تک زندگی کے ہر شعبے کے لیے اپنی مخصوص تعلیمات رکھتا ہے۔جس وقت اسلام دنیا میں عملًا نافذ تھا اس وقت نظام تعلیم کا یہ حال تھا کہ اسلام کی تعلیم صرف اسلامیات کے مضمون کی حد تک نہ تھی بلکہ ہر علم وفن کی تعلیم میں اسلام رچا بسا نظر آتا تھا، طالب علم فلسفہ پڑھ رہا ہو یا منطق، سائنس کی تعلیم ہو یا حساب اور ریاضی کی، طب کی تعلیم میں مشغول ہو یا صنعت وحرفت کی تعلیم حاصل کر رہا ہو غرض ہر علم وفن کے رگ وریشہ میں اسے اسلامی نظریات اور مفکرین اسلام کے افکار یا کم از کم اسلامی طرز فکر سمایا ہوا ملتا تھا۔اس کا نتیجہ تھا کہ وہ علم وفن کے خواہ کسی گوشے کو زندگی کا محور بنالے وہ ذہنی اور عملی طور پر پکا اور سچا مسلمان ہوتا تھا۔اس کے دل ودماغ میں اسلام کے مقابلے میں دوسرے افکار سے مرعوبیت پیدا نہیں ہوسکتی تھی، یہ نظام تعلیم اس میں اتنی صلاحیت پیدا کر دیتا تھا کہ وہ ہر نئی تحقیق اور نئے فلسفے سے اس کے صالح

---

[1] ۔نظام تعلیم وتربیت: اندیشے، تقاضے اور حل، ص:70

اجزا کو اپنالے اور غیر صالح کو چھوڑ دے۔ لیکن اس کے بر عکس موجودہ نظام تعلیم میں اسلام کی اس ہمہ گیر حیثیت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

"اس (نظام تعلیم) نے انسان کو جینے سے محروم کر دیا، امن کو غارت کر دیا، سکون برباد کیا، خاندانی نظام درہم برہم کیا، دلوں کو محبتوں سے خالی کیا اور اس کی شکل بدل کر اس کو ایک تجوری بنا دیا۔"[1]

اسلام کو صرف اسلامیات کے مضمون تک محدود کر دیا گیا اور آئے دن مغربی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ علم کا مقصد جو حق کی جستجو تھی ختم ہو کر رہ گئی ہے اس کے نتیجے میں اچھا وہ ہے جو انسان کو اچھا لگے، انسان جسے چاہے حق قرار دے دے جسے چاہے ناجائز اور برا تصور کرے۔ مغربی فلسفہ تعلیم کی رو سے معاشرتی علوم میں خارجی، مادی اور باہمی تعلقات پر بحث ہو گی قطع نظر اس بات کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ ان کے نزدیک تمام معاشرتی علوم، سماجی علوم، اخلاقیات اور روحانیات کے تصور سے آزاد کر کے تعلیم دی جائے جو کسی بھی طرح مسلم معاشرے میں جائز نہیں ہے۔ ان علوم کی ایسی تدریس اس تناظر میں پڑھایا جانا سوائے الحاد کے اور کچھ نہیں ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر محمود غازی کہتے ہیں:

"تمام معاشرتی علوم، سماجی معاملات اسی انداز سے ہماری درسگاہوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ تو ایک انداز کی فکری تبدیلی ہے جس کا اثر ابواب بندی سے لے کر امثالوں تک یا اس سے بھی بڑھ کر یوں کہ سکتے ہیں کہ اس علم کا قبلہ ہی تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس میں چند عبارتوں کو واضح کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا لیکن عام فرد تو مغرب کی فلسفیانہ مباحث سے نابلد ہے اور ظاہر طور پر اگر اپنے نصاب تعلیم کا مطالعہ کرے گا تو کچھ عبارتیں بلکل واضح طور پر اسلامی تصور کے متصادم نظر آتی ہیں جس سے اسلامی تشخص مجروح ہوتا ہے اور کفر (سیکولرازم، لبرل ازم) کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ لیکن ان چند عبارات کو خارج از نصاب کر کہ ہم مطمئن نہیں ہو سکتے کہ ہمارا نظام تعلیم اسلامی اقدار کا محافظ بن گیا بلکہ اصل ضرورت قبلہ درست کرنے کی ہے ان عبارات کو مضر سمجھتے ہوئے اخراج کا مطالبہ شر کو کم کرنے کے لیے ہو گا۔"(2)

---

1 نظام تعلیم تربیت: اندیشے، تقاضے اور حل، ص:11

2 ۔ محاضرات تعلیم، ص:218

ڈاکٹر صاحبؒ کے افکار سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نصاب تعلیم کو تبدیل کرنے کے لیے صرف چند مضامین کو داخل کرنے اور خارج کرنے یا چند عبارات کو خارج از نصاب کرنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ پورے نصاب تعلیم کو مذہبی اور قومی بنیادوں پر از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر معیاری تعلیم

اس نظام سے جو افراد تیار ہو رہے ہیں ان کی علمی سطح بہت سطحی اور کافی حد تک پست ہے۔ انگریزی پڑھنے پڑھانے کے باوجود استعداد میں کمزوری پائی جاتی ہے کچھ لوگ چند فقرے بھی صحیح نہیں لکھ سکتے۔ باقی مضامین کا بھی تقریباً یہی حال ہے نہ دین علوم سے واقفیت اور نہ دنیاوی علوم میں مناسب ادراک الا ماشاءاللہ۔ مزید یہ کہ لاحاصل تعلیم ہے جبکہ تعلیم کا مقصد انسانیت کی تعمیر و ترقی ہے۔ اس نظام کا سوائے ملازمت اور ڈگری کے حصول کے کوئی مقصد نہیں۔
سر سید احمد خاں جو ہندوستان میں مغربی علوم کی ترقی کے پرچار کرنے والے تھے۔
ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

> "بنارس کالج نے سنسکرت میں کوئی ایسا پنڈت پیدا نہیں کیا جو شوالہ گھاٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھنے والے پنڈتوں جیسا فاضل ہو۔ یونیوسٹی کالج لاہور نے بلخ و بدخشاں کے طلباء کو تعلیم تو دی لیکن مساجد میں بیٹھنے والوں کے برابر عربی اور فارسی کا کوئی عالم پیدا نہیں کیا"[1]

آخری عمر میں تو سرسید مرحوم نے مغربی نظام تعلیم ہی کو سرے سے ناپسندیدہ قرار دے دیا جسے وہ رواج دینے کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے۔[2]

بے مقصد تعلیم

اس نظام کا ایک منفی اثر یہ ہے کہ انسان کو کوئی جہت زندگی نہیں دے سکا۔ تعلیم حاصل کرنے کا نصب العین کیا ہے؟ ایک طالب علم اس سے نابلد ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کوئی اچھی ملازمت مل جائے گی۔ اس سے آگے اس کی نگاہ نہیں جاتی۔

---

[1] نظام تعلیم، نظریہ، رویت، وسائل، ص:80

[2] ایضاً

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"لارڈ میکالے[1] کے لائے ہوئے نظام تعلیم کا مقصد ہی چونکہ سرکاری ملازم پیدا کرنا تھا اس لیے اس نظام کے اثر سے یہ بات ہمارے طلباء کے رگ وپے میں سرایت کر چکی ہے کہ پڑھنے لکھنے کا مقصد اچھی ملازمتوں کا حصول ہے۔"[2]

حالانکہ خلیفتہ اللہ کی نگاہ تو بڑی وسیع، اس کی نظر تو بلند اور دور رس ہونی چاہیے اور اس کے سامنے خاص مقصد زندگی ہونا چاہیے۔

نام نہاد آزادی

اس نظام کو چونکہ دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے ہر پروگرام دینی اقدار سے آزاد ہو کر انسانی آزادی کے نام سے کیا جاتا ہے۔ مادر پدر آزادی کو اصل آزادی سمجھا جاتا ہے لہٰذا کسی معاملے میں کوئی قدغن نہیں۔ جانوروں کی طرح جہاں چارہ نظر آئے وہاں منہ مار دیا یہی حال وہ دو ٹانگوں والے جانوروں کا بھی سمجھتا ہے۔ نواب محسن الملک سر سید کے دست راز اور انگریزی زبان اور علوم جدیدہ کے مؤید تھے لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے بھی اپنی رائے بدل لی تھی۔ ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ زمانے میں مغربی تہذیب نے، انگریزی تعلیم نے اور انگریزی سوسائٹی نے ہم مسلمانوں میں ایک نئی بیماری پیدا کر دی ہے جو تعصب اور تقلید سے بھی زیادہ مہلک ہے جس کا نام ہے آزادی۔"[3]

اس نظام نے یہ منفی اثر ڈالا کہ حلال و حرام کی تمیز ختم کر دی، سچ اور جھوٹ کے فرق کو مٹا دیا اور سب سے بڑھ کر جو نفس اور دل نے فیصلہ کیا وہی درست ہے یا جو اہل مغرب کی پسند ہے۔

---

[1] لارڈ میکالے ایک انگریز تھا جو لارڈ میکالے (25 اکتوبر 1800ء-28 دسمبر 1859ء) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ 1834ء میں ہندوستان آیا تھا اور گورنر جنرل کی کونسل میں پہلا رکن برائے قانونی امور بنا تھا۔ (ڈکشنری آف نیشنل بائیو گرافی، لینکن پبلشرز، لندن، 2004ء، صفحہ: 354)

[2] ہمارا تعلیمی نظام، ص: 16

[3] نظام تعلیم، نظریہ، روایت، وسائل، ص: 79

مخلوط نظام تعلیم

حقیقت یہ ہے کہ کوایجو کیشن کا لفظ مشرقی معاشروں نے نہیں ایجاد کیا بلکہ اس کا استعمال 1974ء میں امریکہ کے اندر مخلوط تعلیم کے لیے کیا گیا پھر اس کی اقتدا میں پورے یورپ نے مخلوط نظام تعلیم کو جائز قرار دے دیا اور پھر 1875ء میں انگلستان میں مخلوط تعلیم کو قانونی حیثیت مل گئی۔ یہاں کے معزز لوگوں نے اس نظام کی بھرپور مخالفت کی حتیٰ کہ اپنے بچوں کو اسکول بھیجنا ناپسند کرنے لگے۔ مفتی تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

"کوایجوکیشن کا لفظ امریکی نژاد ہے جو 1774ء میں پہلی بار یہیں استعمال کیا گیا یہاں تعلیم کا تصور ہی مخلوط تعلیم کے ساتھ آیا تھا یورپ نے امریکا کی تقلید میں مخلوط تعلیم کو رواج دیا۔انگلستان میں 1875ء اور 1952ء کے تعلیمی قوانین کے ذریعے مخلوط تعلیم کو جائز قرار دیا گیا۔"[1]

فرانس جو کہ ترقی یافتہ ملک شمار کیا جاتا ہے وہاں بھی نظام تعلیم بعض شرائط سے مشروط تھا۔ 1867ء جب تعلیم لازمی کی گی تو یہ شرط عائد تھی کہ ہر پانچ سو کی آبادی میں لڑکیوں کے لیے الگ سکول بنایا جائے اور تیرہ سال کے بعد کو ایجوکیشن کو باقی نہ رکھا جائے اسی طرح جنوبی امریکہ میں کوایجوکیشن پھیلنے کا سبب غربت تھی وہ اپنے بچوں کو سرکاری سکولوں میں بھیجتے جہاں تعلیم مخلوط تھی۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"فرانس میں بھی نظام تعلیم بعض شرائط سے مشروط رہا ہے۔ایک ماہر تعلیم کو فرانس میں ناپسند کیا جاتا تھا۔ 1867ء میں جب فرانس میں تعلیم لازمی کی گی تو ہر پانچ سو کی آبادی میں لڑکیوں کے لیے الگ اسکول لازمی قائم کیا گیا یہ مستقل اصول تھا کہ 13 سال کے بعد ساتھ نہ پڑھایا جائے۔ جنوبی امریکہ کے ممالک میں اس کا رواج اس لیے ہوا کہ عوام غربت کے باعث اپنے بچوں کو سرکاری اسکول بھیجنے پر مجبور تھے اور یہ اسکول مخلوط تھے۔"[2]

پاکستان میں بھی مخلوط نظام تعلیم کے نتائج واثرات مغربی ممالک سے کم نہیں ہیں اور مستقبل میں مزید خطرناک ہوں گے۔اس دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے بہت سے افراد اس نظام تعلیم سے نالاں ہیں خاص طور پر مذہبی ذہن کے حامل افراد قطعاً اس بات کو گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی یہ برصغیر کا یہ روایتی کلچر تھا مگر صاحب اقتدار طبقہ اس بات پر مصر ہے کہ مخلوط نظام تعلیم ہونی چاہیے اور جانبین سے دلائل بھی دیئے جاتے ہیں۔ دلائل اپنی جگہ لیکن ایک اسلامی معاشرے میں

---

[1] ۔ محمد تقی عثمانی، یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات، مکتبہ ارسلان، کراچی، 2003ء، ص:178

[2]۔ ایضاً، ص:178

خاص طور پر ایک نظریاتی ریاست میں اس بحث کا شروع ہو جانا کم نہیں تقریباً اسی طرح کے مباحث 150 سال پہلے ان ممالک میں ہو رہی تھیں جن میں آج کو ایجوکیشن کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مخلوط نظام تعلیم سے جس طرح کی اقدار ہوں گی اور جو ذہنیت نسل نو اختیار کرے گی وہ مغربی اقدار، سیکولر ذہنیت، لبرل معاشرت کے علاوہ اور نہیں ہو سکتیں۔

مخلوط تعلیم کے حق میں دلائل

جو لوگ مخلوط تعلیم کے حامی ہیں وہ اس کے حق میں پر زور دلائل دیتے ہیں۔ان میں سے چند دلائل کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جذبہ مسابقت:

جو لوگ مخلوط تعلیم کے قائل ہیں ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ مخلوط تعلیم سے طلباء وطالبات میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے تعلیمی کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔

ایک دوسرے کو سمجھنا:

مخلوط تعلیم کے قائلین دوسری دلیل یہ ہے کہ اس طرح کے ماحول میں طلباء وطالبات ایک دوسرے کے مزاج سے اچھی طرح آشنا ہو جاتے ہیں جس سے ان کو رشتہ کے چناؤ اور شادی کے بعد والی زندگی میں آسانی ہوتی ہے۔

معاشی سہولت:

اس تعلیم کے حق میں دلائل دینے والے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ ایک غریب ملک میں الگ الگ تعلیمی ادارے قائم کرنے سے ملکی خزانے پر بوجھ پڑتا ہے لہٰذا سہولت اسی میں ہے کہ مخلوط تعلیمی ادارے قائم ہوں۔

خود اعتمادی کی فضا:

یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ مخلوط تعلیمی ماحول سے نوجوانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔[1]

مندرجہ بالا تمام دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن وسنت کے پیش نظر کسی بھی اسلامی ریاست کے نظام تعلیم میں اس مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

---

[1] ام عبد منیب، مخلوط تعلیم، مشربہ علم وحکمت، ندیم ٹاؤن ملتان روڈ لاہور، 1429ھ، ص:54تا58

ہم نصابی سرگرمیاں

صحت مند جسم ہی صحت مند دماغ کا حامل ہوتا ہے۔کھیلوں سے انسان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں۔افضل حسین اپنی کتاب فن تعلیم و تربیت میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"تنہا کتابی علم سے تعلیم کے ہمہ گیر مقاصد ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔اس لیے متعدد مشاغل و مصروفیات کا بندوبست کرنا ہوگا جن میں عملی حصہ لے کر طلبہ اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر سکیں انہیں غیر نصابی مصروفیات و مشاغل کہتے ہیں ان کی اہمیت وافادیت نصابی تعلیم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"[1]

لڑکوں اور لڑکیوں کے مقاصد زندگی ہی چونکہ اسلام کی نظر میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لہٰذا ان کی مطلوبہ صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سارے مختلف ہیں۔اور اسی طرح جسمانی ساخت بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے کھیل یکساں نہیں ہونے چاہیے۔لیکن موجودہ عصری اداروں میں کھیل کا مقصد تفریح کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور کھیلوں میں شرعی لباس کا خیال نہیں رکھا جاتا،اسی طرح کھیل سکھانے والے اساتذہ میں بھی یہ اہتمام نہیں کیا جاتا کہ خواتین کو خواتین سکھائیں اور مرد حضرات لڑکوں کو فزیکل ایجوکیشن یا کھیلوں کے بارے میں تعلیم دیں۔

غیر اسلامی پروگرامات

عصری اداروں کی کوئی بھی تقریب مخلوط ماحول اور بعض تقریبات میوزک سے خالی نہیں ہوتی بلکہ میوزک کا تسلسل اس حد تک عام ہو چکا ہے کہ اکثر طلباء کے ذہن سے یہ بات ہی محو ہو گی ہے کہ میوزک کا سننا کوئی جرم بھی ہے۔

"ہر پروگرام بامقصد، مفید اور ادارے کے بنیادی مقصد سے ہم آہنگ ہو اور بچے کی شخصیت کے کسی نہ کسی پہلو کی تربیت سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق رکھتا ہو۔جائز حدود میں آزادی دی جائے، جبر دباؤ اور بے جا مداخلت سے پرہیز کیا جائے۔"[2]

تفریحی پروگرامات کو دین سے جوڑنا یا دین سے رہنمائی لینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی بلکہ اساتذہ اور ادارے کی سرپرستی میں سارے وہ کام کروائے جاتے ہیں جن کی شریعت میں اجازت نہیں ہوتی مثلاً میوزک، ڈانس، مخلوط ڈرامے اور قابل اعتراض لباس اور وضع قطع کو تفریحی پروگرام کا لازمی جزو سمجھا جاہے۔اگرچہ عورتوں کی

---

[1] فن تعلیم و تربیت، ص:545

[2] ایضاً، ص:448

تعلیم معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار کرتی ہے خاص طور پر نسل نو کی فکری تبدیلی کے لیے خواتین موثر کردار ادا کرتی ہیں۔

اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"تعلیم نسواں کی اہمیت وضرورت کو اسلامی ادوار میں کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مرد کی تعلیم صرف ایک فرد کی تعلیم ہے مگر عورت کو تعلیم دینا پورے خاندان کو تعلیم دینا ہے دنیا میں کوئی بھی قوم ترقی نہیں کر سکتی اگر اس قوم کا آدھا حصہ جاہل مطلق رہ جائے گا۔"[1]

تعلیم نسواں ایک مستقل چیز ہے اور مخلوط نظام تعلیم ایک جداگانہ چیز ہے سیکولر طبقہ تعلیم نسواں کی آڑ میں مخلوط تعلیم کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ شریعت مطہرہ نے عورت اور مرد کے حقوق وفرائض میں یکسانیت نہیں رکھی بلکہ دونوں کی ساخت کو مد نظر رکھتے ہوئے ذمہ داریوں کو تقسیم کیا ہے۔ اہل مغرب کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تعلیم کے عمل کو عورتوں اور مردوں کے لیے مساوی بنایا اہل مغرب کی تقلید میں ملک عزیز کا تعلیمی نظام بھی اس قباحت سے خالی نہیں ہے۔

مثبت اثرات

اب تک مذکورہ بالا بحث سے غالب تاثر یہ ملتا ہے کہ مغربی نظام تعلیم کوئی مثبت کردار نہیں ادا کر سکا۔ کیا امت مسلمہ اور بالخصوص پاکستان کا نقصان ہی کیا ہے؟ کیا اس میں اچھائی کا پہلو نہ ہونے کے برابر ہے؟ ہم غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے اس نظام کے مثبت پہلوؤں کا جائزہ لینا انصاف کا تقاضہ سمجھتے ہیں و گرنہ اس نظام کے ساتھ انصاف نہ ہو گا۔

منجمد اور تقلیدی افکار وخیالات کا خاتمہ

اسلام کے اصول وضوابط ابدی اور ازلی ہیں تا قیامت ان میں کمی پیشی ممکن نہیں اگر کوئی ایسا سوچے گا بھی تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا کیونکہ یہ آفاقی ہدایات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے معزز بندوں کے ذریعے پہنچائی ہیں۔ لیکن اس سے ہٹ کر جو اصول و قواعد ہمارے بڑوں نے اپنے اپنے خیالات وضروریات کے مطابق انسانی سوچ کے تحت وضع کیے، ان کے بارے میں غور وفکر کرنا ہم گناہ سمجھتے ہیں اگر کوئی ایسا کرنے کی ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کو گستاخ قرار دیا جاتا ہے۔ کوئی کسی مسئلہ کی منطق اور دلیل پوچھے تو جواب دیا جاتا ہے کہ ہمارے بڑے ایسا کرتے آئے ہیں۔ اجتہاد کے دروازے کو بند کر دیا گیا اور گناہ تصور کیا جاتا ہے۔

---

[1] یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات، ص: 534

مولانا مودودیؒ ہمارے پرانے اسلامی نظام تعلیم کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"اجتہادی صلاحیتیں تو ان کا پیدا کرنا سرے سے اس نظام تعلیم میں مقصود ہی نہیں، بلکہ شاید گناہ بھی ہے۔"[1]

مغربی علوم کی بدولت برصغیر کے مسلمان جدید علوم اور جدید سائنس سے متعارف ہوئے۔ مغربی دنیا سے روابط بڑھ گئے جس کی بدولت ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہوئے۔

معاشی اور معاشرتی ترقی

جدید مغربی نظام تعلیم کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے سے جہاں مسلمانوں کو دینی طور اور اخلاقی طور پر نقصانات ہوئے اور بلاشبہ مسلمانوں کا دینی تشخص متاثر ہوا وہاں دوسری طرف مغربی اقوام سے روابط کی وجہ سے مسلمان علوم جدیدہ افکار جدیدہ اور جدید ٹیکنالوجی اور سائنس سے متعارف ہوئے۔ اگرچہ یہ مسلمانوں کی یہ گمشدہ دولت تھی بہرحال مسلمانوں کو دوبارہ اغیار کی معرفت سے مل گئی اور اسی بنا پر پاکستان آج ترقی پذیر ممالک کی صف میں ایک مقام رکھتا ہے۔

جدید سائنسی افکار کے بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے دل میں ایمان کی گہری جڑوں سے راسخ کر دینے والا نہ ہو فزکس، کیمسٹری بیالوجی اناٹومی، اسٹرانومی غرض جس علم کو بھی دیکھیں گئے اس میں ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو انسان کو پکا سچا مومن بنا دینے کے لیے کافی ہیں۔"[2]

سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کی بدولت آج پاکستان ایک اہم ایٹمی طاقت اور امت مسلمہ کی واحد ایٹمی قوت ہے۔

قیادت کی فراہمی

مروّجہ اسلامی نظام تعلیم نے بہت اعلیٰ درجے کے علماء، فقہاء پیدا کیے ہیں جو نہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ کتاب وسنت کا اچھی طرح ادراک بھی رکھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک امور ملکی انتظام وانصرام اور عالمی تناظر میں معاملات کا دیکھنے کا معاملہ ہے وہ چونکہ اس ماحول میں عموماً عملاً نہیں رہتے اس لیے وہ ان معاملات سے اس طرح وقف نہیں ہوتے جس طرح جدید علوم پڑھنے والے ہوتے ہیں۔

---

[1] تعلیمات، ص:130

[2] ایضاً، ص:173

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"انگریز کے ہٹ جانے کے بعد مملکت کو چلانے کی ذمہ داری کا بار اسی تعلیم کے تیار کیے ہوئے لوگوں نے سنبھالا ہے۔"[1]

جدید مغربی نظام تعلیم کی خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسی نظام کی بدولت آج چاند پر پہنچ گیا ہے اور سمندر کی گہرائیوں کو ناپنے کی جستجو میں محو سفر ہے۔

"مغرب نے اپنے اس نظام کی بدولت سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت، ریاضی، انجینئرنگ، فلکیات، طبعیات اور دوسرے علوم وفنون میں کامیابی کی منزلیں طے کیں، ایجادات پر ایجادات کیں، چاند پر کمندیں ڈالیں، سمندر کی گہرائیاں ناپیں، فتوحات پر فتوحات حاصل کیں، یہاں تک آج وہ اپنے اسی نظام تعلیم کی بدولت اس منزل تک پہنچ گیا ہے کہ اس نے دنیا کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے۔"[2]

حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کو مشرق یا مغرب میں تقسیم نہیں سکتے علم نظریات میں قید نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ علم ایک سچائی کا نام ہے جس کا ادراک افراد پر حق اور لگن کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

---

[1] تعلیمات، ص:94

[2] محمد واضح رشید حسنی ندوی، نظام تعلیم و تربیت، اندیشے، تقاضے اور حل، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، (س۔ن)، ص:11

فصل سوم

پاکستان میں نظام تعلیم کا مختصر تعارف

تعلیم کا مسئلہ ہر ملک کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، کسی بھی ملک یا قوم کی ترقی کے لئے یہ ایسی کلید ہے کہ جس سے پھر سارے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔اور یہ بات بھی بین ہے کہ ملک و قوم کی ترقی اور خوشحالی میں اس کے نظام تعلیم کا بنیادی کردار ہوتا ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ کسی بھی قوم کی ترقی کا راز اس کے تعلیمی نظام سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی مملکت خداداد پاکستان کو روز اول سے تعلیمی مسائل کا سامنا ہے۔طبقاتی نظام تعلیم نے معاشرے کو کئی حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہونے والا نظام تعلیم آگے چل کر درجنوں طبقاتی تقسیموں میں منقسم ہو جاتا ہے۔اس باب میں پاکستان کا تعلیمی پس منظر بیان کرتے ہوئے پاکستان میں مروّجہ نظام ہائے تعلیم کا مختصر اجائزہ لیا جائے گا۔

پاکستان کا تعلیمی پس منظر

بنیادی طور پر اس دور کا آغاز ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہوتا ہے اس کے ابتدائی دور میں سوائے مشنری تعلیمی انتظام کے اور کچھ نہیں ملتا۔1765ء سے جب ایسٹ انڈیا کمپنی ایک سیاسی قوت کے ساتھ قابض ہوئی تو اس نے ہندوستانی نوجوانوں کو اپنی نوعیت کی تعلیم دینے کا سوچا اور کلکتہ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔اس کے ساتھ سنسکرت کالج کا ذکر ملتا۔

1849ء میں تمام پاکستانی علاقے ایسٹ انڈیا کے زیر نگیں ہو چکے تھے اس کے 1858ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ختم کر دیا گیا اور اس کے فورا بعد انگریز حکمرانوں نے اپنی نوعیت اور طرز کا ایک نظام تعلیم نافذ کرنے کی انتہائی کوشش کی۔جس میں انھوں نے کامیابی حاصل کی۔1913ء میں انھوں نے ہندوستان کے لئے تعلیمی پالیسی کا اٹل فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر انجم رحمانی[1] لکھتے ہیں:

> "ہندوستان میں تعلیم کے ماہرین، قوانین 1913ء کو برطانوی ہند میں برطانوی تعلیم کے آغاز کا سال قرار دیتے ہیں کیونکہ اس سال نافذ ہونے والا ہی نظام تعلیم بعدازاں مختلف تعلیمی پالیسیوں کے نفاذ کے ذریعے معمولی ردوبدل کے ساتھ 1947ء تک جاری رہا۔"[(2)]

---

[1] ایک مصنف، محقق، لاہور میوزیم کے سابقہ ڈائریکٹر اور اقبال اکیڈمی کے لائف ممبر تھے۔

[2] ۔انجم رحمانی، پاکستان میں تعلیم ایک تحقیقی جائزہ، پاکستان رائزر کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ص:79

برطانوی دور میں چارلس ٹریویلین[1] اور لارڈ میکالے کے تعلیمی نظریات شدومد سے عمل ہوا۔اس دور میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے روبہ زوال ہوئے اور مسلمانوں کی صدیوں پرانی ثقافت اور تعلیمی روایات پس منظر میں چلی گئیں۔ موجودہ پاکستان کے علاقوں میں اس دور میں کوئی خاص تعلیمی اصلاحات نظر نہیں آتیں۔تاہم برطانوی ہند بشمول پاکستان جو بھی انگریزی نظام تعلیم رائج کیا گیا وہ ہندوستانی مسلمانوں کے خاص طور پر خلاف تھا۔بلکہ یہ نظام تعلیم مغربی نظام تعلیم کا نمائندہ تھا۔

برطانوی ہند میں انگریزوں کے نظام تعلیم کی چند خصوصیات یہ تھیں۔

"1۔مقاصد تعلیم کے حوالے سے مکمل استعمارانہ نظام تعلیم۔

2۔ملازمین سرکار کی فراہمی۔

3۔مشنری مدارس کا قیام اور عیسائیت کا پرچار۔

4۔مغربی علوم، خصوصاانگریزی زبان کی ترویج۔

5۔مسلم امہ کی تاریخ مسخ کرنے کی کوشش۔

6۔مغربی تہذیب واقدار کی ترویج واشاعت۔

7۔تعمیر سیرت وکردار کو نظرانداز کرکے تحریری امتحان کے ذریعے طلباء کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لینے کا امتحانی نظام۔"(2)

درجہ بالا خصوصیات کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ برطانوی راج نے یہ شعوری کوشش کی کہ مسلم معاشرے میں اسلامی تہذیب وثقافت اور اس کے زیراثر پیدا ہونی والی اقدار کا راستہ بھرپور طریقہ سے روکا جائے۔

متحدہ ہندوستان میں مسلم تعلیمی تحریکیں

ہندوستان میں انگریزوں نے جب اپنی نوعیت کا نظام تعلیم رائج کردیا اور مسلمانوں نے جو ان کے مقابل ایک نظام تعلیم منظم کیا تھا اس کو باقاعدہ طور پر ختم کردیا۔اور ایک طرف یہ شرط عائد کردی گئی سرکاری ملازمتوں کے لئے سرکاری مدارس سے فارغ افراد ہی اس کے مستحق ہونگے۔دوسری طرف مسلمانوں نے سرکاری مدارس کا بائیکاٹ کیا۔اور مساجد وخانقاہوں سے ملحق مسلم مدارس پہلے ہی زوال پذیر ہوچکے تھے۔اس طرح مسلمانوں میں جہالت بڑھنے لگی۔اور وہ

---

[1] چارلس ٹریویلین لارڈ میکالے کے بہنوئی تھا جس نے 1838ء میں ہندوستانیوں کی تعلیم سے متعلق ایک کتاب تصنیف کی تھی۔غلام ہندوستان پر یورپی ثقافتی غلبے کی کوششوں کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب بے حد اہمیت کی حامل ہے۔

[2] ۔سید محمد سلیم، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص:189

سیاسی طور پر کمزور ہونے لگے۔ ملکی لین دین سے کٹ گئے۔ غریب ہندوستانیوں کو مالی معاونت کے ذریعے عیسائی مذہب قبول کرنے کی ترغیب دی جانے لگی۔ مسلمانوں کے لئے یہ صورت حال انتہائی تکلیف دہ تھی۔اس صورت حال سے بچنے کے لئے صاحب بصیرت اور اہل علم و دانش مسلم افراد نے پرائیویٹ طرز پر تعلیمی ادارے قائم کرنے شروع کئے۔اس طرح وہ اپنی مسلم اقدار و تہذیب کا تحفظ کر سکتے تھے۔ان مسلم مدارس میں مدرسہ رحیمیہ،دارالعلوم دیوبند، تحریک علی گڑھ ،انجمن حمایت اسلام،ندوۃ العلماء اور جامعہ ملیہ اسلامیہ شامل ہیں۔مندرجہ بالا تعلیمی تحریکوں میں سے جنہوں نے مسلمانوں کو فکری طور متاثر کیا ان میں دارالعلوم دیوبند اور تحریک علی گڑھ نمایاں ہیں جن کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند

اس مدرسہ کی بنیاد مولانا محمد قاسم نانوتوی نے 30 مئی 1866ء کو انڈیا کے ایک مشہور قصبہ دیوبند میں رکھی گئی۔ یہ قصبہ ضلع سہارنپور میں واقع ہے۔اس مدرسہ کے قیام کے مقاصد کو محمد یاسین شیخ[1] نے یوں بیان کیا ہے۔

"قرآن مجید، تفسیر، حدیث، علم کلام اور ان کے متعلقہ ضروری اور مفید قانون آلیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد وہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت کرنا،اعمال واخلاق اسلامیہ کی تربیت اور طلبہ کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا،اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دین کا تحفظ کرنا، حکومت کے اثرات سے اجتناب کرنااور علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے عربی مدارس کو مختلف مقامات پر قائم کرنا۔"[2]

بلاشبہ تحریک دیوبند نے مسلمانوں میں دینی روح کو زندہ کرنے،ان کو اسلامی اقدار وروایات اپنانے کی ترغیب دینے،عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کو روک کر احیائے اسلام کرنے، مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے، مسلم نوجوانوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں مغربی تہذیب سے دور رکھنے، عربی اور فارسی جو مسلمانوں کی زبان تھی اس کی ترقی کے لیے کوششیں کرنے اور ملک و قوم کی آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔دوسری جس تحریک نے مسلمانوں کو فکری طور پر متاثر کیا وہ علی گڑھ علمی تحریک تھی۔ذیل میں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] معروف ماہر تعلیم، مدرس اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ جامعہ ملیہ کالج آف ایجوکیشن کے پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔

[2] محمد یاسین شیخ، تعلیمی بنیادیں، غضنفر اکیڈمی، کراچی، پاکستان، اشاعت اول نومبر 1991ء، ص:23

تحریک علی گڑھ

دوسرا تعلیمی مدرسہ جس کی بنیاد سرسید احمد خان نے 1876ء میں رکھی۔1920ء میں یہی مدرسہ علی گڑھ یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا۔ محمد اسماعیل شیخ اس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مذہبی تعلیم کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈالنا۔ مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ دو طرح کا ہونا چاہیے ایک وہ جو خود مسلمان اس کو قائم کریں جس سے ان کے تمام مقاصد دینی و دنیاوی انجام پائیں دوسرا وہ جو خود مسلمان ان اصول و قواعد سے گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے مقرر کئے ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں۔"[1]

اس تحریک کے محرکات پر نظر کرنے س معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک نے مسلم قوم کا کھویا ہوا وقار بحال کرنے، برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنے، مسلمانوں کی اس نہج پر تربیت کرنا کے وہ انگریزوں کی مفاہمت کی پالیسی اپنائیں اور اپنا مافی الضمیر ان کو سمجھانے کے لیے تیار کرنے، دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اقدار کا فروغ کرنا تھا۔

ان تعلیمی تحریکات نے اسلامی تعلیمات و اقدار کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور لوگ تعلیم کی طرف بڑھنے لگے لیکن یہ ادارے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی ضروریات کے لئے ناکافی تھے برطانوی سرکار کے قائم کردہ اداروں میں مسلمان تعلیم حاصل کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔یہی وجہ تھی کہ وہ تعلیم میں پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے اپنے دوہرے تعلیمی نظام (اسلامی نظام تعلیم جس کی بنیاد تحریک دیوبند اور جدید نظام تعلیم جو انگریز نے قائم کیا تھا جس کے ہمنوا سرسید احمد خان بھی تھے) نے مسلمانوں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا مذہبی اداروں سے فارغ التحصیل نوجوان علماء کی صف میں شامل ہوتے گئے اور جدید تعلیمی اداروں علم حاصل کرنے والوں کو تعلیم یافتہ کے خطاب سے نوازا گیا۔ یہ خلیج دن بدن بڑھتی جارہی تھی اور آج بھی کسی نہ کسی صورت میں یہ اپنا وجود رکھتی ہے۔

نظریہ پاکستان اور قومی تعلیمی پالیسیاں

پاکستان کی قومی تعلیمی پالیسیوں کا نظریہ پاکستان کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی قومی تعلیمی پالیسیاں تعلیمی شعبہ کو کس طرح نظریہ پاکستان سے مزین کرتی رہی ہیں اور انفرادی طور پر ہر پالیسی نے کیا تجاویز اور سفارشات دے کر نظام تعلیم کو نظریاتی بنیادیں فراہم کیں۔

---

[1] سرسید احمد خان، مقالات سرسید مرتب مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، حصہ ہشتم، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1962ء، ص:78

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد پہلی تعلیمی کانفرنس قائداعظم کی سرپرستی میں کراچی میں منعقد ہوئی۔ جو 27 نومبر تا یکم دسمبر (5 دن) جاری رہی۔ اس کی صدارت اس وقت کے وزیر تعلیم فضل الرحمٰن نے مرحوم نے کی، قائد اعظم اس میں بنفس نفیس تو شامل نہ ہو سکے مگر ان کا پیغام کانفرنس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کانفرنس کا بنیادی نصب العین تو یہ تھا کہ ایک نوزائیدہ مملکت جو دو قومی نظریہ کی بنیادی پر اس دنیا کے نقشے پر ابھری تھی، اس خالص نظریاتی مملکت کے لیے ایک خالص اسلامی نظریہ حیات سے ہم آہنگ تعلیمی نظام مرتب کرنا تھا جو اس مملکت رعایا کی حاجات پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ کانفرنس قائداعظم کے 11 اکتوبر 1947ء کے اعلان کی آئینہ دار تھی جس میں آپ نے فرمایا تھا۔

> "The establishment of Pakistan for which we have been striving for the last ten years is by the grace of God an establishment fact today, but the creation of a state of our own was mean to an end and not the end in tielf.The idea was that we should have a state in which we could live and breath as free man and which we could develop according to our own lights and culture and where principles of Islamic social justice could find freeplay."

پاکستان جس کے لیے ہم گذشتہ دس برس سے جدوجہد کر رہے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن اپنے لیے ایک مملکت قائم کرنا ہی ہمارا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ یہ حصول مقصد کا محض ایک ذریعہ تھا۔ خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں اور جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے بر سر عمل آنے کا موقع حاصل ہو۔ [1]

تعلیمی کانفرنس کے پہلے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام ایجوکیشن منسٹر فضل الرحمان مرحوم نے پڑھا۔ اس پیغام میں اسلامی نظریہ تعلیم کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس ایڈریس میں جدید علوم کی ضروریات پر بھی توجہ دینے کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ قائداعظمؒ نے فرمایا:

> "Under foreign rule for over a century, suffciant attention has not been paid to the education of our people and if we are to make real, speedly and substantial progress, we must earnestly tackle this question and bring our educational policy and programe on the lines suited to the genious of our people, consonant with our history and culture and having regard to the

---

[1] گورنمنٹ آف پاکستان: قائداعظم محمد علی جناح تقاریر اور بیانات بطور گورنر جنرل آف پاکستان (48-1947)، وزارت اطلاعات اور براڈکاسٹنگ، ڈائریکٹوریٹ آف فلم اور پبلیکیشنز، اسلام آباد، ص: 74

modern conditions and vast developments that have taken place all over the world.…We have to see that they are fully qualified and equipped to play their part in the various branches of national life in a manner which will do honour to Pakistan.[1]

درجہ بالا پیرا گراف کو اردو میں کچھ اس طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

ایک صدی سے زائد عرصے تک ہم غیر ملکی تسلط کے تحت رہے اس دوران میں ہماری عوام کی تعلیم پر مناسب توجہ نہیں دی گئی۔اب اگر ہم حقیقی، تیز رفتار اور ٹھوس ترقی کے خواہاں ہیں تو ہمیں تعلیم کے مسئلے پر مناسب توجہ دینا ہو گی اور تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو عوامی امنگوں اسلامی تہذیب وتمدن سے ہم آہنگ کرنے کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر ہونے والی جدید تبدیلیوں اور تقاضوں کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری مملکت کے مستقبل کا دارومدار تعلیم کی ماہیت اور ہیت پر ہے جو ہم اپنے بچوں کو دیں گے تاکہ وہ صحیح معنوں میں مستقبل کے شہری بن جائیں۔اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مستقبل کے پودے کے کردار کی تشکیل بھی کرنا ہو گی۔انہیں ایسی ٹھوس تعلیم دینا ہو گی جس کے نتیجے میں وہ عزت نفس،احساس ذمہ داری اور بے غرض قومی خدمت کے اوصاف سے متصف ہوں نیز مختلف شعبہ ہائے علوم میں کاملیت او فضیلت حاصل کر کے اپنے وطن کے وقار کو بلند کر سکیں۔

قائد کے فرمان سے ان کے خیالات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے مگر موت نے انہیں مہلت نہ دی کہ وہ اپنے خیالات کو پروان چڑھا سکتے۔اس کے بعد سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے تعلیمی کشتی تا حال کنارے نہیں لگ سکی۔جتنی بھی پالیسیاں بنائی گئیں کہنے کی حد تک محدود رہیں، عملی طور پر جزوی اصلاحات کے کچھ نہ ہو سکا، تقریباً ہر پالیسی ما قبل کا تسلسل ہی نظر آتی ہے۔

پہلی تعلیمی کانفرنس جس کی صدارت اس وقت وزیر تعلیم فضل الرحمنٰ کر رہے تھے انہوں نے اپنا خطبہ صدارت میں جو کانفرنس کی اصل روح تھی، میں تعلیم کے ہر پہلو کا احاطہ کیا اور تیئیس نکات پر مشتمل حکمت عملی (پالیسی) قوم کے سامنے پیش کی۔خطبے کی ابتداء میں ہی تعلیمی نظام کو اسلامی طرز پر زور دیا اور کہا۔

"ہماری تعلیمی پالیسی موجودہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور ان نظریات کی ائینہ دار ہو جو دراصل قیام پاکستان کی اساس ہیں۔ہمیں پاکستان کو ایک ایسی جدید جمہوری ریاست میں تبدیل کرنا ہو گا جس کے شہری اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی اوصاف کے حامل ہوں اور

[1] Government of pakstan,proceedings of the Pakistan Educational conference,held at krachi 27 November to 1st December Ministry of interior(Education Division) Government of Pakistan press, Krachi,1947,p:5

اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہمیں اسلامی طرز فکر و عمل سے بھرپور استفادہ کرنا ہوگا۔ ہمارے نظام تعلیم کو اسلامی اصولوں سے ہدایات اور روشنی حاصل کرنا ہوگی۔ کیونکہ اسلام کے سوا کسی اور نظام فکر میں رواداری، اپنی مدد آپ انسانی ہمدردی اور اخوت و مساوات جیسے جامع تصورات نہیں ملتے اخلاق اور روحانی ترقی کے بغیر سائنسی ترقی انسانی تباہی کا موجب بنتی ہے۔ مدارس میں اساسیات اسلام کی تعلیم کے ذریعے اسلامی نظریہ حیات کے مطابق طلبہ کے کردار کی تشکیل کی جائے۔"[1]

تعلیمی کانفرنس کی دس کمیٹیوں نے اپنی اپنی سفارشات پیش کیں جن کو چوبیس قراردادوں کی شکل میں ترتیب دیا گیا۔ ان قرادادوں میں دو قرار دادیں پاکستانی تعلیمی نظام اور اسلامی نظریہ حیات کو ہم آہنگ کرنے سے متعلق ہیں۔ جن کے الفاظ یہ ہیں۔

1۔ فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کا نظام تعلیم اسلامی نظریہ حیات سے ہم آہنگ ہوگا جو اخوت، مساوات، رواداری اور عدل جیسی خصوصیات کا آئینہ دار ہوگا۔

2۔ فیصلہ کیا گیا کہ مدارس میں مسلمان طلبہ کے لیے دینی تعلیم لازمی ہوگی اس طرح کالج کے مسلمان طلبہ کے لیے بھی دینی تعلیم کے پیریڈ میں حاضری لازمی ہوگی۔ نیز دوسرے مذاہب کے طلبہ کو مذہبی تعلیم کے لیے ایسی مراعات حاصل ہوں گی۔[2]

قومی تعلیمی پالیسی 1959 کے نظریاتی پہلو

1947ء کی تعلیمی کانفرنس کے بعد 1959ء میں صدر پاکستان و چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر جنرل ایوب خان نے اس وقت کے معتمد تعلیم ایس۔ ایم شریف کی سربراہی میں قومی تعلیمی کمیشن قائم کیا۔ اس کمیشن کا مقصد یہ بتایا گیا کہ پاکستان میں رائج الوقت تعلیمی نظام میں اصلاحات کی تجاویز پیش کرے، جس کے پیش نظر پاکستان کا قومی نظام تعلیم ترتیب دیا جاسکے۔ کمیشن نے بڑی محنت سے ماہرین تعلیم و اہل الرائے سے ملاقاتوں کے بعد شعبہ زندگی میں اصلاح کی سفارشات مرتب کیں۔ جن میں ملک کی ضروریات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس تعلیمی کمیشن کی تجویز کردہ پالیسی ان کے دعوے کے مطابق قومی امنگوں کی ترجمان تھی اور اس پالیسی کو نظریاتی پالیسی بنانے کی کوشش کی گئی۔

تعلیمی کمیشن نے قومی اور اسلامی اقدار کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے نظام تعلیم کے ایک اساسی مقصد کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

---

[1] تعلیمی کانفرنس 1947ء، ص:6

[2] ایضاً، ص:22-21، قرارداد نمبر 4،7

"ہمارے نظام تعلیم کو لازمی طور پر ان نظریات کے تحفظ کے لیے بنیادی اور اہم کردار ادا کرنا چاہیے جو تخلیق پاکستان کا موجب بنے۔ حصول پاکستان کے لیے کوشش، دراصل اسلامی نظریہ حیات کے تحفظ کے لیے راہ ہموار کرنا تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے کیا کہ وہ آزادانہ فضا میں اسلامی اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہوں۔"[1]

ثانوی تعلیم کے اہم ترین مقاصد کا تعین اس رپورٹ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

دنیا کے نقشے پر ابھرنے والی نئی مملکت کی حیثیت سے پاکستان کو اسلامی اقدار کے تحفظ اور پرچار کے ذریعے سے پاکستانی قومیت کے نظریے کو ابھارنا چاہیے۔۔۔۔ ہمیں چاہیے کہ ہم مدرسے کے بچوں میں حب وطنی پیدا کریں اور ان میں وطن کی خدمت کا جذبہ پیدا کریں، ان میں اپنی تاریخ، اپنے ثقافتی اور معاشرتی اسالیب کا شعور پیدا کریں تا کہ وہ معاشرتی برائیوں اور کمزوریوں کو دور کر کے پاکستان کو صحیح معنوں میں آزادانہ خوشحال ریاست بنا سکیں۔[2]

اعلیٰ سطح پر اسلامی فقہ، مسلم تاریخ اور علم و فکر و فلسفہ کو نصاب کا لازمی جزو بنایا جائے۔ جامعات کے علاوہ علوم اسلامی کا الگ ادارہ قائم کیا جائے۔ علوم اسلامی پر تحقیق کے حوالے سے ماموریہ کمیشن نے تجویز دی کہ

"یونیورسٹیوں اور علوم اسلامی کے اداروں میں اسلام کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ کے لیے وظائف دیئے جائیں۔ علوم اسلامیہ کے یونیورسٹی اساتذہ کو مسلم اور غیر مسلم ممالک کے سفر پر بھیجا جائے تا کہ وہ جدید فکر و فلسفہ سے واقف ہو سکیں۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے ان غیر ملکی سکالرز کے لیے بھی وظائف کا اہتمام کریں جو فکر اسلامی کے کسی پہلو پر تحقیق کرنا چاہتے ہوں۔"[3]

اس کے علاوہ ماموریہ کمیشن نے علوم اسلامیہ اور زندگی کو قریب تر لانے کی کوشش پر بہت زور دیا۔ کمیشن نے تجویز پیش کی کہ ابتدائی سطح پر تعلیم وسیع البنیاد ہو اور ان تعلیمی اداروں کے نصاب میں فنی اور پیشہ ورانہ کورسز بھی شامل کیے جائیں۔ اعلیٰ سطح پر اسلام کو جدت پسند اور فعال تحریک کے طور پر پیش کیا جائے اور اسلامی تعلیم کو سائنس، فلسفہ، معاشیات اور تاریخ کا حریف بنا کر نہیں حلیف اور شارح کے طور پر سامنے لایا جائے۔ ان اسلامی اداروں کے نصاب کی ترتیب نو

---

[1] گورنمنٹ آف پاکستان: قومی تعلیمی ماموریہ کمیشن، وزارت تعلیمات، 1959ء، ص:10

[2] ایضاً، ص:113

[3] ایضاً، ص:221

موجودہ پیچیدہ سوسائٹی کی ضروریات کے پیش نظر کی جائے تاکہ اسلام اور تعلیم اسلام موجودہ دور کے انسانی ذہن کو بھی متاثر کرے۔[1]

قومی تعلیمی پالیسی70-1969ء

1969ء کو جب ائر مارشل نور خان کو وزیر تعلیم کا منصب دیا گیا تو انہوں نے صدر پاکستان جنرل یحیٰ خان کی ہدایت پر تعلیمی شعبے میں اصلاح کے لیے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی آراء معلوم کیں، وہ اساتذہ، طلباء اور ماہرین تعلیم سے ملے اور جولائی 1969ء کو اپنی رپورٹ بعنوان نئی پالیسی پیش کی اس رپورٹ میں تعلیمی شعبہ میں جامع قسم کی اصلاحات کی سفارش کی گی۔ کسی حد تک عوام نے بھی ان اصلاحاتی اقدام کو سراہا مگر یہ تجاویز بھی سیاست کی نذر ہو گئیں جس کی وجہ سے ان کا نفاذ ممکن نہ ہو سکا۔اس تعلیمی پالیسی میں نظریاتی پہلو پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گی جس کی وجہ سے اس پالیسی میں اسلام اور نظریہ پاکستان کو تعلیم میں فروغ دینے پر قدرے کم کام ہوا۔

نئی تعلیمی پالیسی کا پہلا مقصد اسلامی نظریہ کی بنیاد پر تعلیم کے ذریعے ایک مشترکہ ثقافتی و تہذیبی نظام اقدار فراہم کرنا تھا۔اسلامیات کو دسویں جماعت تک لازمی مضمون کی حیثیت دی گی تھی۔اس کے بعد اس کی حیثیت اختیاری مضمون کی تھی۔ تجویز تھی کہ یونیورسٹی کی سطح پر اسلامی تحقیق کو اہمیت دی جائے اور تحقیق کے نتائج سے قانون، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے عمرانی علوم کی اصلاح و ترمیم میں فائدہ اٹھایا جائے۔اسلامی مدارس میں سائنس اور ریاضی کے مضامین پڑھائے جائیں اور ان مدارس کے اساتذہ کو ایسے جدید مضامین میں تربیت دی جائے۔اس کے علاوہ اسلامی مدارس اور جدید مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کے درجات کے درمیان تعدیل اور یکسانیت کا کوئی معیار بنایا جائے تاکہ دونوں کو روزگار کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ نئی تعلیمی پالیسی نے تجویز پیش کی کہ مشنری سکولوں کو قومیا لیا جائے۔اسلامی مدارس کو نارمل سکول سسٹم میں مدغم کر ڈالا جائے اور نظریاتی ضروریات کی تکمیل کے پیش نظر نارمل سکولوں کی تجدید اور اصلاح کی جائے۔[2]

قومی تعلیمی پالیسی70-1969ء

یہ تعلیمی پالیسی پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں بنائی گی۔ پیپلز پارٹی نے اپنے منشور کی روشنی میں تعلیمی شعبہ میں اصلاحات کرنا چاہیں جس کے لیے انقلابی نوعیت کے اقدامات کیے گئے اور تعلیم کو عام اور بہتر کرنے پر توجہ دی گی۔اس تعلیمی پالیسی کا اعلان عبدالحفیظ پیرزادہ اور وزیر تعلیم نے مارچ 1972ء میں کیا۔اس تعلیمی پالیسی کا ایک نمایاں قدم یہ تھا

---

[1] گورنمنٹ آف پاکستان: قومی تعلیمی ماموریہ کمیشن، وزارت تعلیمات، 1959ء، ص:279

[2] نئی قومی تعلیمی پالیسی70-1969ء ص:70، 67، 3، 2

کہ نجی تعلیمی اداروں کو حکومتی سرپرستی میں لے لیا گیا۔ حکومت نے تعلیم کے تمام پہلوؤں کو اپنے خاص نظریات کی روشنی میں مرتب کیا۔اس تعلیمی پالیسی کے نظریاتی پہلو کو صدر مملکت نے یوں بیان فرمایا۔

"ان ناگفتہ بہ حالات میں ہمیں تعلیمی پالیسی کی تشکیل نو کے لیے کہا گیا ہے۔ ہمیں جنگل کو صاف کرنا ہے۔ ہمیں گذشتہ ادوار کی بخشی ہوئی پیچیدگیوں کو دور کرنا ہے۔ ہمیں اس اہم کام کی تکمیل اپنے مذہب کی روح اور اپنی تہذیب کی شاندار روایات کو قائم رکھتے ہوئے کرنی ہے۔ ہمیں تعلیم کے ذریعے قومی اتحاد اور معاشرتی ارتباط کا اہتمام کرنا ہے۔ ہمیں تعلیم کو امتیازی درجات سے نکال کر مساوی درجے پر لانا ہے۔اور ہر شخص کو بلاامتیاز و تفریق حصول علم کا حق حاصل ہے۔"[1]

اس پالیسی میں نظریاتی پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیااور نظریہ پاکستان کی حفاظت اور ترویج کو بنیادی مقصد تعلیم قرار دیا گیا۔

قومی تعلیمی پالیسی1979ء

1977ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ماہرین تعلیم، دانشوروں، اساتذہ اور طلباء کی ایک کانفرنس اپنی زیر صدارت منعقد کی، اس کانفرنس میں صدر موصوف نے تعلیمی شعبہ میں اصلاحات کے لیے رہنمائی کی۔ بڑی سوچ و فکر کے بعد کانفرنس نے کلی طور پر نظام تعلیم کی تشکیل جدید کے لیے سفارشات مرتب کیں جن کو بنیاد بنا کر 1979ء کی تعلیمی پالیسی بنائی گی۔ نظریہ پاکستان سے وابستگی کا ذکر اس دور کے وزیر تعلیم نے اس طرح کیا۔

"پاکستان کی تخلیق برصغیر کے مسلمانوں کے لیے عمل میں آئی تاکہ وہ اپنی زندگیوں کو بغیر کسی مداخلت کے قرآن وسنت کے مطابق بسر کر سکیں، اپنے تہذیبی ورثے کو روشن تر بنا سکیں اور اپنی نظریاتی آرزؤں کی تکمیل کر سکیں۔ گذشتہ حکومتوں نے نظریہ پاکستان کو روبہ عمل لانے کے لیے صرف زبانی وعدے کیے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم آج بھی بے سمت اور گم کردہ راہ پر ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم تعلیم کے مقاصد اور ان کی تکمیل کے لیے لائحہ عمل کا تعین نظریہ پاکستان کے پیش نظر کریں۔۔۔۔ میرا دعویٰ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس تعلیمی پالیسی کے وسیلے سے تعلیم کے قومی مقاصد کو اسلامی اصولوں، مسلمانوں کے تہذیبی ورثے اور ملک کی سماجی و معاشی ضروریات سے پوری طرح ہم آہنگ کیا گیا ہے۔"[2]

---

[1] شمیم حیدر ترمذی، اسلام کا نظام تعلیم، مقالہ، طبع اول، لاہور، 1993ء ص:178

[2] گورنمنٹ آف پاکستان: قومی تعلیمی پالیسی 1979ء، وزارت تعلیمات اسلام آباد، ص:11

بلاشبہ اس تعلیمی پالیسی کے ہاتھ اسلامی حنا میں رنگے ہوئے ہیں حکومت نے قومی تعلیم کے مقاصد میں درجہ ذیل چار مقاصد کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

1۔ پاکستانی عوام اور بالخصوص طلبہ کے دل ودماغ میں اسلام اور پاکستان کی محبت راسخ کرنا، انہیں اپنے روحانی اور نظریاتی تشخص کا شعور دینا اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ان میں قومی اتحاد و یگانگت کا جذبہ پیدا کرنا۔

قومی تعلیمی پالیسی 1992ء

1992ء کی قومی تعلیمی پالیسی کے مطابق نظریاتی پہلو درجہ ذیل ہیں۔

1۔ نظریہ پاکستان کے تحفظ اور فروغ کو یقینی بنانا اور اسلام کو انفرادی اور قومی زندگی کا حصہ بنانا۔

2۔ تعصبات، تنگ نظری، توہمات اور فرقہ واریت کا خاتمہ کرنا اور قومی وحدت کو فروغ دینا۔[1]

اس پالیسی میں اس مسئلے کی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے ایک ایسا لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے جس سے طلبہ قرآن مجید کے پیغام کو سمجھنے اور اسلام کی روح کو زہن نشین کرنے اور نئی سائنسی وتکنیکیاتی ترقیوں کی روشنی میں اسلام کا نظریہ کائنات کو سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔

قومی تعلیمی پالیسی 2010ء۔1998ء کا نظریاتی پہلو

اس تعلیمی پالیسی میں قرآن پاک اور اسلامی تعلیمات کی تعلیم پر زور دیا گیا ہے۔ تعلیم کو علم کے حصول، اخلاقی اقدار کی ترویج اور کردار سازی کی بنیاد تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام کے معاشرتی، ثقافتی، مذہبی اور انسانی تصورات کو ایجوکیشن کی اساس تسلیم کیا گیا ہے۔ اور امید ظاہر کی گی کہ آئندہ کے برسوں میں نظریاتی حوالہ سے بہتری اور مذہبی رواداری کی کرنیں پھوٹیں گی، پالیسی میں نظریاتی پہلو کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اسلام کا نظریہ حیات پاکستان کی ریاست کا مقصد وجود ہے۔ پورا نظام تعلیم مضبوط اسلامی بنیادوں پر استوار کئے بغیر ملک کی ترقی اور بقا ممکن نہیں۔[2]

تعلیمی پالیسی اور بالخصوص اس کا نظریاتی پہلو ملک کے سماجی، معاشی، معاشرتی ماحول اور اخلاقی ڈھانچہ میں غالب اہمیت کا حامل ہے۔ پاکستان دنیا کے نقشے میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے یہ ملک کوئی ایسا نہیں جس کی بنیاد اس کی علاقائی، لسانی، نسلی یا قبائلی شناخت پر رکھی گئی ہو۔ ہمارے وجود کا واحد جواز ہماری شناخت کے طور پر اسلام کے ساتھ کلی وابستگی ہے۔

---

[1] گورنمنٹ آف پاکستان قومی تعلیمی پالیسی 1992ء وزارت تعلیمات اسلام آباد، ص: 11

[2] ایس ایم شاہد، ایجوکیشن ان پاکستان، مجید بک ڈپو، اردو بازار لاہور، 10۔2009ء، ص: 151 تا 164

پاکستان میں طبقاتی نظامِ تعلیم

پاکستان معرض وجود میں آنے کے فوراً بعد جو نظام تعلیم ہم کو وراثت میں ملا وہ مسلمانوں کا وضع کردہ نہیں تھا بلکہ یہ فرنگی دور میں نافذ کردہ نظام تعلیم تھا جو ان کے اپنے مقاصد واہداف کو حاصل کرنے کے لئے لاگو کیا گیا تھا۔ قیام پاکستان کے وقت صورت حال یہ تھی کہ سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اور بعض نجی تعلیمی ادارے جدید طرز کی تعلیم دیتے تھے جن کی ہیت لادینی تھی۔ ساتھ ساتھ قدیم طرز کے دینی مدارس بھی موجود تھے۔ نجی تعلیمی اداروں میں عیسائی مشنریوں کے زیر اہتمام چلنے والے اداروں کی تعداد میں، جو اپنی روح کے اعتبار سے کاروباری تھے ان میں تیزی سے اضافہ ہوا۔

پروفیسر ظفر حسین خان لکھتے ہیں:

"پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہاں دو طرح کے ادارے تھے۔

1. انگریزوں کا نوآبادیاتی نظام تعلیم
2. مسلمانوں کا مذہبی نظام تعلیم "[1]

اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک میں دین واخلاق سے عاری دنیاوی تعلیم دی جارہی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اس میں تھوڑی بہت پیوندکاری کردی گی ہے۔ تمام سرکاری اور غیر سرکاری محکموں اور اداروں میں اسی نظام تعلیم کے فارغ التحصیل طلبہ ملازم رکھے جاتے ہیں دوسرے میں مذہبی تعلیم دی جاتی ہے اس نظام تعلیم کے فارغ التحصیل طلبہ مسجدوں میں امام، نکاح خواں اور مئوذن وغیرہ ہو جاتے ہیں ان کی تعلیم کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ جس کی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی مذہبی اور دنیاوی دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے گویا اسلام میں بھی کلیسا بن گیا ہے جب کہ اسلام میں ہر شخص مساوی حیثیت کا حامل ہے۔"(2)

طبقاتی نظام تعلیم کی وجہ سے مجموعی طور پر ملک وقوم میں انتشار کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا پاکستان بننے کے بعد یکساں نظام تعلیم رائج کیا جاتا اور افراد کی دنیوی ضرورتوں کے ساتھ ان کی قومی اور نظریاتی تربیت ہوتی اور ہم دنیا کے سامنے ایک مضبوط قوم بن کر ابھرتے لیکن حکومت نے تعلیم پر کم توجہ دی اور عوام کا مادی ضرورتوں میں الجھ کر رہ جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت دو متوازی نظام تعلیم اسلامی اور جدید چل رہے ہیں جن کی کئی مزید شاخیں ہیں۔ مذہبی نظام تعلیم میں

---

[1] ظفر حسین خان، پاکستان کا تناظر تعلیم، جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملیر سٹی، کراچی، (س۔ن) ص:58

[2] ۔ ایضاً، ص:58

دیوبند، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ مکاتب فکر شامل ہیں، جدید نظام میں تو بے شمار ذیلی نظام ہیں جن کی کئی طرح سے درجہ بندی ہو سکتی ہے مثلاً امراء غرباء کے حوالے سے، انگریزی اور اُردو میڈیم، عیسائی مشنری ادارے کاروباری ادارے وغیرہ۔

پروفیسر خورشید احمد اپنی کتاب نظام تعلیم میں رقمطراز ہیں:

"برطانوی فوجوں کو سرزمین پاک وہند سے ایک دن رخصت ہونا پڑا، لیکن میکالے کے تعلیمی نظام نے جس بگاڑ کو جنم دیا اور پروان چڑھایا، اس کی گرفت آج بھی ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی پر قائم ہے اور ہم آزاد ہونے کے بعد بھی فی الحقیقت آزاد نہیں۔" [1]

اب صورت حال یہ ہے کہ وطن عزیز میں مختلف نظام ہائے تعلیم رائج ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے نظام تعلیم میں کسی سطح پر یکسانیت نہیں اور ہم بطور قوم فکری انتشار کا شکار ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد اس حقیقت کو ایک سانحہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ایک تاریخی سانحہ ہے کہ پچھلے سو سالوں میں مغربی تمدن کے زیر اثر ہماری تعلیم دو حصوں میں تقسیم ہوئی اور اس کی وجہ سے خود ہماری سوسائٹی دو طبقات میں بٹ گی ہے۔ آج ہمارے ملک میں دو نظام تعلیم جاری وساری ہیں ہر ایک اپنا اپنا وظیفہ سرانجام دے رہا ہے کہیں ان دونوں میں کوئی مطابقت اور ہم آہنگی نہیں ہے۔" [2]

مزید برآں ایسی نسل تیار ہو رہی ہے جو منفی طرز فکر رکھتی ہے۔ پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ ایک دوسرے پر تنقید کر رہا ہے۔ جدید طرز کے تعلیم یافتہ افراد مذہبی تعلیم کے حامل لوگوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مذہبی تعلیم کے حامل جدید تعلیم یافتہ افراد کو مذہب دشمن خیال کرتے ہیں۔ بطور قوم ہمارا ایک ملک ہے، ایک دین ہے اور ایک ہی نظام تعلیم ہونا چاہیے اس سلسلے میں حکومت سب کو یکساں تعلیم دینے کی ذمہ داری قبول کرے۔

قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام تعلیم

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے اور اس کی آبادی تقریباً 22 کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ 1947 سے پہلے یہ ریاست برصغیر ہند کا حصہ تھی۔ برصغیر ہند ایک عظیم مملکت تھی جس مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی، سکھ اور بدھ مت

3۔ خورشید احمد، نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل۔ مرتب سلیم منصور، انسٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، بلاک 19 مرکز ایف 7۔ اسلام آباد، ص: 7

[2] نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، ص: 36

وغیرہ بے شمار اقوام بستی تھیں۔ صدیوں تک مسلمان حکمرانوں نے اس عظیم ریاست پر حکومت کی پھر ان سے انگریز نے حکومت کی باگ دوڑ چھین لی۔

انگریز کے خلاف آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریز حکمرانوں سے اپنے لیے علیحدہ مملکت کا پرزور مطالبہ کیا جس میں مسلمانوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہو اور کسی بھی غیر مسلم قوم کی اس مملکت میں کسی قسم کی شرکت نہ ہو۔ سندھ، پنجاب، بلوچستان، اور شمالی مغربی سرحدی علاقے مسلمان اکثریت کے خطے تھے، چنانچہ مسلمانوں کے اس مطالبے کو تسلیم کر کہ مسلم اکثریت کے یہ خطے ان کے حوالے کر دیئے گئے، انہی علاقوں پر مشتمل اس وفاق کو پاکستان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس طرح 1947ء میں دنیا کے نقشے پر ایک نئی اسلامی مملکت ابھر کر سامنے آئی۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی تعلیمی زندگی کی تاریخ غیر منقسم ہندوستان کی تعلیمی تاریخ سے مربوط ہے قیام پاکستان کے بعد ایک آزاد اسلامی ریاست کو قدیم وجدید نظامہائے تعلیم کو یکجا کر کے خالص دینی بنیادوں پر ایک ایسا نظام تعلیم مرتب کرنا چاہیے تھا لیکن افسوس روز اول سے ہی مملکت کو سیاسی بحرانوں اور اقتصادی مشکلات کا سامنا رہا ہے جس کے نتیجہ میں متفقہ نظام تعلیم ترتیب دینے کی مہلت نہ مل سکی۔ چنانچہ اسلامی نظام تعلیم جو کہ مدارس دینیہ کی صورت میں پاکستان میں رائج ہے اس کا وہی نصاب ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاں انگریز کی آمد سے قبل چلا آرہا تھا۔ اگرچہ اس میں معمولی تغیر و تبدیلیاں کی گیئں لیکن علماء پاکستان نے ملا نظام الدین کے نظام اور نصاب کو باقی رکھا۔

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> "پاکستان میں آج بھی دو متوازی نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک تو وہ نظام ہے سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے، جس میں دین کی بعض بنیادی باتوں کی زیادتی کر کے خالصتاً جدید علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور دوسرا ان قدیم طرز کے دینی مدارس میں جاری ہے جس میں معمولی ترمیمات کے ساتھ درس نظامی کو پڑھایا جاتا ہے۔"[1]

قیام پاکستان سے لے کر آج تک وہی نظام تعلیم چلا آرہا ہے جو استعماری قوت کے قبضہ کر لینے کے بعد وقت کی نزاکت کے پیش نظر اختیار کیا گیا تھا۔ بد قسمتی سے اس نظام نے ہماری مذہبی اور قومی امنگوں کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے سوائے نقصان کے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچایا۔

---

[1] ۔ محمد تقی عثمانی، ہمارا تعلیمی نظام، مکتبہ دار العلوم کراچی، 2000ء، ص:78

پاکستان میں مدارس اسلامیہ

پوری دنیا میں مدارس اسلامیہ تعلیمی امور نبھاتے نظر آتے ہیں مگر یہاں پاکستان میں مدارس اسلامیہ بظاہر تین اقسام میں نظر آتے ہیں۔(1)مدارس اسلامیہ جو خانقاہی نظام رکھتے ہیں(2)مدارس اسلامیہ جو بغیر وفاق کے چلتے ہیں(3)مدارس اسلامیہ جو کسی وفاق کے تحت چلتے ہیں۔

خانقاہی نظام کے تحت چلنے والے مدارس اسلامیہ پاکستان بھر میں مزارات اور زیارات کے ساتھ منسلک ہیں جہاں دینی تعلیم کا اہتمام ہے جن میں ناظرہ، حفظ و قرات اور بعض خانقاہوں میں درس نظامی کا بہترین انتظام موجود ہے۔دینی مدارس کی دوسری قسم جو بغیر کسی وفاق کے چل رہے ہیں یہ مدارس اپنا الگ نظام و نصاب رکھتے ہیں اور امتحانی نظام بھی الگ رکھتے ہوئے اپنی مثال آپ ہیں۔مدارس اسلامیہ کی تیسری قسم وہ تعلیمی ادارے ہیں جو کسی نہ کسی وفاق کے تحت کام کر رہے ہیں اس قسم کے مدارس پانچ وفاقوں کے تحت ہزاروں کی تعداد دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔(1)وفاق المدارس العربیہ پاکستان(دیوبندی)۔(2)تنظیم المدارس پاکستان(بریلوی)۔(3)وفاق المدارس سلفیہ(اہلحدیث)۔(4)وفاق المدارس(اہل تشیع)۔(5)رابطۃ المدارس(جماعت اسلامی)۔

> "مدارس اسلامیہ کے وفاقوں کا تعارف(1)وفاق المدارس العربیہ پاکستان: سنی حنفی،دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والے مدارس کا یہ وفاق 1959ء میں قائم ہوا اس وفاق کا مرکز ملتان میں ہے۔(2) تنظیم المدارس پاکستان:۔سنی حنفی، بریلوی مسلک کے دینی مدارس باہم روابط اور امتحانی نظام کو قائم کرنے کے لیے مئی 1960ء میں یہ وفاق قائم کیا گیا جس کا مرکز لاہور میں ہے۔(3)وفاق المدارس سلفیہ پاکستان:۔اس وفاق میں سنی، اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والے مدارس وابستہ ہیں یہ 1955ء میں قائم کیا گیا جس کا مرکز فیصل آباد میں ہے۔(4)وفاق المدارس،شیعہ پاکستان:۔شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے دینی مدارس کا وفاق 1959ء میں قائم ہوا جس کا مرکز لاہور میں ہے۔(5)رابطۃ المدارس السلامیہ پاکستان:۔دینی مدارس کا یہ وفاق مسلکی تقسیم و تفریق کی بنیاد پر قائم نہیں بلکہ اس میں تمام مسلم دینی دھاروں سے اخذ و اکتساب کیا جاتا ہے۔یہ 1983ء میں قائم ہوا اس کا مرکز لاہور میں ہے۔"[1]

---

[1] ۔دینی مدارس میں تعلیم، ص:143

مدارس اسلامیہ پاکستان میں ہزاروں نادار افرد کو نہ صرف تعلیم سے بہرہور کرتے ہیں بلکہ ان کی ضروریات مثلاً خوراک، رہاش، علاج اور کتابوں کی کفالت بھی کرتے ہیں۔اور معاشرہ میں بنیادی تعلیم، خواندگی کے تناسب میں معقول اضافہ کرتے ہیں۔

مدارس اسلامیہ کانصاب

مدارس اسلامیہ میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے یہ وہی نصاب ہے جو ملانظام الدین سہالوی نے جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے معاصرین میں سے تھے، کئی نسلوں سے پڑھائے جانے والے تعلیمی نصاب کو باقاعدہ اور مربوط نصاب کی شکل دی تھی۔اس کے بعد یہ نصاب انہی کے نام سے موسوم ہو گیا۔اس نصاب میں بنیادی طور پر مندرجہ ذیل علوم شامل تھے۔

1۔قرآن کریم اور حدیث رسول ترجمہ و تشریح کے ساتھ، فقہ۔2۔صرف و نحو عربی ادب و گرائمر کے دیگر فنون۔تاکہ قرآن وسنت تک براہ راست رسائی آسان ہو۔3۔یونانی منطق و فلسفہ۔تاکہ اس منطق و فلسفہ کے عروج اور عملداری کے دور میں لکھے گئے اسلامی لٹریچر کے وسیع ذخیرہ تک رسائی ممکن ہو۔4۔ریاضی اور حساب۔تاکہ باہمی لین دین اور حساب کتاب کو نمٹانا آسان ہو۔5۔فارسی زبان جو مغل دور کی سرکاری زبان تھی اور درس نظامی کے نصاب کا لازمی حصہ تھی۔تاکہ دفتری اور سرکاری امور میں بلا جھجک شرکت ہو سکے۔6۔کتابت و تحریر۔تاکہ لکھنا پڑھنا آسان ہو۔

چنانچہ تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> "یہ نظام تعلیم علوم عربیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد و کلام، فلسفہ و منطق، ریاضی طباور ہندسہ وغیرہ تمام علوم کو جامع تھا۔درس نظامی چونکہ تمام دینی و دنیوی علوم پر مشتمل تھا اس لیے اس نظام تعلیم کے فارغ التحصیل طلباء عملی زندگی کے ہر شعبہ کی ذمہ داریاں اٹھانے کی استعداد رکھتے تھے۔"[1]

اس طرح ایک مہذب اور منظم سوسائٹی میں تعلیم کے تمام ضروری تقاضے مثلاً خواندگی، دفتری زبان، مروجہ قوانین، مذہبی زبان، عقائد و نظریات کلچر و ثقافت، اسلامی لٹریچر تک رسائی، حساب و کتاب، اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی تک کے سب اہم اور ناگزیر امور اس نصاب کے اندر سمودیئے گئے تھے۔

یہ نظام اگرچہ اس وقت نظام حکومت کے بھی کل پرزے تیار کر رہا تھا لیکن یہ ایسا جوہر پیدا نہیں کر رہا تھا جو آگے پڑھ کر سوچے اور کوئی اجتہادی دماغ پیدا کرے اور نظام کی اصلاح کرے۔

---

[1]۔ہمارا تعلیمی نظام، ص:74

قیام پاکستان کے بعد درس نظامی کو ہی مناسب تبدیلیوں کے ساتھ پاکستان کے مدارس میں بطور نصاب شامل کر دیا گیا جو تاحال جاری ہے۔

پاکستان میں جدید نظام تعلیم

پاکستان میں جدید اور عصری نظام تعلیم سے مراد وہ نظام ہے جو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز میں رائج ہے۔ان تعلیمی اداروں کا نصاب صرف دنیاوی تعلیم کی بنیاد پر مبنی ہوتا ہے، زیادہ تر مقاصد نصاب انسانی زندگی کی فلاح و بہبود پر منحصر ہوتا ہے۔ان اداروں سے تعلیم یافتہ افراد زیادہ تر ڈگریاں وصول کرتے ہیں اور ملازمت حاصل کرنے کے لیے تگ و دو شروع کر دیتے ہیں۔پاکستان کا جدید نظام تعلیم کئی متضاد رخوں میں بٹا ہوا ہے سالہا سال سے ایک ہی ڈگر پر چل رہا ہے۔ہمارا موجودہ نصاب عملی زندگی سے مربوط نہیں ہے۔یہاں تقریباً ہر نظام دوسرے نظام سے اہداف اور نصاب کے اعتبار سے مختلف ہے، علی گڑھ کی تقلید میں بنائے گئے نظام تعلیم کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔وہ بھی طبقاتی تقسیم میں بٹا ہوا ہے۔مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> "پاکستان میں آج بھی دو نظام تعلیم رائج ہیں۔ایک تو وہ نظام ہے جو سرکاری اسکولوں میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے۔۔۔دوسرا ان قدیم طرز کے دینی مدارس میں جاری ہے جس میں معمولی ترمیمات کے ساتھ درس نظامی جاری ہے۔"[1]

قیام پاکستان کے وقت صورت حال کچھ اس طرح تھی کہ سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اور بعض نجی تعلیمی ادارے جدید طرز کی تعلیم دیتے تھے جن کی ہیئت لادینی تھی۔ساتھ ساتھ قدیم طرز کے دینی مدارس بھی موجود تھے۔نجی تعلیمی اداروں میں عیسائی مشنریوں کے زیر اہتمام چلنے والے اداروں کی تعداد میں، جو اپنی روح کے اعتبار سے کاروباری تھے، تیزی سے اضافہ ہوا۔ان اداروں نے مشنری جذبے کے تحت تعلیم بھی دی اور خاص کر ان اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ کو دیگر اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ کی طرح انگریزی کو سمجھنے اور بولنے میں دقت نہ رہی، مگر ان سکولوں کے نصاب تعلیم اور اُردو سکولوں کے نصاب میں کافی فرق تھا۔چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد یکساں تعلیمی نظام رائج کیا جاتا اور افراد کی دینوی ضرورتوں کے ساتھ ان کی قومی اور نظریاتی تربیت ہوتی اور ہم دنیا کے سامنے ایک مضبوط قوم بن کر ابھرتے۔اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ملک کے اندر کئی طرح کے نظامہائے تعلیم چل رہے ہیں اور مختلف قسم کے تعلیمی ادارے تعلیم دے رہے ہیں۔اگرچہ جدید عصری اداروں کا ملک میں ایک جال بچھا ہوا ہے تاہم ان کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ہمارا تعلیمی نظام، ص:78تا79

طبقاتی تفریق

عصری تعلیمی اداروں میں مزید طبقاتی تفریق ایک بڑی برائی کی شکل میں موجود ہے۔امیروں کے لیے الگ تعلیمی ادارے ہیں اور غریبوں کے لیے الگ،افسران اور حکمرانوں کے بچے جن اسکولوں میں پڑھتے ہیں، غریب یا متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا آدمی وہاں اپنے بچے کو پڑھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ اپنے سوسائٹی کا مہذب ترین طبقہ خیال کرتے ہیں۔اس لیے وہ عام طور پر اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ان کے بچے متوسط یا غریب گھرانوں کے بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل کریں۔ یہ طبقہ ابتدا ہی سے اپنی اولاد کو عام بچوں سے دور رکھ کر ان میں برتری، فوقیت اور معاشرتی امتیاز کا احساس امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"پھر کچھ فوجی کچھ نیم فوجی اور کچھ خالص استعماری تہذیب کا چربہ ہیں اور ایک نئی سامراجی قیادت کو تیار کر رہے ہیں، جو دور بیٹھے آقاؤں کی مرضی کے مطابق اپنی قوم پر ان کا حکم چلا رہے ہیں۔"[1]

اس کے برعکس مدارس میں جہاں نصاب ایک ہے وہاں کھلی آنکھ سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں امیر اور غریب میں کوئی تفریق نہیں۔ایک ریڑھی والے کا بچہ جس کلاس میں بیٹھا ہے وہیں ایک کارخانے دار کا بچہ بھی بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہا ہے مساوات کی یہ مثال عصری تعلیمی اداروں میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ گذشتہ چند برسوں میں نجی تعلیمی اداروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں سے زیادہ علم نجی اسکولوں میں پڑھنے والے رکھتے ہیں۔ سرکاری تعلیمی اداروں کا حال یہ ہو چکا ہے کہ وہاں ایک کمرے میں اتنے طلباء ہوتے ہیں کہ پیچھے بیٹھنے والے طالب علموں کو استاد نظر ہی نہیں آتا،اساتذہ کی تعداد بھی کم ہے جن میں شاذ ونادر ہی باقاعدگی سے کلاس لیتے ہیں۔اس کے علاوہ ٹیکنکل تعلیم کی طرف بھی توجہ نہیں دی جاتی، طالب علموں کو بہت دور رکھا جاتا ہے، تعلیمی بجٹ بہت کم ہوتا ہے اساتذہ کو بنیادی ٹریننگ نہیں دی جاتی، یہ سب امور توجہ طلب ہیں۔اسی طرح عصری تعلیمی اداروں میں ایلیٹ، مڈل کلاس اور غرباء کی تقسیم پر پرائیویٹ اور سرکاری ادارے موجود ہیں جو کہ ملک پر مسلط استحصالی نظام کی ضرورت کے مطابق مختلف برانڈ کے پرزے تیار کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

"صورت واقع یہ ہے کہ ان انگریزی میڈیم اسکولوں کا تعلیمی قبلہ کیمبرج ہے۔انگریزی میڈیم اسکولوں کی جانب صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں جاگیرداروں یا افسروں کا ہی رجحان ہے۔"[2]

---

[1] نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، ص:185

[2] ایضاً، ص:186

مثال کے طور پر ایچیسن کالج جس کی ماہانہ فیس لگ بھگ پچاس ہزار کے قریب ہے اور باقی خرچے اس کے علاوہ ہیں جو اس ملک کی نوے فیصد آبادی کے کل ماہانہ اخراجات سے بھی زیادہ ہے۔اب اس ادارے سے فارغ التحصیل طلباء یا تو بڑے بڑے عہدوں پر فائز نظر آئیں گے یا پھر سیاست کے ایوانوں میں بیٹھ کر اجتماعی ترقی کے بجائے اپنے طبقے کے مفادات کا تحفظ کرنے والی پالیسیاں تشکیل دیں گے یا پھر بیرونی ممالک کے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے آلہ کاری کا کردار ادا کرتے نظر آئیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی ترقی میں ان کا کوئی کردار نہیں نظر آتا۔دوسری طرف پر نچلے لیول کے پرائیویٹ ادارے محکوموں اور ماتحتوں کی فوج پیدا کر رہے ہیں۔اور جہاں تک سرکاری اداروں کا تعلق ہے تو اکادکا کے علاوہ باقی تو کسی کھاتے میں نہیں آتے۔

جدید تعلیمی ادارے

دنیاوی تعلیمی اداروں کی کی دو اقسام ہیں

سرکاری تعلیمی ادارے

پہلی قسم کے وہ ادارے ہیں جنہیں خود گورنمنٹ چلانے کا کام سر انجام دیتی ہے،ان میں وفاقی،صوبائی اور دوسرے فوجی تعلیمی ادارے شمار ہوتے ہیں۔ سرکاری تعلیمی اداروں کی تعداد پرائیویٹ اداروں سے زیادہ ہے اور اس نظام سے گزرنے والوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ سرکاری نصاب دیگر نجی اداروں سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہے اور مسلم اقدار کی شکایت وریخت میں نجی اداروں کے برابر نہیں ہے۔

"المیہ یہ ہے کہ قوم کے باوسائل، بااثر، مغرب زدہ اور حکمران طبقے کے لیے خصوصی نوعیت کے تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ جن میں بعض نوآبادیاتی دور کی یادگاریں ہیں، جیسا کہ چیف کالج وغیرہ۔"[1]

آسان لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرکاری تعلیمی ادارے عام عوام کے لیے ہیں اور پرائیویٹ خواص کے لیے ہیں، چونکہ اس نظام کے ساتھ روزگار جڑا ہوا ہے عوام میں بھی اسی تعلیم کا رجحان زیادہ دیکھا جاسکتا ہے۔ سرکاری اور عصری اداروں میں ایسی نوعیت کے مضامین داخل کیے جاتے ہیں جو تجرباتی اور فنی نوعیت کے ہوتے ہیں جن پر مغربی افکار کی چھائیاں ڈالی جاتی ہیں۔

---

[1] انظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، ص:185

پرائیویٹ تعلیمی ادارے

دوسری قسم کے وہ تعلیمی ادارے کہلاتے ہیں جو پرائیویٹ اور ذاتی ملکیت کے ہوتے ہیں۔ سرکاری ادارے بے شمار فکری اثرات رکھنے کے باوجود بھی اس سطح تک نہیں پہنچ سکتے جس سطح تک پرائیوٹ ادارے ذہن سازی کرتے ہیں۔

پرائیویٹ تعلیمی ادارے بھی کئی قسم کے ہیں:

(1)انفرادی (2)این جی اوز ملکیت (3)ٹرسٹ کے ماتحت (4)فاؤنڈیشن (5)دیگر ادارے

یہ ادارے بھی اپنے اہداف و مقاصد کے اعتبار سے سرکاری اداروں سے مختلف نہیں لیکن ان اداروں کی اکثریت مغربی افکار کو پھیلانے اور نئی نسل کو مغربی مقام میں رنگنے کے لیے تگ ودو کر رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ ادارے پاکستان میں فکری طور طور پر عدم یکسانیت کو فروغ دے رہے ہیں،ان اداروں سے پڑھے ہوئے طالب علم ذہناً ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہوتے ہیں اور ایسے ماحول میں وحدت وملت بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی رقمطراز ہیں:

"اے لیول،او لیول، کیمبرج اور اکسفورڈ یہ سب ادارے ملک کو تعلیمی لحاظ سے تقسیم کر رہے ہیں۔"[1]

مندرجہ بالا دونوں تعلیمی اداروں میں بعض انگلش اور بعض اُردو میڈیم تعلیم نافذ العمل ہے۔ان تمام اداروں میں مختلف اقسام کے نصاب لاگو ہیں۔بچہ جب دو اڑائی سال کا ہوتا ہے تو والدین اس کی تعلیم کی فکر کرتے ہوئے اسے نرسری کلاس میں داخل کراتے ہیں۔بچہ نرسری کے مراحل پورے کر کے تقریباً ساڑھے چار سال کی عمر میں کے۔جی میں آجاتا ہے یہاں بھی اسے دو سال کا عرصہ گزارنا ہوتا ہے تب اس کی عمر سات سال کی ہوتی ہے پھر اس کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے یعنی پرائمری میں آجاتا ہے۔اور اس طرح وہ مڈل اور ثانوی تعلیم کے مراحل طے کرتا ہوا آگے یونیورسٹی تک کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔

انگریزی تعلیمی اداروں کے فروغ کے اسباب

معاشرے میں والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد اعلیٰ اور معیاری تعلیم وتربیت حاصل کرے اور وہ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے بچوں کو اپنی دانست میں معیاری اسکولز میں داخل کرواتے ہیں اور بچوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے وہ ہر ممکن جدوجہد کرتے ہیں اسی ضمن میں وہ گورنمنٹ اسکولز کو نظر انداز بھی کرتے ہیں۔ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے کسی بھی اچھے اور مہنگے اسکول سے تعلیم حاصل کریں۔یہی وجہ ہے کہ اکثر سرکاری اساتذہ اپنے نجی

---

[1] ۔ محمود احمد غازی، محاضرات تعلیم، طبع دوم،زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی،2004،ص:47

انگریزی اسکول اور کوچنگ سینٹر کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنا کاروبار چمکا رہے ہیں اور اپنی ساری توانائیاں سرکاری اسکولز کے طلبہ کے بجائے نجی انگریزی اداروں سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پر صرف کر رہے ہیں اور بحالت مجبوری والدین اپنے بچوں کو اچھے سے اچھے اسکولز میں داخل کروانے پر مجبور ہیں۔

ہمارے معاشرے میں انگریزی تعلیمی ادارے کیوں پھیل رہے ہیں لوگ اپنے بچوں کو اُردو ذریعہ تعلیم کے اداروں کے بجائے انگریزی تعلیمی اداروں میں بھیجنے کو ترجیح دیتے ہیں؟انگریزی تعلیمی اداروں کے محرکات اور اغراض و مقاصد کیا ہیں؟اس معاملے میں انگریزی اداروں کے مالکان و منتظمین کا نقطہ نظر کیا ہے وہ ان اداروں کے بڑھنے کے کیا اسباب بیان کرتے ہیں؟ان سارے سوالات کے جواب میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آئی ہیں:

" 1۔انگریزی زبان کو ہم قابلیت کا معیار تصور کرتے ہیں، اعلیٰ ملازمتوں کے تمام امتحانات انگریزی زبان میں ہوتے ہیں اور یہی زبان ان تعلیمی اداروں میں ذریعہ تعلیم وتدریس کے طور پر نافذ ہے۔

2۔والدین کے خیال میں ان اداروں میں طلباء کو بہتر توجہ، بہتر تعلیم اور بہتر ماحول میسر ہوتا ہے۔ایک طرف ان کا باہم مقابلہ ہے اور دوسری طرف ان کا اُردو اداروں کے ساتھ بھی مقابلہ ہے اس مسابقت میں طلباء کی تعداد بھی کم رکھی جاتی ہے، تعداد کی کمی کی وجہ سے اساتذہ کا ان کے ساتھ قریبی رابطہ بھی رہتا ہے۔"(1)

"3۔اردو ذریعہ تعلیم کے اداروں میں زیر تعلیم طلباء کی اکثریت کا تعلق غریب اور متوسط گھرانوں سے ہوتا ہے، ہمارے معاشرے کے دولت مند اور اعلیٰ عہدوں پر فائز طبقہ نفسیاتی طور پر اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے بچے ان تعلیمی اداروں میں علم حاصل کریں جہاں غریب اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے بچے بھی زیر تعلیم ہوں وہ اپنے بچوں کو متوسط گھرانوں کے بچوں سے علیحدہ رکھنے کے لیے انگریزی اداروں میں بھیجتے ہیں۔اس طرح انگریزی ادارے ترقی پاتے ہیں۔"(2)

ان انگریزی اور مغربی طرز کے تعلیمی اداروں نے معاشرے کو تقسیم در تقسیم کر دیا ہے مساوات اور یکسانیت جو ملک وملت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت ہے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔اس انگریزی اور مغربی طرز تعلیم جو ہمارے

---

[1] ۔عبدالغفور اعوان،اسلام آباد اور راولپنڈی میں انگریزی ذریعہ تعلیم کے پرائیویٹ ادارے، سروے رپورٹ، مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1986،ص:19

[2] ۔ ایضاً،ص:20

ملک کے طول و عرض میں رائج ہے کا بانی لارڈ میکالے تھا۔اس نے اپنی تاریخی یاداشت 1853ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل کو پیش کی اس میں اس نے اس نظام کے مقاصد مکمل صفائی کے ساتھ بیان کئے۔اس کا سب سے بڑا مشن یہ تھا کہ ہندو ستانی باشندوں کو بالخصوص مسلمانوں کو اپنی تہذیب واقدار سے دور کر کہ تقلید مغرب قبول کرنے کے لیے ذہنا تیار کیا جائے۔ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اس نظام تعلیم کا سب سے بڑا مشن یہ تھا کہ ہندوستان کے باشندوں کو بالخصوص مسلمانوں کو اپنے سارے تہذیبی ورثے کے بارے میں شدید احساس کمتری کا شکار بنا کر ان کے دلوں میں مغرب کی ہمہ گیر بالادستی کا سکہ بٹھا دیا جائے اور نئی نسل کو ہر ممکن طریقے سے یہ یقین کر لینے پر مجبور کر دیا جائے کہ اگر دنیا میں ترقی یا سربلندی چاہیے ہو تو اپنی فکر اپنے فلسفے اپنی تہذیب اپنی معاشرت اور اور اپنے سارے ماضی پر ایک حقارت بھری نظر ڈال کر مغرب کے پیچھے پیچھے چلے آؤ اور اپنی زندگی کا ہر راستہ اس کے نقش قدم میں تلاش کرو۔"[1]

جدید مغربی نظام تعلیم جو کہ مذہب واخلاق، معاشرتی روایات اور انسانی و اخلاقی قدروں سے بغاوت اور مادہ پرستانہ نظام کی وجہ سے آج تعلیم ایسا مثالی اور زمہ دار انسان پیدا کرنے سے قاصر ہے جو صحیح خطوط اور صالح بنیادوں پر معاشرہ کی تعمیر کرے،اور زندگی میں اعلیٰ انسانی قدروں کو فروغ دے، اس میں حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا احساس ہو۔یہی وجہ ہے کہ آج تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ انسان میں اخلاق و کردار، سلوک و معاملات، چال چلن، لین دین، گھریلو اور معاشرتی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔دونوں کی شب وروز کی زندگی میں صرف اس طور پر فرق کیا جاسکتا ہے کہ ایک کے پاس علم اور دوسرا اس دولت سے تہی دامن ہے۔

1 ۔ ہمارا تعلیمی نظام، ص:20

فصل چہارم

اسلامی اور مغربی فلسفہ تعلیم کا موازنہ

اسلامی تصور تعلیم

اسلام صرف فلسفہ حیات ہی نہیں بلکہ ایک اصلاحی اور انقلابی تحریک بھی ہے جو نیکیوں کو قائم کرنے اور بدیوں کو روکنے کی جدو جہد کرتی ہے۔ان ہی تعلیمات کی بدولت جاہلان عرب معلم اور ہادی بن گے۔انہوں نے کتاب اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات سے اکتساب فیض کر کے سینکڑوں علوم وفنون ایجاد کر ڈالے۔اسلام نے دیگر تمام مذاہب کے برعکس تعلیمی اصول فراہم کیے ہیں جنہیں مشعل راہ بنا کر شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔پروفیسر شبیر احمد منصوری اپنے مضمون "تعلیم اور تعمیر انسانیت"میں اسلام کے تصور علم کا بڑا مختصر جامع نقشہ پیش کرتے ہیں:

> "دین اسلام نے تعلیم و تعمیر کے عمل کو جس قدر مقدس اور اہم قرار دیا ہے دیگر مذاہب اور ادیان عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی،اسلام کا تصور علم نہایت وسیع ہے۔خالق تعالیٰ تمام انواع مخلوقات، آفاق وانفس یہ سب علم کا موضوع ہیں۔"[1]

اسلام کے وسیع تر پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں تعلیم ہی وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ نئی نسل کو تصور حیات دیتا ہے،اسلامی افکار کی روشنی میں زندگی گزارنے کے طور طریقے اور اخلاقیات کی تربیت دیتا ہے۔

مغربی تصور تعلیم

مغربی فلسفہ تعلیم کی رو سے تعلیم فکرِ آزادی کا تصور پیش کرتی ہے کہ انسان اپنے افعال و کردار، معیشت و معاشرت، سیاست و اخلاق غرض ہر شعبہ زندگی میں آزاد و خودمختار ہے۔مغربی فلسفہ تعلیم میں اہم ترین چیز نہ تو قرآن وحدیث ہے ،نہ گرنتھ اور وید ہے اور نہ ہی اہم ہستی مریم وعیسٰی ہیں بلکہ ان سب سے زیادہ اہم قابل اور قابل قدر خود انسان ہے انسان کی رائے اور اس کی آزادی ہے۔

---

[1] شبیر احمد منصوری، تعلیم اور تعمیر انسانیت،ماہنامہ افکار معلم،ادارہ تعلیم وتحقیق جامعہ پنجاب،لاہور،18مارچ 1992ء،شمارہ،11،ص:130

پروفیسر محمد سلیم لکھتے ہیں۔

"اہل مغرب کے نزدیک انسان ایک حیوان ہے اس کے حیوانی تقاضے اور مطالبات ہیں۔اہل مغرب کو نہ انسان کے آغاز سے دلچسپی ہے اور نہ انجام سے۔"[1]

اہل مغرب کے نزدیک انسان محض ایک حیوان ہے اور تعلیم صرف اس لیے ضروری ہے کہ اس کے حیوانی تقاضے اور مطالبات کو پورا کیا جا سکے۔مغربی وعصری فلسفہ تعلیم نے مادیت کی بھرپوری تعلیم دی ہے۔ اس طرح عصری فکرو فلسفہ اور نظامِ تعلیم کی بنیاد خالص مادیت پر قائم ہے۔ تعلیم کا مقصد مال و دولت کا حصول قرار پایا۔ مغربی فلسفہ تعلیم کا مقصد سیکولرازم کا پرچار کرنا ہے۔مغربی فکر میں علم صرف ان معلومات کو کہا جاتا ہے جو علم انسانی ذہن کی کاوشوں کے نتیجے میں حاصل ہوا ہو،نتیجتا وہ حقائق جن کے بارے میں وہ صدیوں سے جانتا تھا اور استعمال بھی کرتا تھاان کو تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اس وقت پوری دنیا میں جو علم رائج ہے۔اسکی اساسی بنیادیں مغربی فکر سے ہی ماخوذ ہیں اور ان بنیادوں پر اٹھنے والی عمارت وہی نقشہ پیش کرے گی جو مغربی نظام سیاست،معیشت و معاشرت یا سماجی اقدار کو مضبوط سے مضبوط تر کرتی چلی جائے گی۔[2]

اسلامی ماخذِ تعلیم

وحی الٰہی

اسلامی نظام تعلیم میں علم کا منبع اور مبداء وہی ذات باری تعالیٰ ہے جو کائنات کا خالق ومالک ہے۔انسانی تخلیق بذات خود اخوص کی مستحق ہے اور اس کے نتیجے میں انسانی ذہن اپنے خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔علم کی طرف درست سمت اور صحیح منزل کی طرف راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔جس نے اس بنیادی حقیقت کو سمجھ لیا اس کے لیے نظام فطرت کے قوانین کا علم حاصل کرنا دشوار نہیں۔

"تعلیم کا اہم ترین مقصد خدا کی رضا کے سامنے بلاچوں وچراں سر تسلیم خم کرنا ہے۔قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں فرد اور معاشرہ کی فلاح وبہبود تعلیم کا نصب العین ہے۔"[3]

---

[1] سید محمد سلیم، مغربی تہذیب اور اسلام میں تعلیم کا مقصد، ماہنامہ افکار معلم، لاہور، 1999ء، ج:12، ش:7

[2] ایضاً

[3] اختر جعفری، فہم التعلیم، کالج آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ لاہور، 1998ء، ص:51

وہ علوم جو قرآن وسنت کے حوالے سے عطا کیے گے ہیں، مثلا اعتقادات، عبادات، انسانی معاملات کے اصول، خیر وشر اور فلاح وخسارہ کے معیارات جن کی بدولت تزکیہ نفس اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بنتا ہے۔یہ علوم یقینی ہیں جن پر انسانی فوز وفلاح کا دارومدار ہے، یعنی وحی الٰہی کے ذریعے جو قرآن وسنت پر مبنی علم ہے وہی قطعی ومعتبر اور بالا تر ہے۔

حسی وعقلی علوم

وہ علوم جن کو انسان حسی اور عقلی محرکات سے حاصل کرتا ہے وہ صرف دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔بلاشبہ حصول علم کے معاملے میں حس وتجربہ، مشاہدہ، قیاس اور وجدان بڑے اہم ذرائع ہیں۔لیکن یہ یقینی نہیں، پرکھنے کی کسوٹی کا یقینی اور قطعی سرچشمہ علم وحی الٰہی یعنی قرآن وسنت ہی ہے۔قرآن مجید میں کسی بھی جگہ عقل سمجھ سے انکار نہیں کیا گیا بلکہ جابجا غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾﴾ [1]

ترجمہ: بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو۔

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"اسلام ایک عقلی دین ہے اور وہ اپنے قواعد اور مسلمہ اصولوں کے تحت عقل وفکر کو خطاب کرتا ہے اور اس کے لیے ایک وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔وہ جدوجہد اور اجتہاد کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔وہ عقل کے لیے انفس وآفاق کے ایمانی دلائل پیش کرتا ہے اور موجبات وہدایت پر غور وفکر کرنے کی درخواست کرتا ہے تاکہ عقل پر سے وہم وگمان رسم ورواج اور جہالت کے پردے سے ہٹ جائیں۔" [2]

---

[1] النحل، 11/16

[2] اردو، دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، 1962ء، لاہور، ج:16، ص:422

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَصۡرِيفِ ٱلرِّيَٰحِ وَٱلسَّحَابِ ٱلۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِ لَأٓيَٰتٖ لِّقَوۡمٖ يَعۡقِلُونَ ١٦٤ ﴾[1]

ترجمہ: ہواؤں کا پھیرنا اور ابر جو حکم کے تابع ہے درمیان آسمان کے اور زمین کے ان میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید میں کسی جگہ بھی عقل سوچ سمجھ سے انار نہیں کیا گیا بلکہ جا بجا غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی تعلیمات یعنی قرآن پاک کے متن کو من و عن انسانیت تک پہنچانا اور اس کی روشنی میں انسانوں کو اپنے تزکیہ نفس کی دعوت دینا ہے۔تاکہ وہ خیر کی طرف مائل ہو اور شر سے متنفر ہو۔علامہ زمخشری فرماتے ہیں

"اللہ نے انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کے نور کی طرف راہنمائی کی اور لکھنے پڑھنے کی فضیلت بیان کی،کیوں کہ لکھنے پڑھنے کے بے شمار فوائد ہیں جن کا احاطہ خدا کی ذات ہی کر سکتی ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے لیے ایسے عوامل مقدر فرمائے جو اس مقصد کے لیے مفید تھے اور وحی کے ذریعے تعلیم اور تربیت دی اور انسانوں میں اس قوم کو جس کے افراد فطرت انسانی کے فطری اوصاف رکھتے تھے، آپ ﷺ کی صحبت و رفاقت کے لیے منتخب فرمایا اوران کیک تعلیم و تربیت حضورؐ کے ذریعے کرائی گئی۔

مغربی ماخذ تعلیم

انسانی تجربہ و مشاہدہ

مغربی نظام تعلیم کا آغاز ایسے لوگوں نے کیا جن کے پاس درحقیقت کوئی پاک وصاف سرچشمہ علم نہ تھا اور فلسفہ تعلم کی بنیاد ڈالنے والوں کے پاس نہ ہی حکمت عملی تھی اور نہ ہی ذرائع علم کے نشان جس کی بدولت وہ بنی نوع انسان کی صحیح راہنمائی کر سکیں۔

---

[1] ۔البقرہ،164/2

[2] محمود بن عمر الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، مطبع الاستقامہ، مصر، 1946ء، ج:4، ص:774

"موجودہ مغربی تمدن کا مرکز قدیم یونانی تمدن تھا،اس کا اصل اصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشوونما اور سب سے بڑا معیارخوبصورت اور سڈول جسم سمجھا جاتا تھا۔ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ تر زور محسوسات پر ہے،جسمانی تربیت،ورزشی کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت تھی،ذہنی تعلیم جو شاعری،موسیقی،ڈراما،فلسفہ،سائنس وغیرہ پر مشتمل تھی،ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے پائی تھی تاکہ ذہن کی ترقی سے جسم کو نقصان نہ پہنچے پائے۔یونان کے علم میں نہ روحانیت کا عنصر ہے نہ باطنیت کا،نہ علم دین ہےاور نہ پیشوا دین کا طبقہ۔"[1]

متعدد مغربی علماء نے یونانیوں کی دینی کمزوری اور اس کی بے اثری،خشیت وخوف اور مذہبی اعمال ورسوم میں سنجیدگی کی کمی اور کھیلوں اور تفریحات کی کثرت کا ذکر مغربی نظام تعلیم کے نظریات وعقائد اور نظریہ حیات یونانی تہذیب کے زیر اثر ہیں۔

علم کی بنیاد شک وتردد

اسلامی نظام تعلیم میں جن حقائق کے بارے میں انسان عقل وشعور سے نہیں جان سکتااس کے بارے میں اطلاع کے لیے وحی الٰہی کا سلسلہ جاری فرمایاتاکہ انسان جان لے کہ یہ کون ہے؟پیدائش سے پہلے کہاں تھا؟مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟اور انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ان تمام سوالات کے جوابات دینے کے لیے حتمی اور آخری ذریعہ علم عطا کیا جس کے بارے میں انسان خطا نہ کھائے اور حقیقت کے ادراک میں غلطی نہ کرے۔وحی سے حاصل شدہ علم یقینی اور قطعی ہوتاہے جب کہ جدید مغربی فلسفہ تعلیم کی بنیاد یقین پر نہیں بلکہ شک وریب پر ہے۔

امام غزالیؒ کیمائے سعادت میں فرماتے ہیں:

"مفید علم وہی ہے جس کے پڑھنے کے بعد دنیا آنکھوں میں مفید ہوجائے آخرت کی جزاوسزا سے خبردار ہوجائے اور جس علم سے ان کی جہالت وحماقت کااندازہ ہوجو دنیامیں مشغول اورآخرت سے غفلت میں ہیں اور غرور حسد،حرص وریااور دنیاکی محبت سے کنارہ کشی کاچسکاپیداہوجائے۔"[2]

انسان تحقیق کے بعد جس نتیجے تک پہنچے گاوہ حتمی اور یقینی تسلیم نہیں کیا جاتابلکہ اس میں ہمیشہ غلطی کاامکان باقی رہتاہےاواس کودرست بھی کیاجاسکتاہے کسی بھی تحقیق کوآخری اس لیے کہاجاتاہے کہ اس سائنس دان کی موت واقع ہو

[1] سیدابوالحسن علی ندوی،انسانی دنیاپر مسلمانوں کے عروج وزوال کااثر،مجلس نشریات اسلام،کراچی،(س۔ن)ص:199

[2] ابوحامد محمد بن محمد غزالی،کیمائے سعادت،دارالاشاعت کراچی،1978ء،ص:144

گئی لیکن جو بھی ثابت شدہ چیز ہے اس پر مزید تحقیق کرتے رہیں گے تاکہ اس غلطی کو بھی دور کیا جائے، ہر حاصل شدہ تحقیق کی ابتدا اور انتہا شک پر ہوتی ہے جبکہ اسلامی تصور علم میں علم کی ابتدا اور انتہا شک پر نہیں ہوتی جو چیز وحی سے ثابت ہو اس پر شک نہیں کیا جا سکتا وہ اسلامی تصور علم میں حتمی ہے اور خطا سے بالکل پاک ہے۔

اسلامی اور مغربی نظام تعلیم کے مقاصد کا موازنہ

اسلامی نظام تعلیم کے مقاصد

جہالت بھی ایک طرح کی تاریکی ہے یہ اپنے ساتھ ہزاروں خرابیاں لے کر آتی ہے ہر ایک برائی سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک طویل مدت درکار ہے۔ پھر بھی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ہے اس کا علاج صرف علم ہے اور علم ہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے تمام اچھائیاں پھوٹتی ہیں۔ کسی بھی سماج اور معاشرے کی تشکیل میں تعلیم اور مقصد تعلیم کا موثر ترین کردار ہوتا ہے، انسانی زندگی پر تعلیم کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ فرماتے ہیں:

> "تعلیم کا اصل نصب العین یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی بندگی کی جائے اسی سے مدد طلب کی جائے اور صرف اسی کی اطاعت کو اپنے اور لازم قرار دیا جائے اور اس ایک ہستی کے علاوہ جن بے شمار شیطانی طاقتوں کی لوگ پیروی کر رہے ہیں اور ان کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں ان سب سے برات کا اعلان کیا جائے۔"[1]

تعلیم کا مقصد متعین کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کائنات میں خود انسان کی کیا حیثیت ہے؟ اسلامی نظریہ کے مطابق انسان کو اللہ کا بندہ اور خلیفہ ہے پھر اس کی تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے وہ یہ جانے کہ رب کی بندگی کے تقاضے کیا ہیں، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ذرائع کیا ہیں اور وہ کیا چیزیں ہیں جو اسے خلافت ارضی کا اہل بناتی ہیں۔ تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو اسے علم و بصیرت کی دولت سے مالا مال کر دے، زندگی کی ابدی اور روحانی حقیقتوں کا ادراک کرا سکے، سائنس اور معاشرتی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈال سکے اور انفرادی، عائلی اور اجتماعی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں نبھا سکے۔

1۔ یوسف قرضاوی، دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے، (مترجم)، سلطان احمد اصلاحی ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 1994ء، ص:18

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"اسلامی تعلیم کا مقصد دراصل ایک ایسی آئیڈیل سوسائٹی بنانا ہے جس کا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اپنی فطرت وحیا اور خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر احتساب اور نگرانی کا فرض سرانجام دے اور کسی اجرت کے بغیر خدائی فوجدار بن کر ہے۔"[1]

اسلام نے مقصد تعلیم کو جو وسعت اور ہمہ گیری عطا کی ہے اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ روحانی، ذہنی، جسمانی، انفرادی،، عائلی، اجتماعی اور اخلاقی تعلیمات جیسے اعلیٰ اور پاکیزہ مقاصد کو صحیح مقام اور اہمیت دی، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے درمیان بہترین سیرت و کردار کے حامل حکمراں، مدبر، مفکر اور سائنس داں پیدا ہوئے جن کے عظیم کارناموں کے سامنے دنیا حیرت زدہ ہے۔

خلافت شعور

تعلیم کا اولین مقصد انسان میں خلافت کا شعور اور ادراک ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی مخلوق کا طلبگار ہے جسے کوئی قوت اس کی معرفت پر اس کی اطاعت و بندگی سے اسے ماننے پر مجبور کرنے والی نہ ہو بلکہ وہ خود اپنی عقل سے اس کو پہچانے خود اپنی جستجو سے اس کو پالے اپنی آرزو و خواہش سے اس کی بندگی اور عبادت کرے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے تخلیق انسانیت کی اور عقل و شعور کے ساتھ بااختیار بنایا۔ معرفت الٰہی اور رضائے الٰہی کا پہلا زینہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اصل نائب اور خلیفہ ثابت کرے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"انسان کی حیثیت اس دنیا میں خدا کے خلیفہ کی ہے خلیفہ نائب کو کہتے ہیں۔ نائب کا کام یہ ہے کہ جس کا وہ نائب ہے اس کی اطاعت کرے اور نہ اس کے سوا کسی کی اطاعت کرے اور نہ اس کے سوا کسی کی اطاعت کر سکتا ہے کہ ایسا کرے تو باغی سمجھا جائے۔"(2)

انسان کی فرمانبرداری کے لیے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ شعور ہر وقت تازہ رہے کہ وہ خدا کا بندہ اور نائب ہے۔ اس کے ذمہ یہ کام ہے کہ ہر قدم پر اللہ کے احکامات بجالائے۔

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1983ء، ص:211

[2]۔ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول مبادی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1975، ص:29

چنانچہ یوسف القرضاویؒ قمطراز ہیں:

"تعلیم کا اصل نصب العین یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی بندگی کی جائے اسی سے مدد طلب کی جائے اور اسی اطاعت کو اپنے اوپر لازمی قرار دیا جائے۔"[1]

جو کوئی بھی خدا کے سوا اپنی آقائی اور خدائی کا دم بھرے اور کسی بھی پہلو سے بھی خدا کے بندوں سے اپنی بندگی اور اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے وہ طاغوت ہے خدا کے سارے رسول اسی لیے بھیجے گئے کہ انسان طاغوت کی بندگی اور اطاعت سے بچیں اور ایک خدا کی مخلصانہ بندگی کریں یہی اسلام کا جوہر اور کلمہ حقیقت ہے جس کا اقرار کر کے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

عبادت خداوندی

اسلامی تعلیم کا اہم مقصد انسان کو اللہ کی بندگی اور عبادت کے لیے تیار رہنے کا ہے۔ ہر مسلمان خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور اسے ہر بات پر قادر سمجھتے ہوئے اس کی بندگی کرتا ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو جرات مند اور شجاع بنا دیتا ہے کیوں کہ وہ خدا سوا کسی اور سے نہیں ڈرتا اور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾[2]

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسان کو پیدا ہی اس غرض سے کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اللہ پر یقین و بھروسہ کرنے والا انسان اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عزم مصمم سے کام کرتا ہے اور اللہ کی عبادت سے اس کی رضا حاصل کرنے کی سعی ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ منہاج العابدین میں لکھتے ہیں:

"علم و عبادت وہ دو مقاصد و جواہر ہیں جن کے لیے اللہ نے کتب سماویہ نازل فرمائیں۔ انبیاؑ کو بھیجا گیا بلکہ زمین و آسمان کی تمام تر مخلوقات و اشیاء سب علم اور عبادت کے واسطے تخلیق کی گئیں۔"[3]

امام غزالیؒ کے نزدیک دنیا کے سب سے اہم کام علم و عبادت ہیں اور کونین کی تخلیق کے بھی یہی مقاصد ہیں لہٰذا انسا کے لیے لازم ہے کہ ان ہی کاموں میں مشغول رہے اور انہی کے لیے محنت بھی کرے اور انہی میں غور و فکر بھی کرے۔

1۔ یوسف قرضاوی، دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 1994ء، ص:18

2۔ الذاریات:56/51

3۔ ابو حامد، محمد بن محمد غزالی، منہاجالعابدین، مترجم، مولانا زکریا، دارالاشاعت، کراچی، ص:26

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾﴾[1]

ترجمہ: اور یہ ہے کہ میری عبادت کرو۔ یہ سیدھی راہ ہے۔

انسان کی تخلیق خلافت کا مقصد ہی عبادت الٰہی ہے تا کہ انسان اپنے شعور میں ایمان کی قوت کے ساتھ اللہ کی بندگی کرے اپنی آرزوں واعمال سے ثابت کرے۔

اعتدال وتوازن

اسلامی تعلیمات امت مسلمہ میں وحدت، یک جہتی کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہیں تا کہ ایسی اجتماعی اسلامی تحریک قائم ہو جو فعال ہو اور اس کے افراد کے اندر باہمی تعاون اور یک جہتی قائم ہو۔ اسلام ہر فردی کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے اور کسی کو ان میں مداخلت کی اجازت نہیں اسلامی تعلیمی پالیسی میں افراد انفرادی اور اجتماعی ترقی کے ارتقاء کا سبب بنتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ﴾[2]

ترجمہ: بے شک اللہ اس وقت کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

اسلامی تعلیمات آزادی اور مساوات پر ایک ساز ور دیتی ہے اسی تعلیم سے اللہ کے سوا سب ڈر ختم ہو گئے ہیں یہی نظام تعلیم بیک وقت انفرادیت اور اجتماعیت کی بھرپور تائید کرتا ہے جو خالق ومالک کی طرف سے عائد ہے۔

"اس نظام تعلیم میں تعلیم یافتہ شہری، تربیت یافتہ شہری، تربیت یافتہ کارکن اور اہل قیادت پیدا کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔"[3]

اسلامی نظریہ حیات پر مبنی نظام تعلیم ہر فرد میں اجتماعی ذمہ داری تصور پیدا کرنا ہے۔ یہی نظام تعلیم معاشرے میں احساس پیدا کرتا ہے کہ معاشرے میں ایسی انفرادیت کی کوئی گنجائش نہیں جس سے دوسروں کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے اور اجتماعی ذمہ داری کے تصور سے ناآشنا ہو۔

1۔ یٰسین، 61/36

2۔ الرعد، 11/13

3۔ ابو حامد محمد بن محمد غزالی، کیمائے سعادت، مولانا ذکریا اقبال، دارالاشاعت کراچی، 1978ء، ص:344

Thomas woodyکا کہنا ہے۔

"In its broadest meaning, education as any process by which an individual gains knowledge on insight or develops attitude or skills"[1]

ترجمہ: تعلیم اس عمل کا نام ہے جو فرد کو اس قسم کا علم، دلچسپیاں، مقاصد، عادات اور قوتیں عطا کرتا ہے۔ ان چیزوں کی ہی بدولت طفل اپنا صحیح مقام معلوم کر کے انسان اپنی ذات اور معاشرے کو پاکیزہ ماحول کی طرف لے جاتا ہے تعلیم ہی سے قوموں میں شعور پیدا ہوتا ہے۔ اور کسی بھی قوم کی ثقافتی و انفرادی دماغی صلاحیت اور سیرت و کردار کی پختگی تعلیم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

عقائد و نظریات کی اصلاح

اسلامی عقائد، توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت معاشرے کی بہبود کے لیے سنگ بنیاد ہیں کیونکہ انسان کے تمام اعمال و افعال کا اصل محرک اس کے عقائد و نظریات ہیں۔

"صالح انسان وہ ہے جو اللہ کے نازل کردہ احکام کی پابندی کرتا ہے۔ اس لیے زمان و مکان کی تبدیلی سے صالح انسان کا طرز عمل تبدیل نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے کام کر رہا ہوتا ہے"[2]

اسلامی تعلیم انسان کی فکر و نظر اور اعمال کی مکمل اصلاح کرتی ہے۔ جو اسے قوم پرستی، وطن پرستی اور شخصیت پرستی سے نکال کر اس کی سوچ میں وسعت پیدا کرتی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"طالب علم کا مقصد علم سے سردست تو یہ ہے کہ اپنے باطن کو آراستہ اور فضیلت سے مزین کرے اور انجام یہ ہو کہ خدا تعالیٰ کا قرب اور فرشتوں اور مقربان ملائکہ اعلیٰ کی ہمسائیگی حاصل ہو اور علم سے غرض ریاست اور مال و جاہ اور بیوقوفوں سے جھگڑنے اور ہمسروں پر فخر کرنے کی نہ ہو۔"[3]

یہ تعلیم انسان کی روحانی، ذہنی، عقلی، جذباتی اور جسمانی قوتوں کو جلا بخشتی ہے۔ اس کا مقصد ہی انسان کی انفرادی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی تربیت کر کے راغب کرنا ہے اور وہ خدا کا اطاعت شعار بندہ بن جاتا ہے۔

---

[1]-The Encyclopedia Americana New York,Vol,9,1968, P;592

[2]- محمد قطب،: تعلیمی مباحث، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، 1989ء، ص:31

[3]- ابو حامد محمد بن محمد غزالی، احیاء العلوم الدین، دارالاشاعت کراچی، 1978ء، ص:71

معاشرتی اصلاح

اسلامی تعلیمات کا مقصد ہر شخص کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے اور ان باتوں کا سد باب کرنا ہے جن سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو لہذا اسلام نے غیبت، جھوٹ، بدگمانی، دورخہ پن، حسد، چغلی، افواہ، بدزبانی، وعدہ خلافی وغیرہ کو کلیۃً نیست و نابود کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَـٰبِ﴾ (1)

ترجمہ: اے ایمان والو ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سئے بہتر ہوں اور نہ عیب دو ایک دوسرے کو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھو۔

اسلامی معاشرے کے طرز زندگی میں مذہبی، سیاسی، معاشی، قانونی غرض تمام شعبوں کے نظریات اللہ کی ہدایات کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور اسلامی تعلیمات نے جسمانی روحانی، نفسیاتی تمام پہلوؤں سے روشناس کروایا اور انسانیت کے حقوق و فرائض کو واضح طور پر بیان فرمایا جس سے معاشرے میں توازن برقرار رہے۔

﴿فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَأَصْلِحُوا۟ ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝١﴾ [2]

ترجمہ: سو اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس کے معاملات کی ااصلاح کرو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں معاشرتی زندگی کے تمام اصول بیان ہیں، اللہ سے ڈرتے رہنا، باہمی محبت تعاون کا سلوک کو اپنانا جس کے لیے قران و سنت میں تمام احکامات بیان ہیں۔

---

[1] ۔الحجرات، 11/49

[2] الانفال، 1/8

فلاح آخرت

اسلامی تعلیمات میں آخرت کا نہایت واضح تصور موجود ہے۔اللہ نے ایک ایسا دن مقرر کیا ہے جس دن ساری کائنات ٹوٹ پھوٹ جائے گی انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔حساب وکتاب کیا جائے گا جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ انعام پائے گا اور جس کے برے اعمال ہوں گے وہ سزا پائے گا۔

﴿ يَٰقَوۡمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَا مَتَٰعٞ وَإِنَّ ٱلۡأٓخِرَةَ هِيَ دَارُ ٱلۡقَرَارِ ٣٩ ﴾[1]

ترجمہ: اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے ہمیشہ کے قیام کی جگہ تو آخرت ہے۔

دنیوی زندگی بہت محدود ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی ہے انسان اس عارضی زندگی سے دائمی زندگی کی طرف جاتا ہے دنیا میں انسان کا جسم تو فنا ہو جاتا ہے مگر روح فنا نہیں ہوتی۔

چنانچہ پروفیسر سلیم لکھتے ہیں:

"تعلیم کا مقصد انسان کو زندگی کے فرائض ومطالبات، ہدایت الٰہی کی روشنی میں ادا کرنے کے قابل بنانا ہے تاکہ زندگی کے امتحان میں وہ بھرپور حصہ لے اور ایک مومن صالح کی زندگی گزار کر جب وہ آخرت میں جائے تو وہاں کامیاب ہو اور رضائے الٰہی سے ہمکنار ہو"[2]

آخرت میں نجات حاصل کرنے کے لیے انسان اس دنیا میں اعمال صالح کرتا ہے۔اگر آخرت کا عقیدہ موجود نہ ہو تو نیک کام کرنے پر انعام کی امید اور برے کام کرنے پر سزا کا خوف نہ ہو تو انسان کو کسی چیز پر ایمان لانے یا نیکی کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔عقیدہ آخرت سے ہی انسان اپنی دینوی زندگی کو بامقصد سمجھنے لگتا ہے ورنہ اسے یہ زندگی بالکل عبث اور بے مقصد معلوم ہو۔آخرت پر یقین سے ہی احساس ذمہ داری پیدا ہوتی ہے تو وہ حوصلہ وہمت سے اعمال صالحہ کرتا ہے دنیا میں اسے کوئی اجر ملے نہ ملے اسے آخرت میں اجر کی امید ہوتی ہے۔

تحقیق وجستجو

اسلامی تعلیمات صرف تقلید کا ہی قائل نہیں بناتی بلکہ وہ تحقیق وتجسس کے ذریعے انسان کو ہر شے پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔غور وفکر کا تسلسل ہی مختلف علوم کو جاننے کا باعث بنتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔المومن،39/40

2۔سید محمد سلیم،اسلامی نظام تعلیم کی اساس،ادارہ تعلیمی تحقیق،لاہور،1991،ص:11

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُولِي ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٠﴾ ﴾ (1)

ترجمہ: بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا بدلنا اس میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (2)

ترجمہ: اور سورج اور چاند کو تمھارے لیے کام میں لگا دیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمھاری خاطر کام میں لگایا۔

کائنات میں تحقیق و جستجو پر محققین کام کر رہے ہیں تو ایسے شواہد ملے ہیں جن پر آج سے چودہ سو سال پہلے ہی قرآن کے ذریعے تصدیق کی جا چکی ہے۔

﴿ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (3)

ترجمہ: اللہ کا بنایا ہوا بدل نہیں سکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

انسان اپنی سوچ کے مطابق مفروضات قائم کرتا ہے لیکن بعد میں آنے والے ان تجربات و مشاہدات اس کو باطل قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کائنات کے بارے میں قرآن میں شواہد بیان کر دیئے ہیں ہزاروں سال کی تحقیق بھی انھیں رد نہیں کر سکتی۔ اسلام نے سائنسی علم کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی ہے بلکہ خود غور و فکر کی دعوت بھی دی ہے۔

جدید (مغربی) نظام تعلیم کے مقاصد

مغربی فلسفہ تعلیم کا گہرا مطالعہ کرنے سے درجہ ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں۔

تصور مادیت

جدید مغربی فکر و فلسفہ اور نظام تعلیم کی بنیاد خالص مادیت پر استوار ہے۔ تعلیم کا اولین مقصد ہی دولت کا حصول قرار دیا گیا ہے اس طرح اس نظام تعلیم نے مادیت کی بھرپور دعوت دی ہے۔

---

[1]۔ آل عمران، 190/3

[2]۔ ابراہیم، 33/14

[3]۔ الروم، 30/30

"Our thoughts are made of materialism.In our minds, the idea of heaven is nothing but an area full of wealth.At present, the whole world is a business, a political business, an economic business.A nation, afactory and a government are the tables at which transactions are made, and politicians are salesmen of the factory who are always on the lookout to sell their goods in other markets more than others."[1]

ترجمہ: ہمارے افکار کا تانا بانا مادیت سے بنایا گیا ہے۔ہمارے ذہنوں میں جنت کا تخیل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جس میں مال ہی مال بھرا ہوا ہے۔اس وقت پوری دنیا ایک کاروبار ہے، سیاسی کاروبار، معاشی کاروبار، ایک قوم، ایک کارخانہ اور ایک حکومت وہ میز ہے جس پر لین دین کیا جاتا ہے اور سیاست دان اس کارخانہ کے دوکاندار ہیں جو ہر وقت اس ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے مال کو دوسری منڈیوں میں دوسروں کی نسبت زیادہ فروخت کر سکیں۔

مغربی فلسفہ تعلیم کی رو سے دنیا میں انسان کے زندہ رہنے کا مقصد مادہ پرستی ہے۔زر پرستی کے اسی جنون نے سب سے زیادہ نقصان اخلاقی قدروں کو پہنچایا ہے۔ان کے نزدیک مال و دولت کا حصول سب سے بڑی نیکی ہے۔شاعر مشرق اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش"(2)

تصور مادیت سے افکار و نظریات کا ماحاصل دولت اکٹھی کرنا ہے فکر معاش اور حصول دولت مغرب کا مطمع نظر ہے۔مادہ پرستی نے انسان کو راہ مستقیم سے ہٹا دیا ہے۔

فکر و عمل کی غیر ذمہ درانہ آزادی

جدید اور مغربی فلسفہ تعلیم کی رو سے انسان اپنے افعال و کردار میں آزاد اور خود مختار ہے۔اہل مغرب کے نزدیک انسان معاش و معاشرت سیاست و اخلاق غرض ہر شعبہ زندگی میں آزاد ہے، اس کی آزادی میں مذہب اور ریاست رکاوٹ نہیں بن سکتے۔مغربی نظام تعلیم میں آزادی ایک اہم قدر ہے جس کے حصول کے لیے افراد کو باقاعدہ تیار کیا جاتا ہے۔

---

[1] Norman Bearlay,Politics has no morals,London,1949,p:124

[2]۔کلیات اقبال، ص:607

"When we look around we see that the situation is changing drastically.Today we have more women than men, now women are free because they are free to follow us.Men's eyes are are agender for them rare.For which they have to compete hard.You do not have to go to the wives, today you can call them from home without any hesitation on the telephone.Now there is no need for houses or capital, wives now the company is called Girls. All matters are settled with them on the phone like a doctor and the bill is paid at the end of the month."[1]

ترجمہ: جب ہم گرد و پیش پر نگاہ ڈالتے ہیں تو حالات یکسر بدلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں آج ہمارے ہاں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی افراط ہے۔اب عورتوں کو آزادی ہے اس لیے کہ وہ ہمارا پیچھا کرنے میں آزاد ہیں، مردوں کی چشم التفات ان کے لیے ایک جنس نایاب ہے جس کے لیے انہیں سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔آپ کو بیویوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، آج ٹیلی فون پر انہیں گھروں سے بلا تکلف بلا سکتے ہیں۔اس تغیر نے اس پیشہ کے معاشی پہلو میں ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے۔اب نہ تو مکانوں کی ضرورت ہے نہ سرمائے کی، بیویوں کو اب کمپنی گرلز کے لقب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ان سے سارے معاملے کو ڈاکٹر کی طرح فون پر ہی طے کر لیا جاتا ہے اور مہینے کے آخر میں بل ادا کر دیا جاتا ہے۔ یہاں درحقیقت مصنف ذاتی زندگی کی مثال دے کر وضاحت کر رہا ہے۔

اس تصور آزادی سے مغرب کا خاندانی نظام تباہ برباد ہو گیا ہے۔علامہ اقبال مغربی تصور آزادی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھوں میں ہے جوہر عورت کی نمو"(2)

انسانیت کی ناقدری

جدید مغربی نظام تعلیم نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے انسان کو ارفع و اعلیٰ مقام سے ادنیٰ مقام حیوانیت کے درجے پر لا کھڑا کیا ہے انسان کو محض ایک حیوان کے سائبہ قرار دیا گیا ہے جس کی زیست کا مقصد خواہشات نفس کی پیروی کے سوا کچھ نہیں، جدید مغرب کے ہر مضمون میں مادیت کا تصور نمایاں ہے۔

---

[1]Garchlait and LeeMartimee,Confidential USA Washington,1950,P:58,59

[2]۔ کلیات اقبال، ص:559

"The sensory ethics of the present system have degraded man to a great extent.Moral values have completely vanished.If they resist in the way, they are abandoned without any hesitation.Man has made expediency his motto today and thus he has sown the seeds of constant conflict and intrest in the world.[1]"

موجودہ نظام کی حسی اخلاقیات نے انسان کو کافی حد تک ذلیل کر دیا ہے۔اخلاقی قدریں بالکل سمٹ گئی ہیں۔ان کی حیثیت آج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اگر ان سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو قبول کیا جاتا ہے۔اگر وہ اس کی راہ میں مزاحم ہوں تو ان کو بلا تکلف ترک کر دیا جاتا ہے۔انسان نے آج مصلحت پسندی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اور اس طرح انہوں نے دنیا میں مستقل کشمکش اور مفاد کے بیج بودیئے ہیں۔

اہل مغرب کے نزدیک انسان نے زمین سے نشو و نما پائی، زمین پر چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا ہے اور زمین میں ہی مل جائے گا لہٰذا انسان کوئی اہم ہستی نہیں جو دوسری مخلوقات سے ممیز و ممتاز ہو۔

"کرہ ارض پر زندگی کا ارتقاء امو با اور جیلی فش کے ابتدائی ظہور سے اس کی انتہائی شکلوں تک مسلسل رہا ہے۔ہم زندگی کے ترقی یافتہ اور آخری شکل ہیں۔"(2)

مگر اب کے اس نظریہ تعلیم سے انسان کی قدر و پہچان ختم ہو گئی اور انسان کے اندر اخلاقی صفات کی جگہ حیوانی جذبات پرورش پانا شروع ہو گئے۔خیالات، تہذیب، ادب و سیاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں اس نظریے نے بڑا گہرا اور وسیع اثر ڈالا، جس کے نتیجے میں انسان ایک ترقی یافتہ جانور ٹھہرا۔

الحاد و لادینیت کا فروغ

مغربی نظام تعلیم میں الحاد و لادینیت کی بھرپور دعوت دی جاتی ہے، الحاد کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کو زندگی کے ہر شعبہ سے خارج کر دو۔لادینیت طرز تعلیم نے انسان کو بے عقیدگی اور انتشار سے بھرپور فکری تعلیم دی ہے جس کا مقصد انسان کو مذہب سے دور کرنا تھا۔اس طرح جدید مغربی نظام تعلیم نے انسان کو مادہ پرستی کی حد تک پہنچا دیا ہے اور انسانی زندگی کا مقصد صرف ذاتی اغراض و خواہشات کی تکمیل ہی ہے۔جس کی وجہ سے انفرادی اور اجتماعی زندگیاں بکھر کر رہ گی ہیں۔لادینیت اور خدا بے زاری نے آپس کے اجتماعی تعلقات کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔چنانچہ جدید جاہلیت کے مصنف لکھتے ہیں۔

---

[1] Surkin Pitiron,The Crises of Our age,New York,1985,P:209

[2]۔انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال، ص:246

"بے شک اس قلق و بے چین زندگی کو رواں دواں رکھا، لیکن اضطراب و جنون، بلڈ پریشر، عصبی اور نفسیاتی اختلال کی اب حالت یہ ہے کہ ہسپتال ودماغی اور نفسیاتی مریضوں سے بھرے پڑے ہیں۔ حد یہ ہے کہ پاگل پن ایک متمدن مرض اور اختلالی علامت تہذیب میں خیال کیا جانے لگا ہے۔"[1]

انہی نظریات وعقائد کو اہل مغرب نے اپنایا اور علوم وفنون، علم وفکر اور ہنر وفن کے ہر مضمون میں یا اسی لادینیت کے نظریہ کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اس طریقہ تعلیم سے خدا تعالیٰ کی نفی اور مطلق ہستی کا انکار ہے۔

"Western civilization does not explicitly deny God, but the fact is that there is no place for God in its system and it does not feel any need or necessity in front of it."[2]

مغربی تہذیب صاف صاف پر زور طریقہ پر خدا کا انکار نہیں کرتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نظام میں اللہ تعالیٰ کی کوئی جگہ نہیں اور اس کے سامنے وہ کوئی فائدہ محسوس کرتی ہے اور نہ اس کی ضرورت سمجھتی ہے۔

سیکولرازم اور الحاد نے افکار پر گہرا اثر ڈالا سائنس دانوں کی روش کے قدم بقدم فلاسفر ماہرین مفکرین بھی لادینیت کی راہ پر چل پڑے ہیں۔ چنانچہ نظام فکر و تعلیم سے ہی اصل اساس نظام اقدار حاصل ہوتی ہے۔ یہی اقدار حیات ،اخلاق و کردار پیدا کرتے ہیں مگر مغربی فکر اقدار حیات ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کا صرف مقصد تعلیم مادیت پرستی، مادر پدر آزادی، عیش پسندی، لذت پرستی اور بے مقصدیت کے عناصر عروج پر ہیں۔

مروّجہ اسلامی نصاب تعلیم

مدارس اسلامیہ جہاں اسلامی تعلیم دی جاتی ہے مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم کی اساس مولانا نظام الدین سہالوی کا مرتب کردہ درس نظامی ہے۔

دینی مدارس کے نصاب کی یا درس نظامی کی ایک طویل تاریخ ہے، یہی نصاب انگریزی کی برعظیم پاک وہند میں آمد سے قبل بھی موجود تھا، اس لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر شاہ ولی اللہ تک کچھ نہ کچھ سب نے اسی نصاب سے استفادہ کیا، لیکن یہ نصاب ہر دور میں اسی عہد کی ضرورتوں کے مطابق مختلف صورتیں اختیار کرتا رہا۔ چنانچہ یہی نصاب جب قیام دار العلوم دیوبند کے بعد اس نصاب کی بنیاد بنا تو اس کی صورت مختلف تھی، اور قیام پاکستان کے بعد جب پاکستان

---

[1] محمد قطب، جدید جاہلیت، مترجم، ساجد الرحمان صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1980ء، ص:207

[2] Muhammad Asad,Islam at the cross roads,publishers,7Aibak road new Anarkli ,Lahore ,Ed,5,1991,P:40

میں مختلف مکاتب فکر کے الگ الگ بورڈ قائم ہوئے تو ان کے ہاں مروج نصاب کچھ اور صورت میں تھے ان ترامیم اور تبدیلیوں میں کچھ جوہری تبدیلیاں بھی تھیں۔[1]

اس نصاب تعلیم میں فنون کی بنیادی کتابیں وہی ہیں لیکن جدید عصری تقاضوں کے پیش نظر نصاب میں کچھ ترامیم واضافے کیے گے۔ علمائے نے اس نصاب میں عقائد، ادب، علم عروض، فن مناظرہ، طب تاریخ کا اضافہ کیا۔ ہمارے ملک میں اسلامی مدارس کے تقریباً پانچ وفاق موجود ہیں جو ہر حوالے سے مدارس اسلامیہ کی قیادت کررہے ہیں۔ کئی مدارس نے نصاب سے قدیم فلسفے اور معقولات کی بہت سی کتابیں خارج کردیں اور اس نصاب میں جدید معاشیات، تقابل ادیان، فلکیات کی کتابیں بقدر ضرورت شامل کیں ہیں جن میں جامعۃ الرشید کراچی اور ادارہ علوم اسلامی اسلام آباد شامل ہیں۔ چنانچہ وفاق المدارس کے ارباب اختیار نے مدارس کے نصاب میں میٹرک کا نصاب لازمی قرار دیا جس میں انگریزی، ریاضی، اردو، جغرافیہ، سائنس، اور معاشرتی علوم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ تخصص فی الفقہ الاسلامی یا تخصص فی الدعوۃ والارشاد میں کمپیوٹر کورس، انگلش لینگویج، جدید عربی، تحقیقی مقالہ اور اسلامک بینکنگ کی کتابیں شامل کی ہیں۔ اب مرّوجہ آٹھ سالہ درس نظامی میں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، صرف ونحو، منطق، بلاغت، ادب وانشاء، فلسفہ وہیت، معاشیات، تقابل ادیان، فلکیات اور میراث کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

مرّوجہ اسلامی نصاب تعلیم کی خوبیاں

اسلامی تصور حیات سے آگاہی

اسلامی نصاب تعلیم اپنے اندر بے پناہ خوبیاں رکھتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تصور حیات سے روشناس کراتا ہے۔ کیوں کہ اسلام کے سنہرے اصولوں کی روشنی میں زندگی گزار کر ہی حقیقی کامیابی ممکن ہے۔

> "تعلیم کا رویہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ کے نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد واقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی بجا لانے اور اخلاق کی تربیت دیتا ہے۔"(2)

---

[1] ماہنامہ تعمیر افکار، اشاعت خاص دینی مدارس روایت، ضرورت، امتیاز، ج، 15، شمارہ، 12، دسمبر 2014، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، ناظم آباد کراچی، ص: 379

[2]۔ مسرت شوکت چیمہ، تعلیم کے اسلامی آفاق، اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ، طبع اول، لاہور، 1999، ص: 186

روحانی وجسمانی تربیت

مدارس اسلامیہ کے نصاب میں روحانی اور جسمانی تقاضوں کو مد نظر رکھا گیا ہے جس سے روحانی اور جسمانی تربیت ہے۔

"اسلامی تصور تعلیم جس میں وہ تمام ضروری امور شامل ہیں جن کی ایک فرد کو ضرورت پڑتی ہے۔جسمانی صحت فکری بالیدگی،اخلاقی پاکیزگی،آداب معاشرت،تکمیل ذات اور نیابت الٰہی کی صلاحیت یہ سب پہلو اسلامی تعلیم میں داخل ہیں۔"(1)

اسلامی تہذیب وثقافت کی حفاظت

اسلامی نصاب تعلیم ہماری تہذیب وثقافت کا علمبر دار ہے جو قومیں دینا میں اپنی تہذیب وثقافت کی علمبر دار ہوتی ہیں وہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہیں وگرنہ صفحہ ہستی سے ان کا وجود مٹ جاتا ہے۔

"تعلیم کسی قوم کے سماجی نظریات اور ثقافت سے گہرے طور پر مربوط ہوتی ہے۔اس لیے کسی قوم کا نظام تعلیم اپنے مزاج،مواد اور موضوعات کے اعتبار سے نہ تو نظریاتی رنگ سے خالی ہو سکتا ہے اور نہ اس میں اتنی معروضیت ہی ممکن ہے کہ اسے اقدار کی گرفت سے آزاد کرایا جاسکے۔"(2)

اسلامی نصاب تعلیم میں علم کا جو نظریہ پیش کرتا ہے اس کے مطابق علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا ٱلْعِلْمُ عِندَ ٱللَّهِ وَإِنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾﴾[3]

ترجمہ: آپ کہ دیجیے،اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

رحمت الٰہی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ انسان جہالت کی تاریکیوں اور نفس کی آوارہ گردیوں میں بھٹکتا پھرے اس لیے اس نے انسان کو ضروری علم سے نوازا۔ نسل آدم پر علم کا فیضان، سرچشمہ علم عرفان ذات خداوندی سے ہوا۔

---

[1]۔ تعلیم کے اسلامی آفاق،ص:167

[2]۔ خورشید احمد، نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد،(س۔ن)ص:18

[3] الملک،26/67

کردار سازی

اسلامی نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں تعمیر کردار اور کردار سازی پر بہت توجہ دی جاتی ہے علم کا حقیقی اور حتمی نتیجہ عمل و کردار ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ تعلیم انسانی کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

" تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوانوں کے ذہن میں علم کی پیاس بجھادے، بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہیے۔"(1)

اسلامی نصاب تعلیم تمام مراحل پر طلبہ کو رسول اکرمؐ اور صحابہ کرام کی زندگیوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی نصاب تعلیم میں سیرت رسول اور سیر صحابہ کی روشنی میں طلبہ کی تربیت و کردار سازی کی جاتی ہے جو مقصود و مطلوب علم ہے۔

جدید نصاب تعلیم کی خوبیاں

قدامت پسندی کی نفی

اسلام قرآن اور حدیث کی وساطت سے جو مسلمانوں او بنی نوع انسان کو اصول وضوابط اور افکار و خیالات عطا کرتا ہے ان میں تو کسی تغیر و تبدل یا کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے اور اگر کوئی کسی درجے میں ایسا سوچے گا تو ایمان اور اسلام سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہو گا۔ لیکن اس سے ہٹ کر جو اصول و ضوابط ہمارے بزرگوں نے اپنے اپنے خیالات و ضروریات کے مطابق انسانی سوچ کے تحت وضع کیے ان کو بھی ہم ہاتھ لگانا یا اس کے بارے میں غور و فکر کرنا بھی ہم گنا سمجھتے تھے اور اگر کوئی ایسا سوچنے کا ارادہ بھی کرتا تو تو ہر طرف سے یہ آواز آتی کہ بڑوں کا گستاخ ہے۔ اگر کوئی بڑوں کی بات کی منطق پوچھتا تو جواب ملتا کہ ہمارے بڑے بوڑھے ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔

جدید نصاب تعلیم نے اہل وطن کو دقیانوسی افکار و خیالات کی غلامی سے نجات دلائی۔ یہ بڑی گہری حقیقت ہی کہ جدید نصاب تعلیم کی بدولت برصغیر کے لوگ صدیوں کے خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔ جدید افکار، جدید علوم اور جدید سائنس سے متعارف ہوئے۔ مغربی دنیا سے جڑ گے جلد ہی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہوگے۔

---

[1] ۔ابو حامد، محمد بن محمد غزالی، احیاء العلوم، باب العلم، ج:1، ص:13

معاشی ومعاشرتی ترقی

جدید مغربی فلسفہ پانے والے مسلمانوں کو ذہنی طور پر اور اخلاقی طور پر نقصانات بھی ہوئے اور مسلمانوں کا بلاشبہ دینی تشخص متاثر ہوا ہے دوسری طرف انگریزوں اور مغربی لوگوں سے روابط کی وجہ سے مسلمان علوم جدیدہ، افکار جدیدہ اور جدید ٹیکنالوجی اور سائنس سے متعارف ہوئے۔ اگرچہ یہ مسلمانوں کی یہ گمشدہ میراث تھی اور اس کی وجہ سے آج پاکستان ترقی پذیر ممالک کی صف میں ایک مقام رکھتا ہے۔

> "ہر چند کہ برطانوی حکومت خبیث ترین مفادات کی تابع تھی لیکن اس نے برصغیر کی سماجی اور معاشرتی ترقی میں تاریخ کے ایک لاشعوری وسیلہ کا کردار انجام دیا ہے۔ سامراجی مقاصد کے تحت حکومت ہند نے تعلیم اور مواصلات کی ترقی کے ساتھ قوم پرستی اور حکومت خوداختیاری کو ترقی دی۔ جس کے بعد جمہوریت کے لیے راہ ہموار ہوا ہے۔"[1]

وسعت ظرفی اور فراخدلی

تحریک پاکستان اور بعد کی ملکی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ علماء کرام مخالفین کو اس انداز سے برداشت نہ کرسکے جس طرح جدید علوم پڑھنے والوں نے وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا اور بوقت ضرورت اکٹھے مل بیٹھنے کو بھی تیار ہوئے لیکن علماء کرام کو اکٹھا کرنے میں ہمیشہ مشکلات پیش آئیں۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔

> "سوٹوں میں لاکھوں عیب کے باوجود جتنے بڑے دل چھپے ہوئے ہیں جبوں میں اتنے بڑے دل نہیں ہیں۔"[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید نظام تعلیم میں جہاں منفی پہلو ہیں وہاں مثبت پہلو بھی رکھتا ہے۔

خوداعتمادی

خوداعتمادی جدید نصاب تعلیم میں جہاں بہت سی خرابیاں اور خامیاں ہیں کم از کم دنیاوی معاملات کی حد تک بہت کچھ حاصل بھی ہوتا ہے۔ معلومات کے ساتھ ایک انسان میں خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے اور قسم کے انسانوں سے میل ملاپ کی وجہ سے جہاں تعلقات استوار ہوتے ہیں وہاں معاملات کرنے کے ڈھنگ بھی آتے ہیں اس طرح ایک انسان اس جدید

---

[1]۔ کارل مارکس، داس کیپیٹل، ص: 340

[2]۔ تنقیحات، ص: 18

سوسائٹی میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہیں کرتا۔اس کے برعکس مدارس اسلامیہ میں یہ کمی محسوس ہوتی ہے ادب احترام کے مظاہر صد قابل ستائش لیکن ماحول میں ایک گٹھن محسوس ہوتی ہے تعلیم وتربیت سے فارغ ہوکر بے شمار دینی اور اخلاقی ثمرات سمیٹنے کے باوجود باہر کی سوسائٹی اوجدید نظام تعلیم میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتے ہوئے مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔اس حقیقت کو ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے،اگر میں کالج میں نہ پڑھتا تو کیا ہوتا پھر اس عنوان پر لکھتے ہیں:

"تنگ خیال ،متعصب،اکھل کھرا،اپنے نفس کے احتساب سے فارغ،دوسروں کے عیوب کا متجسس،برخود غلط"

ترک دنیا بمردم آموزند

خویشتن سیم وزر باندوزند

مسلمانوں کا ناداں دوست، تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرہ صم بکم عمی فھم لایرجعون مااصابتنی من حسنۃ فی الدین او فی الدنیا فمن الکالج:۔[1]

جدید نظام تعلیم کی ایک یہ خوبی بھی ہے کہ اس سے طلباء میں اعتماد پیدا ہوتا ہے جس کا ہمارے اسلامی نظام تعلیم میں فقدان ہے۔

ملک وملت کی انتظامی رہنمائی

اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقی علم ،نیکی اور پارسائی ،خداخوفی علمائے دین اور علمائے حق ہی کا طرہ امتیاز ہے قرآن پاک کے ارشادات کے مطابق ،اللہ سے خوف کھانے والے حقیقت میں علماء ہی ہوتے ہیں،عبادات کا صحیح کیف اور معا،لات کا دین کی روشنی میں صحیح ادراک ،بے شک علمائے حق ہی رکھتے ہیں کہ وہ احکامات کے صحیح جاننے والے ہوتے ہیں لیکن جہاں تک امور ملکی انتظام انصرام اور عالمی تناظر میں معاملات کو دیکھنے کا معاملہ ہے وہ چونکہ اس ماحول میں عموماً عملاً نہیں رہتے، مسجدوں اور مدرسوں کے ماحول میں ہی رہتے ہیں۔بیرونی دنیا سے روابط کے کم مواقع ملتے ہیں اس لیے بیرونی معاملات کی اونچ نیچ سے وہ اس طرح واقف نہیں ہوتے جس طرح جدید علوم پڑھنے والے اور اس ماحول میں پلنے والے لوگ واقف ہوتے ہیں۔میری ناقص رائے کے مطابق اسلامی اور جدید علوم پڑھنے والے دونوں کے ذمہ دران کو ایک دوسرے کی معلومات اور تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔اسی کی طرف شیخ الہندؒ نے اشارہ کیا تھا

---

[1]۔ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، دہلی کالج، ص:172

"جب میں نے دیکھا کہ میرے درد کے غم خوار، جس میں میری ہڈیاں گلتی جارہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایااور اس طرح ہندوستان کے دوتاریخی مقامات، دیوبند اور علی گڑھ، کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔"[1]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ اسلامی اور جدید نصاب تعلیم کی خلیج کو ختم کرکے وحدت نصاب تعلیم مرتب کی جائے دونوں نصابات کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے صالح اور غیر صالح اجزاء کو الگ کردیا جائے تاکہ ایک اسلامی ریاست کے لیے بہترین اسلامی وعصری بنیادوں پر نصاب مدون کیا جاسکے۔

مروّجہ اسلامی نصاب تعلیم کی خامیاں

فکری اور اعتقادی تشنگی

فکری اور اعتقادی حوالے سے مدارس اسلامی کے نصاب تعلیم میں تشنگی موجود ہے۔''شرح عقائد''اور عقیدہ الطحاویہ بہت ضروری اور مفید کتابیں ہیں جن کا شامل نصاب رہنا ضروری ہے ان میں اہل سنۃ والجماعت کے عقائد کی ضروری تشریح موجود ہے لیکن جن گمراہ فرقوں کے عقائد کا ان کتابوں میں تذکرہ ہے وہ صدیوں پرانے ہیں جواب موجود نہیں ہیں یا پہلے سے مختلف شکلیں اختیار کرچکے ہیں جبکہ آج کے گمراہ فرقوں اور ان کے عقائد کے حوالے سے ہمارے نصاب میں کوئی مواد موجود نہیں ہے۔اس سلسلہ میں ہمیں پانچ درجوں پر ضروری مواد کو شامل نصاب کرنے کی ضرورت ہے۔

"معاصر ادیان و مذاہب کے بارے میں تعارفی اور تقابلی مواد۔اسلام سے منحرف مذاہب کے بارے میں ضروری معلومات۔اسلام سے منسوب گمراہ گروہوں کا تعارف۔اہل سنت کے داخلی مذاہب کا تعارف اور تقابلی مطالعہ۔ مغربی فکر و فلسفہ اور تہذیب وثقافت کا تاریخی پس منظر اور اسلام کے ساتھ اس کی کشمکش کی موجودہ صورت حال۔"[2]

اسلامی نظام تعلیم میں اس چیز کی شدت سے کمی محسوس کی جارہی ہے کہ عصر حاضر کے فلسفہ کو چھوڑ کر پرانا فلسفہ پڑھایا جارہا ہے جس کا سوائے دماغی ورزش کے کچھ فائدہ نہیں،لہٰذا ارباب حل وعقد کو اس معاملے میں سنجیدہ کوششیں کرنی چاہیے۔

1۔ محمود حسن مدنی، خطبہ تاسیسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ، 1930، ص:29

2 دینی مدارس اور عصر حاضر، ص:60

جدید علوم کا فقدان

بلاشبہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہمارے ملک میں رائج عصری نظام و نصاب افراد و ملت کی تباہی اور ان کی اخلاقی پستی مین اضافہ کے سوا کوئی کردار ادا نہیں کر رہا۔ لیکن مدارس اسلامیہ جس تعلیمی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں اس کے ذریعے سے قرآن وسنت اور ان سے متعلقہ علوم کی تعلیم کا کام اگرچہ ایک حد تک انجام پا رہا ہے۔ لیکن انگریزی زبان اور عصری علوم سے لا تعلقی اور غلط تعلیمی ترجیحات کی بنا پر ان کا دائرہ اثر نہایت محدود ہے اور یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ عصر حاضر کے علمی و عملی تقاضوں سے بالکل بے خبر اپنی ہی دنیا مین مگن ہیں۔

"ہمیں ایسی دینی درس گاہوں کی ضرورت ہے جہاں بیک وقت جدید اور قدیم علوم پڑھائے جائیں۔۔۔ پھر ان مدارس کے نصاب کو اس طور پر از سر نو مرتب کیا جائے کہ دور جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے والے مبلغ پیدا ہو سکیں۔"[1]

مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں دنیاوی علوم کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے طلبہ دنیاوی امور اور معاملات سے نابلد ہونے کے باعث مسائل حل نہیں کر پاتے۔ دین اسلام میں دین و دنیا کی دوئی کا کوئی تصور نہیں کیونکہ دنیا آخرت کا ہی پیش خیمہ ہے۔

مولانا حامد (مہتمم مدرسہ خیر المعاد، ملتان) فرماتے ہیں:

"میری جب میں نظر میں آج بھی اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ جدید دور کے رائج علوم کو بھی ہمارے علماء اسی ذوق و شوق سے سمجھیں جس طرح ہمارے قدیم علماء یونانی فلسفہ کو سمجھا تھا، یہ اس لیے ضروری ہے کہ جب تک ہم جدید علوم سے واقفیت بہم نہ پہچانیں گے اس وقت ان کی روشنی میں قرآن وسنت کی تعلیمات جدید طرز میں دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکیں گئے۔"[2]

دین اسلام دین و دنیا کی فلاح و بہبود کی طرف مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ آپ ﷺ کے مطابق بہترین شخص وہ ہے جو اپنی دنیا کو آخرت کی وجہ سے نہ چھوڑے۔ یعنی دونوں کو ساتھ لے کر چلے اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ دنیا پر سوار ہو کر آخرت تک پہنچو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے دین کے ساتھ دنیاوی فرائض بھی نبھانے چاہیں، دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم و فنون بھی سیکھنا چاہیے۔ چنانچہ جدید عقلی دور میں دین کی تفہیم اور اس کے مطابق ایک نظریاتی اسلامی مملکت کی تشکیل میں یہ مدارس کوئی موثر کردار ادا نہیں کر رہے ہیں۔

---

[1] ممتاز احمد اقبال، دینی مدارس، روایت اور تجدید علماء کی نظر میں، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ، 2012ء ص:37

[2] ایضاً، ص:176

مشکل اصطلاحات اور تعبیرات کا استعمال

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو قیامت تک آنیوالے انسانوں کے لیے سراپا ہدایت ہے۔دین اسلام جو کہ قرآن وسنت کی صورت میں مسلمانون کے پاس موجود ہے ہر دور کے تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرتا ہے لیکن ماحول کلچر اور زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ اس کے بنیادی اصول تو نہیں بدلتے لیکن تعبیرات، تشریحات اور اصطلاحات تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔بد قسمتی سے مدارس اسلامیہ کے قدیم نصاب میں قرآن وسنت کی تشریح کے لیے ابھی تک قدیم زمانے کی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے مدارس کے طلبہ قرآن وسنت کی جدید فلسفیانہ تناظر میں تشریح کرنے سے قاصر ہیں۔قدیم کتب میں مستعمل اصطلاحات پیچیدہ اور مشکل ہیں جو نہ صرف عوام الناس کے لیے مشکل ہیں بلکہ آج کے طلبہ کے لیے پریشانی کا باعث ہیں۔اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان پیچیدہ اصطلاحات اور تعبیرات کو آسان کر کہ جدید زمانے کے مطابق پیش کیا جائے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((وَلٰكِن بَعَثَنِى مُعلِمًا مُيَسرًا))[1]

ترجمہ: میں ہر معاملہ میں آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یعنی آسان اسلوب میں تعلیم دینے والا، سختی کے بجائے نرمی کرنیوالا معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اسلامی تاریخ/سیرت کے مواد کی کمی

مدارس اسلامیہ کے نصاب میں سیرت اور تاریخ اسلام کے بارے میں قابل ذکر مواد کی کمی پائی جاتی ہے۔جس کی وجہ سے ایک عالم دین کو تاریخ کا بہت کم علم ہوتا ہے وہ اہم تاریخی واقعات سے بے خبر ہوتا ہے ہمارے اکابر نے جہاں قرآن وحدیث کی نشر واشاعت میں لوہا منوایا ہے وہاں تاریخ میں لامثال نقوش بھی چھوڑے ہیں۔حافظ ابن کثیر کا تفسیری میدان میں خدمات کا ثمرہ تفسیر ابن کثیر جیسی بے نظیر تفسیر کی شکل مین موجود ہے تو تاریخی میدان میں البدایہ والنہایہ جیسی تحقیقی کتاب بھی ان ہی کا کارنامہ ہے۔امام ابن جریر طبری کی تفسیری خدمات عیاں ہیں لیکن تاریخ طبری کی صورت میں انکی تاریخی خدمات بھی ناقابل انکار حقیقت ہیں۔

قرآن مجید نے تاریخ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسے افراد وملل کے نشیب وفراز اور عروج زوال کی داستان عبرت قرار دیا ہے۔جو قوم تاریخ کو بھول جاتی ہے گویا وہ اپنے حافظہ کو کھو بیٹھتی ہے اور جو حافظہ کو کھو دے ان کا شمار پاگلوں اور مجنوں وں میں ہوتا ہے۔

---

[1]۔ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل لشیبانی، التوافی 241:، مسند الامام احمد بن حنبل، موسستہ الرسالہ، طبع اول، 1421ھ۔-2001م، ص:391،ج:22، حدیث:14515

مولانا مودودیؒ نے اسلامی نظام تعلیم کے نقائص کو بیان کرتے ہوئے اسلامی تاریخ اور اسلامی معاشیات کو داخل نصاب کرنے کی تجویز پیش کی۔

"آپ کو معاشیات کی تعلیم میں اسلامی نظم معیشت کے اصول قانون کے مبادی، فلسفہ کی تعلیم میں حکمت اسلامیہ ک نظریات، تاریخ کی تعلیم میں اسلامی فلسفہ تاریخ کے حقائق اور اسی طرح ہر علم و فن کی تعلیم میں اسلامی عنصر کو ایک غالب اور حکم ران عنصر کی حیثیت سے داخل کرنا ہو گا۔"[1]

اسلامی نصاب تعلیم میں جہاں اور بہت سی تشنگیاں ہیں وہاں اس چیز کا بھی فقدان ہے کہ اسلامی تاریخ اور معاشیات جو دور جدید میں خاص اہمیت اختیار کر گئی ہے اس کو اس تناظر میں نہیں پڑھایا جارہا جس کی زمانے کو ضرورت ہے۔

جدید معاشیات کا فقدان

نصاب تعلیم اب تک جدید معاشیات کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ مدارس میں قدوری سے ہدایہ تک فقہ کی تمام کتابوں میں بیوع کے جو مسائل بیان کیے جاتے ہیں، خرید و فروخت، تجارت اور سرمایہ کاری کی جو مختلف شکلیں پیدا ہو چکی ہیں اس سے کسی قسم کی مطابقت نہیں رکھتے۔ مثلاً بینکاری کا نظام، کرنسی کا نظام، مارکیٹنگ کا نظام اور بین الاقوامی تجارتی نظام۔ موجودہ دور میں وسیع پیمانے کی تجارت و صنعتنے معاملات کی نئی نئی صورتیں اور ان سے متعلق نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔

مولانا چوہدری نذیر احمد (مہتمم جامع العلوم، ملتان) فرماتے ہیں:

"اگر مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ معاشی نظام کو تبدیل کیا جائے تو اس تبدیلی کے لیے وہی لوگ کار آمد ہو سکتے ہیں جو ایک طرف تو اسلام کے معاشی نظام کو بخوبی سمجھتے ہوں اور دوسری طرف ان معاشی نظاموں پر گہری نظر رکھتے ہوں جو اس وقت دنیا میں رائج ہے۔"[2]

ان مسائل سے باخبر رہنا ایک عالم کے فرائض میں داخل ہے، صرف ناجائز اور حرام کہنا درست نہیں بلکہ متبادل حلال طریقہ بھی بتانا ضروری ہے۔

جدید علم کلام کی کمی

مروّجہ نصاب میں جدید علم کلام کی کوئی کتاب نہیں عام طور سے مدارس میں شرح عقائد اور شرح عقائد النسفیہ وغیرہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں لیکن ان کتابوں میں ایک تو فلسفہ کا زور ہے دوسرا یہ کہ ان کتابوں میں قدیم زمانہ کے

---

[1] تعلیمات، ص:14

[2] دینی مدارس، روایت اور تجدید، علماء کی نظر میں، ص:142

معتزلہ اور دیگر گمراہ فرقوں کا تعاقب کیا گیا ہے، حالانکہ آج کے دور میں معتزلہ کا وجود ہے نہ وہ عقائد و نظریات، بلکہ آج کے دور میں لادینی تحریکات کی وجہ سے جو نت نئے فرقے وجود میں آئے ہیں، مثلاً منکرین حدیث، قادیانیت اور استشراق والحاد وغیرہ، ان فرقوں کے عقائد و نظریات کو جاننا مدارس اسلامیہ کا اور علمی لحاظ سے ان کا جواب دینا اس وقت کے علماء کا فرض بنتا ہے۔ جدید علم کلام میں مختلف موضوعات پر علماء ومشائخ نے تصانیف کی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی نصاب میں داخل نہیں ہے۔

چنانچہ ابن الحسن علی عباسی لکھتے ہیں:

"عقائد کی قدیم کتابوں میں متکلمین اسلام نے جن باطل فرقوں کا تعاقب کیا ہے ان میں اکثر کے تب وتاب کا زمانہ بھی اب تاریخ کا ایک دھندلا حصہ بن چکا ہے، آج لادینی تحریکات کے نت نئے فرقے وجود میں آچکے ہیں، زندگی کے جدید فلسفے تخلیق ہو کر ابھرے ہیں اور کارزار حیات میں معرکہ آرائی ہر فلسفہ کشش سے کوشش سے اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے جن میں مغرب کا فلسفہ حیات اس وقت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ عالم اسلام پر حملہ آور ہے، اس وقت وہ رول کون ادا کرے گا جو اسلام پر یونانی فلسفہ کی یلغار کے وقت متکلمین اسلام نے ادا کیا تھا؟ وہ تاریخ کون دہرائے گا؟ یہ فرض وقرض کون چکائے گا؟ مروجہ نصاب میں تو کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس سے اس فرض کی ادائیگی کا سامان ہو سکے۔"[1]

اسی طرح مداس اسلامیہ کا نصاب جدید علم کلام سے بھی خاموش نظر آتا ہے۔ ماضی کا باطل اور فرعون اور تھا اور آج نت نئے لادینی فرقے اسلام کے مد مقابل آچکے ہیں۔ آج مغربی فلسفہ پوری امت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج بن کر آرہا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ نظام تعلیم میں جدید باطل فرقوں کے حوالے مواد داخل نصاب کیا جائے۔

جدید نصاب تعلیم کی خامیاں

دینی مذہبی مواد کی کمی

لارڈ میکالے نے جو نصاب تعلیم وضع کیا تھا وہی نصاب ہمارے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں آج بھی رائج ہے، اب اس کے ساتھ معمولی پیوند کاری اسلامیات اور دینیات کی گئی ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے جس کے نتیجہ میں وہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے اکثر فاضلین مذہب وعقیدے اور اسلامی طرز وفکر زندگی سے بے خبر ہوتے ہیں اور

[1]۔ابن الحسن عباسی، دینی مدارس، مکتبہ عمر فاروق، 2003، کراچی، ص: 95

ایک قابل رشک باعمل مسلمان کہلانے کے قابل نہیں ہوتے۔ایک مقام پر سید مودودیؒ مغربی نصاب تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ تعلیم خداپرستی اور اسلامی اخلاق سے تو خیر خالی ہے ہی مگر غضب یہ ہے کہ وہ ہمارے نوجوانوں میں وہ بنیادی انسانی اخلاق تک نہیں پیدا کرتی جن کے بغیر کسی قوم کا دنیا میں ترقی کرنا تو درکنار زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔"[1]

عصری تعلیمی اداروں کا طرز مغربی ہے اور اس کے ماحول پر مغربی چھاپ ہے،ایسے نازک حالات میں اگر ہم نئی نسل کی صحیح دینی تربیت نہ کریں تو مستقبل میں نہایت خراب نتائج سامنے آئیں گے ،لادینیت کے اس سیلاب پر بندھ باندھنے کیلئے آج وقت کا تقاضا ہے کہ ہم سکولوں اور کالجوں کے نصاب تعلیم میں عصری علوم کے ساتھ دینی اور مذہبی علوم پر بھی خصوصی توجہ دیں۔ ستر سالہ تاریخ پاکستان اس بات کی شاہد ہے کہ ہم نے عصری تعلیمی اداروں میں قرآن مجید اور احادیث کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا جس کے وہ حقدار ہیں۔بحیثیت مسلمان قوم اگر ہم سوچیں تو ہمارے نصاب اور نظام تعلیم میں محور اور مرکز قرآن مجید ہے لیکن ہم اس کو نصاب سے نکال رہے ہیں تبرک کے لیے چند آیات نصاب میں شامل کرنا اس کا حق نہیں ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے ہمارے نصاب میں بہت کم مواد ملتا ہے۔

جدید سائنسی علوم کا فقدان

آج کا دور جدید دور ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ہم ایٹم کا مقابلہ ایٹم ہی سے کر سکتے ہیں۔ایٹم کا مقابلہ تلوار اور بندوق سے نہیں ہو سکتا،اس لیے ان علوم کا سیکھنا بھی انتہائی ضروری ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ سائنس کے میدان میں جو نیا کام ہوا ہے نئے تجربات،ایجادات اور دریافت شدہ اشیاء کے متعلق جو نئے ابواب علم دریافت ہوئے ہمارا نصاب تعلیم اس سے خاموش ہے ہم وہی پرانے سائنسی علوم عصری تعلیمی اداروں میں پڑھاتے ہیں جن سے سائنسی کاروان تقریباً نصف صدی پہلے گزر چکا ہے۔سائنسی علوم، نئی ایجادات اور جدید علوم کو منتقل کرنے میں ہمیں یہ رکاوٹ ہے کہ ہم صرف امریکہ اور برطانیہ کے سائنسی علوم پر اعتماد کر بیٹھے ہیں اور ہمارے ہاں سائنسی تحقیق یا سائنسی تعلیم سے مراد وہ تحقیق اور تعلیم ہے جو امریکہ ، برطانیہ یا کنیڈا وغیرہ کے جامعات میں ہو رہی ہے۔ ہمارے بیشتر سائنسدانوں کو شاذ و نادر ہی چین،روس۔ جاپان، جرمنیا ور فرانس میں ہونے والی تازہ ترین تحقیقات سے واقفیت کا موقع ملتا ہے،اس صورت حال میں اس بات کا شدید خدشہ موجود ہے کہ ہم سائنسی علوم اور تحقیقات کے بڑے اہم سرچشموں سے محروم نہ ہو جائیں۔

---

[1] تعلیمات،ص:11

"آج کی تعلیم سائنسی ایجاد اور فنی مہارت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی اسلامی نظریہ حیات جدید دور کے
اس تقاضے کو تسلیم کرتا ہے اور تعلیم میں ان معاملات کو اہمیت دیتا ہے۔"[1]

لہٰذا ان ممالک میں جو نئی ایجادات اور تحقیقات ہوتی ہیں ان کو نصاب کا حصہ بنانا چاہیے، اعلیٰ تعلیمی اداروں میں جو جدید سائنسی ریسرچ ہوتی ہے اس کو منتقل کر کہ نصاب میں شامل کرنا چاہیے۔

مخلوط تعلیمی نصاب

ہمارے نظام تعلیم کی ایک بڑی خرابی مخلوط تعلیم ہے، مرد اور عورت کا اختلاط اسلامی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے، اسلامی نقطہ نظر اس سلسلہ میں بالکل واضح اور بے غبار ہے ایک مرد کا غیر محرم عورت پر نظر ڈالنا کسی طرح روا نہیں۔

"تاریخی طور پر اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں جو مضامین پڑھائے جاتے تھے
ان میں مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ مضامین تعلیمی نظام میں مخصوص تھے۔ مثلاً مرد عموماً
عسکری شعبہ، طب، ہیت کا شعبہ اختیار کرتے تھے اور خواتین زیادہ تر دینی علوم کے شعبے میں دسترس
حاصل کرنا پسند کرتی تھیں۔"[2]

مخلوط تعلیم کی وجہ سے طلباء و طالبات میں جو اخلاقی گراوٹ مسلسل پیدا ہو رہی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی نہیں، مذہبی و اخلاقی نقطہ نظر سے شاید ہی کوئی سلیم الفطرت انسان اس بات سے انکار کر سکے کہ یہ اختلاط اخلاق کے لیے تباہ کن ہے۔ مخلوط تعلیم کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں اس کے عیوب کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ علامہ اقبال بھی عورتوں کی تعلیم کے زبردست حامی تھے لیکن وہ بھی مخلوط تعلیم کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

"جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو ارباب نظر موت"(3)

روس اور امریکہ کے ماہرین یہ امر قبول کر چکے ہیں کہ مخلوط تعلیم نقصان دہ اور خطرناک ہے اس لیے اب یورپ اور روس میں لڑکے اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ اسکول شروع ہو گئے ہیں۔ لہٰذا تعلیمی اداروں کا سروے کر کہ نصاب تعلیم اور نظام کو کامیاب اور ثمر آور بنانے کے لیے مخلوط تعلیم ختم کرنی چاہیے۔

---

[1] تعلیمی بنیادیں، ص:97

[2] احمد شلبی، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ص:156-161

[3]۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، (ضرب کلیم)، ص:967

"ہمارا نصاب Male.Oriented ہے۔جو عورتوں کی تعلیم کے تقاضے پورے نہیں کرتا ہے۔اس سلسلے میں ضرورت اس امر کی ہے ہ دو صنف کے لیے علیحدہ نصاب وضع کیا جائے اور خصوصی طور پر ایسا نصاب تیار کرنا ضروری ہے جو عورتوں کی افتاد طبع، نفسیات اور ذہنی استعداد کے مطابق ہو۔"[1]

قدرت نے مرد اور عورت کو الگ الگ مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے لہٰذا دونوں کی تعلیم بھی ان کے مقاصد حیات کے لحاظ سے مختلف ہونی چاہیے، جو نصاب تعلیم مردوں کے لیے مفید ہے ضروری نہیں کہ وہ عورتوں کے لیے مفید ہو، اس لیے عورتوں کے لیے علیحدہ نصاب ہونا چاہیے، میڈیکل کا اچھا خاصا حصہ خواتین سے متعلق ہے اس لیے زمانہ قدیم ہی سے امراض نسواں طب کا مستقل موضوع رہا ہے یہ لڑکیوں کے لیے نہایت اہم ہے، لڑکیوں کی تعلیم میں امور خانہ داری کی تربیت ضرور شامل ہونی چاہیے، سلائی کڑہائی، بچوں کی پرورش کے اصول اور دیگر اس طرح کے مضامین شامل کرنے چاہیں۔اس سے نہ صرف لڑکیاں گھریلو زندگی میں اہم رول ادا کرسکتی ہیں بلکہ ازدواجی زندگی بھی خوشگواری سے گزار سکتی ہیں، اس کے ساتھ لڑکیوں کے لیے آداب معاشرت کی ضرورت ہے کیونکہ ایک عورت اگر بہتر بیوی یا ماں نہ بن سکے تو سماج کو ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ابن خلدون کے نزدیک انہیں وہ تمام ضروری معلومات فراہم کی جائیں جو ایک مسلمان ذمہ دار خاتون کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔

نصاب کی تبدیلی

جدید تعلیمی اداروں کے نصاب میں ایک یہ خامی ہے کہ اس کو بار بار تبدیل کر دیا جاتا ہے جہاں اسلامی نصاب تعلیم پر یہ اعتراض ہے کہ ایک ہزار سال قبل لکھی گی کتابوں کو آج تک ان مدارس میں جوں کا توں پڑھایا جارہا ہے اور ہر نئی چیز سے صرف نظر کر کہ پرانی کتب پڑھائی جاتی ہیں تو وہاں عصری تعلیمی اداروں پر بھی یہ تنقید ہے کہ وہاں ہر سال نصاب تبدیل کر دیا جاتا ہے، نصاب سازی ایک پیشہ بن گیا ہے بااثر لوگوں نے اس کو آمدنی کا ایک ذریعہ بنایا ہے، ماہرین اور ہمدرد لوگوں نے اس کا ادراک کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ یہ طریقہ نظام تعلیم کے لیے زہر قاتل ہے۔

چنانچہ علامہ محمود احمد غازیؒ فرماتے ہیں:

"کہ ایک انتہا پسندانہ رویہ یہ ہے کہ بغیر کسی جواز کے ہر سال یا دوسرے سال یا تیسرے سال نصابی کتابیں تبدیل کر دی جائیں، حتی کہ اردو، دینیات اور تاریخ پاکستان جیسے موضوعات پر بھی جن میں کسی

---

[1] Srfraz Khwaja,Basic Education For Females,1989,P:8

نئی دریافت کے امکانات ناپید ہیں ہر سال نیا نصاب متعارف کرایا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ طلبہ کی فکر میں کوئی تسلسل پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی کم از کم معیار کے تحفظ کی ضمانت باقی رہتی ہے۔"(1)

نصاب میں جہاں تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت اہل علم محسوس کرتے ہیں وہاں تبدیلی کرنی چاہیے لیکن جہاں تبدیلی کی ضرورت نہ ہو وہاں کسی وقتی، سیاسی مصلحت یا انفرادی مفاد کی خاطر نصاب میں تبدیلی کا عمل تعلیمی نظام کا بیڑا غرق کرنے کا سبب ہو سکتا ہے۔

کمپیوٹر کی تعلیم کا فقدان

عصری تعلیمی اداروں میں نصاب تعلیم کی ایک خامی کمپیوٹر تعلیم کی عدم دستیابی ہے۔ پرائمری سے لیکر سیکنڈری تک کمپیوٹر کی تعلیم کا فقدان ہے۔ حالانکہ کمپیوٹر عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ کمپیوٹر زندگی کے ہر ہر مرحلے پر زیر استعمال ہے، دفاتر، تعلیمی اداروں۔ بینک، صنعت و تجارت، کھیل اور ٹیکنالوجی غرض ہر ادارے میں اس کی ضرورت ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم بھی کیا جا چکا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے کمپیوٹر کے ذریعے تعلیم تدریس کے میدان میں زبردست ترقی کی ہے انسانی زندگی میں اس مشین کی بدولت انقلاب آگیا ہے۔

"سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کاغذ قلم کے ذریعے اور جمع، ضرب تقسیم کے روایتی طریقوں سے یہ مسئلہ حل کرنے میں پندرہ ارب سال لگتے جو غالباً کائنات کے آغاز سے اب تک کی مدت ہے۔۔۔۔ کمپیوٹر تعلیم کے فروغ کا ایک ذریعہ بھی ہے اور بذات خود تعلیم کا موضوع بھی ہے۔ طلبہ انفرادی سطح پر بھی کمپیوٹر سے استفادہ کر سکتے ہیں اور کلاس روم اور لیبارٹری میں بھی اس سے مدد لے سکتے ہیں۔"2

کمپیوٹر آج کی ایک ہنگامہ خیز ایجاد ہے جس سے تعلیمی میدان میں موزوں اور موثر استفادہ کیا رہا ہے۔ تعلیمی میدان میں کمپیوٹر کا استعمال ایک ناگزیر ضرورت ہے، کلاس روم میں تمام مضامین کی تدریس میں کمپیوٹر معاون ثابت ہوا ہے۔ مائیکرو کمپیوٹر کو اگر کلاس روم میں پروجیکٹر سے منسلک کیا جائے تو قدیم تختہ سیاہ کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ ہی استاد کو لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان میں اکثر میڈیکل کالج میں اسی طریقہ سے تعلیم دی جاتی ہے، یہ طریقہ عام کالجوں میں بھی رائج کرنا چاہیے۔

1۔ محاضراتِ تعلیم، ص:218

2 شبیر احمد خان میواتی، دینی مدارس اور عصر حاضر، الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ، اگست 2007ء ص:38

ضرورت اس امر کی ہے بامقصد شخصیت بنانے اور صحیح فکری تربیت کرنے کا بندوبست کرنے کے بعد تعلیمی اداروں کے نصاب میں کمپیوٹر کو بطور مضمون جگہ دے کر اس کی تعلیم کو عام کیا جائے تاکہ ہر کوئی آسانی سے کمپیوٹر پر عبور حاصل کر کہ کسی بھی ادارے میں زیادہ سے زیادہ خدمات سرانجام دے اس سلسے میں کمپیوٹر کو نصاب میں شامل کرنا چاہیے اور اس کے لیے آئی ٹی ٹیچر کا تقرر کرنا چاہیے۔

خلاصہ باب

باب اول پاکستان کے مروّجہ نظامہائے تعلیم (اسلامی اور جدید) پر مشتمل ہے جس کو ذیلی چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول میں اسلامی نظام تعلیم کا تعارف، مقاصد، اوصاف اور اسلامی نظریہ نصاب کو قرآن وسنت کے پیرائے میں بیان کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔اسلامی نظام تعلیم کا سرسری تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے درس نظامی کے آغاز وکردار اور نصاب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

فصل دوم میں جدید نظام تعلیم کا تعارف وآغاز، جدید مغربی نظریہ تعلیم اور اس کے محرکات ومقولات کو مفکرین کی آراء کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ مغربی مقاصد تعلیم کو بیان کرتے ہوئے ان کے نصاب تعلیم کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

فصل سوم پاکستان کے نظام تعلیم (اسلامی وجدید) کے مختصر تعارف پیش پر مشتمل ہے۔اس میں پاکستان کے تعلیمی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے یکساں نظام تعلیم کے فقدان کی بابت پاکستانی معاشرے میں مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

فصل چہارم میں اسلامی اور جدید نظامہائے تعلیم کا موازنہ کیا گیا ہے۔اسلامی اور جدید فلسفہ تعلیم کو بیان کرتے ہوئے اسلامی ومغربی تصور تعلیم،ماخذ تعلیم اور مقاصد تعلیم کو گہرائی سے واضح کیا گیا ہے۔اسلامی اور جدید نصاب تعلیم کی خوبیاں وخامیاں،اچھائیاں، برائیاں اور معاشرے پر ان کے مفید اور مضر اثرات کے رطب ویابس کو بیان کیا گیا ہے۔

باب دوم

مولانا مودودیؒ کے تعلیمی افکار و نظریات

فصل اول: مولانا مودودیؒ کا تعارف و تعلیمی نظریات

فصل دوم: مولانا مودودیؒ اور مروّجہ نظام تعلیم کے بنیادی نقائص

فصل سوم: مروجہ نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کا معاشرتی کردار

فصل چہارم: نصاب تعلیم میں اسلامی و عصری ضروریات کا فقدان

فصل اول

مولانا مودودیؒ کا تعارف اور تعلیمی نظریات

تعارف

سید ابو الاعلیٰ مودودی(1903۔1973)مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ بیسویں صدی کے موثر ترین اسلامی مفکرین میں سے ایک تھے۔ان کی سوچ و فکر اور ان کی ادبی خدمات نے پوری دنیا کی اسلامی تحاریک کے ارتقاء میں گہرا اثر ڈالا اور اس صدی کے مجدد ثابت ہوئے۔

اسلام کی دنیا بھر میں موجودہ پزیرائی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور شیخ حسن البناء(اخوان المسلمون کے بانی) کی فکر کا ہی نتیجہ ہے جنہوں نے عثمانی خلافت کے بعد نہ صرف اسے زندہ رکھا بلکہ اسے خانقاہوں سے نکال کر عوامی پزیرائی بخشی۔ سید مودودیؒ کا پاکستانی سیاست میں بھی بڑا کردار تھا۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو ان کی دینی خدمات کے پیش نظر شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا،آپ کی لکھی ہوئی قرآن مجید کی تفسیر تفہیم القرآن کے نام سے مشہور ہے جو دور جدید کی نمائندگی کرنے والی اس دور کی بہترین تفسیروں میں شمار ہوتی ہے۔

ابتدائی زندگی

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 1903ء بمطابق 1321ھ میں اورنگ آباد[1] دکن میں پیدا ہوئے۔[(2)(3)]
آپ کے آباؤاجداد میں ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی گزرے تھے جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے۔

سید مدودودیؒ کا خاندان انہی خواجہ مودود چشتی کے نام سے منسوب ہو کر ہی مودودیؒ کہلاتا ہے۔[(4)]

آپ کا گھرانہ مکمل مذہبی تھا مولانا مودودیؒ نے ابتدائی دودر کے پورے گیارہ برس اپنے والد کی نگرانی میں رہے اور گھر پر تعلیم حاصل کی بعدازاں انہیں مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد کی آٹھویں جماعت میں باقاعدہ داخل کیا گیا۔

---

[1] مغلیہ سلطنت محی الدین اورنگزیب عالم گیر کے نام سے موسوم ہے۔

[2]۔عبدالوحید،عالمی شخصیات(انسائیکلوپیڈیا)،مشتاق بک کارنر،الکریم مارکیٹ،اردو بازار لاہور،2014ء،ص:65

[3]۔یاسر جواد،عالمی انسائیکلوپیڈیا،الفیصل کتب،غزنی سٹریٹ،اردو بازار لاہور،2009،ج،دوم،ص:1987

[4]www.jamaat.org, accessed: 20/1/2020

1914ء میں انہوں نے مولوی کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے اس وقت ان کے والدین اورنگ آباد سے حیدر آباد منتقل ہو چکے تھے جہاں سید مودودیؒ کو مولوی عالم کی جماعت میں داخل کروایا گیا۔اس زمانے میں دار العلوم کے صدر مولانا حمید الدین فراہیؒ تھے جو مولانا امین اصلاحیؒ کے بھی استاد تھے، تاہم والد کے انتقال کے باعث وہ دار العلوم میں صرف چھ ماہ ہی ے علم حاصل کر سکے۔

صحافت

اللہ تعالی نے مولانا مودودیؒ کو لکھنے کی خداداد صلاحیت سے نوازا تھا اس لیے انہوں نے قلم کے ذریعے اپنے خیالات کو لوگوں تک پہنچانے اور اسی کو ذریعہ معاش بنایا۔

"چنانچہ ایک صحافی کی حیثیت سے انہوں نے اپنی علمی زندگی کا آغاز کیا اور متعدد اخبارات میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا جن میں اخبار "مدینہ "بجنور (اتر پردیش)"تاج" جبل پور اور جمعیت علمائے ہند کا روزنامہ "الجمعیت "دہلی خصوصی طور پر شامل ہیں۔"[1]

1925ء میں جب جمعیت علمائے ہند نے کانگریس کے ساتھ اشتراک کا فیصلہ کیا تو سید مودودیؒ نے بطور احتجاج اخبار "الجمعیہ "کی ادارت چھوڑ دی۔[2][3]

پہلی تصنیف

جس زمانے میں سید مودودیؒ "الجمعیہ " کے مدیر تھے ایک شخص نے سوامی شر دھانند نے شدھی کی تحریک شروع کی جس کا مقصد تھا کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے چونکہ اس تحریک کی بنیاد نفرت، دشمنی اور تعصب پر تھی اور اس نے اپنی کتاب میں حضرت محمد ﷺ کی توہین کی جس پر کسی مسلمان نے غیرت ایمانی میں آکر سوامی شر دھانند کو قتل کر دیا تھا اس پر اس پر پورے ہندوستان میں ایک شور برپا ہو گیا ہندو دین اسلام پر حملے کرنے لگے اور یہ کہا جانے لگا کہ اسلام تلوار اور تشدد کا مذہب ہے۔

انہی دنوں مولانا محمد علی جوہر نے جامع مسجد دہلی میں تقریر کی جس میں انہوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ اس ضرورت کا اظہار کیا کہ کاش کوئی شخص اسلام کے مسئلہ جہاد کی پوری وضاحت کرے تاکہ

---

[1]۔ عالمی انسائیکلوپیڈیا، ج، دوم، ص:1987

[2]۔عالمی شخصیات(انسائیکلوپیڈیا)، ص:65

[3]. http://jamaat.org/ur/bani_intro.php, Accessed: 21/1/2020

اسلام کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا تدارک ہو سکے،اس پر سید مودودیؒ نے "الجہاد فی الاسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی اس وقت ان کی عمر سرف 24 برس تھی۔(1)

اس کتاب کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

اسلام کے نظریہ جہاد اور اس کے قانون صلح و جنگ پر ایک بہترین تصنیف ہے اور میں ہر ذی علم آدمی کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس کا مطالعہ کرے۔

ترجمان القرآن

الجمعیہ کی ادارت اور اخبار نویسی چھوڑ کر سید مودودیؒ حیدر آباد دکن چلے گے جہاں اپنے قیام کے زمانے میں انہوں نے مختلف کتابیں لکھیں اور 1932 میں حیدر آباد سے "ترجمان القرآن" جاری کیا۔

1935ء میں آپ نے "پردہ" کے نام سے اسلامی پردے کی حمایت میں ایک کتاب تحریر کی جس کا مقصد یورپ سے مرعوب ہو کر اسلامی پردے پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینا تھا اس کے علاوہ "تنقیحات" اور "تفہیمات" کے مضامین لکھے جن کے ذریعے انہوں نے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں فرنگی تہذیب کی مرعوبیت ختم کی۔

علامہ اقبال اور سید مودودی

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال سید مودودیؒ کی تحریرات سے بے حد متاثر تھے بقول میاں محمد شفیع (ہفت روزہ اقدام)

"علامہ موصوف "ترجمان القرآن" کے ان مضامین کو پڑھوا کر سنتے تھے۔ان (مضامین) سے متاثر ہو کر ہی علامہ اقبال نے مولانا مودودیؒ کو حیدر آباد دکن چھوڑ کر پنجاب آنے کی دعوت دی اور اسی دعوت پر مولانا 1938ء میں پنجاب آئے۔"(2)

میاں محمد شفیع صاحب اپنے ہفت روزہ اقدام میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ تو در حقیقت نیشنلسٹ مسلمانوں کی ضد تھے اور میں پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں نے حضرت علامہ اقبال کی زبان سے کم وبیش اس قسم کے الفاظ سنے تھے کہ مودودیؒ ان کانگریسی مسلمانوں کی خبر لیں گے۔جہاں علامہ اقبال بالکل واضح طور پر مولانا آزاد

---

[1]. http://jamaat.org/ur/bani_intro.php, Accessed: 1/1/2020

[2] ۔عالمی شخصیات (انسائیکلوپیڈیا)، ص:65

اور مولانا حسین احمد مدنی[1] کے نقاد تھے وہاں وہ مولانا مودودیؒ کا ترجمان القرآن جستہ جستہ مقامات سے پڑھوا کر سننے کے عادی تھے اور اس امر کے متعلق تو میں سو فیصد ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ علامہ نے مولانا کو ایک خط کے ذریعے حیدر آباد کن کے بجائے پنجاب کو اپنی سر گرمیوں کا مرکز بنانے کا ہی دعوت دی تھی بلکہ وہ خط انہوں نے مجھ سے ہی لکھوایا تھا۔"(2)

ریفرنڈم میں پاکستان کی حمایت صوبہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کے موقع پر مولانا مودودیؒ نے پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کا مشورہ دیا تھا اور لوگوں کو اس موقع پر آمادہ کرنے کے لیے کہا:

"اگر میں صوبہ سرحد کا رہنے والا ہوتا تو استصواب رائے میں میرا ووٹ پاکستان کے حق میں پڑتا اس لیے کہ جب ہندوستان کی تقسیم ہندو مسلم قومیت کی بنیاد پر ہو رہی ہے تو لامحالہ ہر اس علاقے کو جہاں مسلمان قوم کی اکثریت ہو اس تقسیم میں مسلمان قومیت کے ہی علاقے کے ساتھ شامل ہونا چاہیے،"(3)

اس تاریخی موقع پر آئندہ کے نظام کے بارے میں مولانا نے لکھا:

"وہ نظام اگر فی الواقع اسلامی ہوا جیسا کہ وعدہ کیا جا رہا ہے تو ہم دل و جان سے اس کے حامی ہوں گے، اور اگر وہ غیر اسلامی نظام ہوا تو ہم اسے تبدیل کر کے اسلامی اصولوں پر ڈھالنے کی جدوجہد اسی طرح کرتے رہیں گے جس طرح موجودہ نظام میں کر رہے ہیں۔"(4)

مولانا مودودیؒ کی تصانیف

مولانا مودودیؒ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں:

تفہیم القرآن (6 جلدیں) تفہیمات (5 جلدیں) رسائل و مسائل (5 جلدیں) سیرت سرور عالم ﷺ (2 جلدیں) پردہ، الجہاد فی الاسلام، تنقیحات، مسئلہ قومیت، خطبات، دینیات، شہادت حق، سلامتی کا راستہ، بناؤ اور بگاڑ، اسلام اور جاہلیت، اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر، تحریک اسلامی: کامیابی کی شرائط، اسلام کا نظام حیات، اسلام کا سرچشمہ قوت، سنت کی

---

[1] مولانا حسین احمد مدنی مولانا محمود الحسن کے جانشین تھے۔ آپ اتر پردیش ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ (عالمی شخصیات (انسائیکلوپیڈیا)، ص 104:)

[2] ۔ لاہور کی ڈائری۔ ہفت روزہ اقدام۔ لاہور۔ 9 جون 1963

[3] ۔ سہ روزہ کوثر، مورخہ 5 جولائی 1947ء، رسائل و مسائل ج: اول، ص: 363

[4] ۔ ایضاً

آئینی حیثیت، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، خلافت و ملوکیت، حقوق الزوجین، سود، معاشیات اسلام، اسلام اور ضبط ولادت، شرکت و مضاربت کے چند شرعی اصول، مسئلہ ملکیت زمین، ہندوستان کا صنعتی زوال اور اس کے اسباب، اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، تجدید و احیائے دین، تعلیمات، سانحہ مسجد اقصیٰ، اسلام کا نظریہ سیاسی، اسلامی سیاست، خطبات یورپ، خطبات حرم شامل ہیں۔ (1)

مولانا مودودیؒ کا انتقال

1979ء میں سید مودودیؒ کے گردے اور قلب میں تکلیف ہوئی جس کے علاج کے لیے آپ ریاستہائے متحدہ امریکا گئے جہاں ان کے صاحبزادے بطور معالج بر سر روزگار تھے آپ کے چند آپریشن بھی ہوئے مگر 25 ستمبر 1979ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔[2] آپ کا پہلا جنازہ بفیلو ریاست نیو یارک میں پڑھا گیا اور پھر آپ کا جسد خاکی پاکستان لایا گیا لاہور کے قذافی اسٹیڈیم میں آپ کا جنازہ قطر یونیورسٹی کے وائس چانسلر، سابق صدر اخوان المسلمون شام علامہ یوسف القرضاویؒ نے پڑھایا۔

تعلیمی نظریات

مولانا مودودی نے اسلام کو جہاں زندگی کا جامع اور کامل نظام ثابت کیا وہاں تعلیم اور نظریہ تعلیم کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا وہ اپنے نظریات میں ایک نئے نظام تعلیم کے داعی تھے۔

سید مودودیؒ نے اسلام کا ایک جامع اور ہمہ گیر تصور پیش کیا، جس کے تحت نظام تعلیم بھی آجاتا ہے۔ انہوں نے جدید اور قدیم (مدارس) دونوں طرح کے تعلیمی اداروں میں جا کر ان کے ذمہ دران کے سامنے اپنا تصور تعلیم پیش کیا۔ 1936ء میں مولانا مودودیؒ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک مقالہ پیش کیا جس میں جدید نظام تعلیم کے نقصانات بیان کیے:

> "جہاں تک جدید علوم و فنون کا تعلق ہے، حکومت کی قائم کی ہوئی یونیورسٹیوں میں بہتر سے بہتر انتظام موجود ہے، کم از کم اتنا ہی جتنا خود علی گڑھ میں ہے۔ محض اس غرض کے لیے مسلمانوں کو اپنی الگ یونیورسٹی قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ایک مستقل قومی یونیورسٹی قائم کرنے کا تخیل جس بنا پر مسلمانوں میں پیدا ہوا اور جس بنا پر اس تخیل کو مقبولیت حاصل ہوئی وہ صرف یہ ہے کہ مسلمان

---

[1]۔ عالمی انسائیکلوپیڈیا، ج، دوم، ص: 1987

[2]۔ عالمی شخصیات (انسائیکلوپیڈیا)، ص: 65

جدید علوم سے استفادہ کرنے کے ساتھ مسلمان بھی رہنا چاہتے ہیں۔یہ غرض سرکاری کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پوری نہیں ہوتی۔اس کے لیے مسلمانوں کو اپنی ایک اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت ہے۔"[1]

مولانا مودودیؒ نے یونیورسٹی کے ماحول اور جس مقصد کے لیے اسے بنایا گیا تھا نہ حاصل ہونے پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر ان (مسلمانوں) کی اپنی یونیورسٹی بھی یہ غرض پوری نہ کرے اگر وہاں بھی ویسے ہی گریجویٹ نکلیں جیسے سرکاری یونیورسٹی سے نکلتے ہیں،اگر وہاں بھی دیسی صاحب لوگ یا ہندی پرست لوگ یا اشتراکی ملاحدہ ہی پیدا ہوں تو لاکھوں روپے کے صرف سے ایک یونیورسٹی قائم کرنے اور چلانے کی کون سی خاص ضرورت ہے؟"[2]

مولانا نے جدید نظام تعلیم پر بھی تنقید کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی کو اس سے الگ ہونے کی تجویز دی جہاں مسلمانوں کی اپنی تہذیب زندہ اور باقی رہے۔ان کی نظر میں علی گڑھ اپنے مقاصد جن کے حصول کے لیے بنائی گی تھی ناکام ہو گی ہے ان کو پنی منزل بھول گی ہے ایک سرکاری اور اسلامی یونیورسٹی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا،طلباء میں اسلامی طرز فکر،اسلامک کریکٹر اور اسلامی ذہنیت مفقود ہے،ایک اسلامی یونیورسٹی سے جس طرح کی توقعات وابستہ تھیں وہ نتائج نہین دے رہی جو دراصل مطلوب و مقصود تھے۔

اسی طرح 1941ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی انجمن اتحاد الطلبہ میں ایک مقالہ پڑھا جس میں قدیم (اسلامی نظام) کے نقائص اور اصلاح نصاب کی کوششوں پر ان الفاظ میں تنقید کی:

"لوگ اس گماں میں ہیں کہ پرانی تعلیم میں خرابی صرف اتنی ہے کہ نصاب بہت پرانا ہو گیا ہے اور اس مین بعض علوم کا عنصر بعض علوم سے کم یا زیادہ ہے اور جدید زمانے علوم اس میں شامل نہیں ہیں اس لیے اصلاح کی ساری بحث اس حد تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے کہ کچھ کتابوں کو نصاب سے نکال کر کچھ دوسری کتابوں کو شامل کر دیا جائے۔۔۔۔۔۔اور بہت زیادہ روشن خیالی پر جو لوگ اتر آتے ہیں وہ کہتے

---

[1] ۔سید ابوالاعلیٰ مودودی،تعلیمات،اسلامک پبلیکیشنز(پرائیویٹ)لمٹیڈ منصورہ ملتان روڈ،لاہور،پاکستان،2016ء،ص:4

[2] ۔ایضاً،ص:5

ہیں کہ صاحب ہر مولوی کو میٹرک تک انگریزی پڑھالو،تاکہ کم از کم پڑھنے اور لکھنے کے قابل تو ہو جائے۔"[1]

مولانامودودیؒ نے قدیم نظام تعلیم (اسلامی نظام) میں موجود نقائص کی نشاندہی کرتے ہوئے ان لوگوں کو تنقید کا نشانہ بنایاجن کی سوچ میں نصاب کی اصلاح صرف کچھ علوم کے دخول یا خروج سے وابستہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر ہم واقعی اصلاح کے طالب ہیں تو ہمیں از سر نو اپنے نصاب کو تشکیل دیناہوگا۔

مولانامودودیؒ اگرچہ تعلیمی اداروں سے وابستہ نہیں رہے، لیکن مروّجہ تعلیمی نصاب میں اصلاح اور اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل کے سلسلے میں واضح تصورات رکھتے تھے۔ تقسیم ملک سے قبل جماعت اسلامی کی تشکیل کے بعد انہوں نے اس کی تعلیمی کمیٹی کی تشکیل کی تھی تاکہ وہ ان کے پیش کردہ نظریہ تعلیم کے مطابق تعلیمی اداروں کے قیام کی منصوبہ بندی کرسکے لیکن افسوس جماعت اسلامی تاحال یہ کام نہ کرسکی۔

تعلیم کے موضوع پر مولانا کی بھی مستقل کتاب نہیں، انہوں نے مختلف تعلیمی اداروں جو مقالات پیش کیے ان کا مجموعہ "تعلیمات" کے نام سے شائع کردیا گیا۔ یہ کتاب مولانا کے چار مقالات کا مجموعہ ہے دو مقالات (ہمارے نظام تعلیم کا بنیادی نقص اور مسلمانوں کے لیے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل) انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں پیش کیے تھے ۔مقالہ "نیا نظام تعلیم" دار العلوم ندوۃ العلوم میں پڑھا تھااور خطبہ تقسیم اسناد کے عنوان سے مقالہ اسلامیہ کالج کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر پڑھا۔ تعلیم کے موضوع پر مولانا کی ایک اہم تحریر "اسلامی نظام تعلیم" کے عنوان سے الگ شائع ہوئی اسے مولانا نے پاکستان کے قومی تعلیمی کمیشن کی خدمت میں پیش کیا تھا۔اس کے علاوہ مولانا کی تحریروں، تقریروں، انٹرویوز، عصری مجالس کی رودادوں استفسارات کے جوابات وغیرہ شائع ہوئے ہیں ان میں مولانامودودیؒ کے تعلیمی افکار و تصورات اور نظریات کا عکس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

مقاصد تعلیم

تعلیم کا مقصد صرف انسان کی معاشی اور اقتصادی ضروریات پورا کرنا ہی نہیں بلکہ مقصد اولین تہذیب و تمدن کی ترقی اور انسانوں کو مفید کارآمد شہری بنانا ہے۔ بحثیت مسلمان اسکی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جو تعلیم انسان کو اس کے مذہب سے بے گانہ کردے اور نسل نو خیز کے اخلاق کو پراگندہ کردے وہ تعلیم نہیں تباہی ہے۔ چنانچہ مولانامودودیؒ نے مقاصد تعلیم کے تعین پر بہت زور دیا کہ تعلیم دیتے وقت پر اس کا مقصد مذہبی وابستگی اور اخلاقی تربیت کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مولانامودودیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:46:47

"لازماً ہمارے پیش نظر تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قومی تہذیب کو اچھی طرح سمجھتے ہوں، اس پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوں، اس کے اصولوں کو خوب جانتے ہوں اور ان کے بر حق ہونے کا یقین رکھتے ہوں اور اس کے مطابق مضبوط سیرت اور قابل اعتماد ہوں اور ہماری اجتماعی زندگی کے پورے کارخانے کو ہماری اس تہذیب کے اصولوں پر چلا سکیں اور مزید ترقی دے سکیں۔"[1]

یہی وجہ تھی کہ وہ مروّجہ تعلیمی نظاموں سے نالاں نظر آتے تھے اور ان پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی اس مقصد کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ مزید فرماتے ہیں:

"اس وقت ہمارے ملک میں جتنے نظامہائے تعلیم رائج ہیں ان میں سے کوئی بھی اس مقصد کے لیے آدمی تیار نہیں کرتا جو ہمارے پیش نظر ہے۔ ہمیں صرف یہی نہیں کرنا ہے کہ نوخیز نسلوں کے علمی اور ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کریں، بلکہ اس کے ساتھ ان کی اخلاقی اور علمی تربیت کا بندوبست بھی کرنا ہے۔"[2]

مولانا اس متوازی نظامہائے تعلیم جو ہمارے ملک میں رئج ہے نالاں تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بارہا اس نظام تعلیم کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا کہ ہماری ضرورت پوری کرنے سے قاصر ہے۔

جدید نظام تعلیم

مولانا مودودیؒ نے مروّجہ جدید نظام تعلیم پر بھی کڑی تنقید کی ہے اس میں مسلمانوں کی قومی اور مذہبی خصوصیات

کا انتظام ہے اور نہ ہی تہذیبی، ثقافتی اور فکری ترجمانی کرتا ہے۔ وہ ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو قتل ہوتا دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ اپنے ایک خطبے میں ان اداروں کو قتل گاہ قرار دے رہے ہیں۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"دراصل میں آپ کی اس مادر تعلیمی کو اور مخصوص طور پر اسی کو نہیں بلکہ ایسی تمام مادران تعلیم کو درس گاہ کے بجائے قتل گاہ سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک آپ فی الواقع یہاں قتل کیے جاتے رہے

1۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام تعلیم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، 2007ء، ص:142

2۔ تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، 1978ء، ص:86

ہیں اور یہ ڈگریاں جو آپ کو ملنے والی ہیں یہ دراصل موت کے صداقت نامے ہیں جو قاتل کی طرف سے آپ کو دیے جا رہے ہیں۔"[1]

مولانا مودودی جدید نظام تعلیم کی ڈگریوں کو قتل کے سرٹیفکیٹ تصور کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ان تعلیمی اداروں میں نوجوانوں کو تعلیم کے نام پر قتل کیا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام کس قدر خطرناک اور بھیانک ہے۔

مروّجہ اسلامی نظام تعلیم

مولانا مودودی قدیم نظام تعلیم (اسلامی نظام تعلیم) کے بھی سخت ناقد ہیں: وہ کہتے ہیں:

"اب جو لوگ اس نظام تعلیم کے تحت پڑھ رہے ہیں اور اس سے تربیت پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں، یا کچھ مدرسے کھول لیں یا واعظ گوئی کا کوئی پیشہ اختیار کریں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔"[2]

لیکن ان کے نزدیک اصلاح نصاب سے یہ خامی دور نہیں ہو سکتی کیونکہ انہوں نے ندوۃ العلماء میں جو مقالہ پڑھا اس میں اصلاح نصاب کی کوششوں پر انہوں نے تنقید کی کہ بعض علوم کے دخول یا خروج سے قطعاً اصلاح نہیں ہو سکتی بلکہ ہمیں از سر نو اپنا نظام تشکیل دینا ہو گا۔

وہ واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں:

"درحقیقت اب یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ وہ دونوں نظام تعلیم ختم کر دیے جائیں جو اب تک ہمارے ہاں رائج ہیں پرانا مروّجہ مذہبی نظام تعلیم بھی ختم کیا جائے اور یہ موجودی نظام تعلیم بھی جو انگریز کی راہنمائی میں قائم ہوا تھا۔ ان دونوں کی جگہ ہمیں ایک نیا نظام تعلیم بنانا چاہیے جو ان نقائص سے پاک ہو اور ہماری ان ضرورتوں کو پورا کر سکے جو ہمیں ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے اس وقت لاحق ہیں۔"[3]

مولانا مودودی اس حق میں تھے کہ مروّجہ دونوں نظامہائے تعلیم قدیم و جدید کو ختم کر کے ایک نیا نظام تعلیم ترتیب دیا جائے جو ایک اسلامی نظریاتی کی ضرورت ہے۔

---

[1] ۔ تعلیمات، ص: 52

[2] ۔ اسلامی نظام تعلیم، ص: 6

[3] ۔ اسلام کا نظام تعلیم، ص: 13

انگریزی زبان کی اہمیت

مولانا مودودیؒ انگریزی زبان کے مخالف نہیں تھے ان کو اس کی اہمیت اور ضرورت کا بھرپور احساس تھا لیکن وہ اس کو ذریعہ تعلیم بنانے کے حق میں نہیں تھے، ان کے نزدیک طلبہ کو ان کی اپنی مادری زبان میں تعلیم دی جائے اس سے ان کے تصورات واضح ہوں گے اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

" جہاں تک انگریزی زبان کی تعلیم کا تعلق ہے جدید علوم کے حصول کے لیے اس کی ضرورت اور اہمیت کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا یہ بات بہر حال غلط ہی نہیں سخت نقصان دہ ہے کہ یہ ہمارے ہاں ذریعہ تعلیم کے طور پر جاری ہے ۔۔۔۔۔۔ انگریزی کو ایک اہم زبان کے طور پر شامل نصاب ضرور رکھنا چاہیے اور جو لوگ سائنس اور دوسرے جدید علوم سیکھنا چاہیں ان کے لیے اس زبان کو سیکھنا لازم بھی کیا سکتا ہے مگر اسے ذریعہ تعلیم بنائے رکھنا انتہائی غلط فعل ہے۔"(1)

تعلیم نسواں

مولانا مودودیؒ تعلیم نسواں کے حامی ہیں وہ تعلیم نسواں کو اسی قدر ضروری سمجھتے ہیں جتنا کے مردوں کے لیے اہم سمجھتے ہیں۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

" جہاں تک عورتوں کی تعلیم کا تعلق ہے یہ اسی قدر ضروری ہے جتنی کہ مردوں کی تعلیم، کوئی قوم اپنی عورتوں کو جاہل اور پس ماندہ رکھ کر دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتی اس لیے عورتوں کی تعلیم کے لیے بہتر سے بہتر انتظام کرنا چاہیے جیسا کے مردوں کی تعلیم کے لیے۔"(2)

ان کے نزدیک عورتوں کو ایسی تعلیم نہ دی جائے جس سے ان کی فطری ذمہ داریاں متاثر ہوں۔ کیونکہ عورت کی اصل اور فطری ذمہ داری کارخانے اور دفاتر چلانے کے بجائے گھر چلانے اور انسان سازی کے ہیں۔

مخلوط نظام تعلیم

مولانا مودودیؒ جہاں تعلیم نسواں کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں وہاں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ طالبات کے لیے تعلیم کا الگ بندوبست ہونا چاہیے۔، خلوط نظام تعلیم غیر اسلامی اور نقصان دہ ہے۔ فرماتے ہیں:

---

[1]۔ اسلامی نظام تعلیم، ص:36

[2]۔ ایضاً ص:31

"ہمارے ہاں عورتوں کی تعلیم کا انتظام ان کے فطری وظائف وضروریات کے مطابق اور مردوں سے بالکل الگ ہونا چاہیے یہاں اوپر سے لے کر نیچے تک کسی بھی سطح پر مخلوط تعلیم کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔"(1)

مخلوط تعلیم کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا:

"ہم مخلوط تعلیم کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ مغربی اقوام آج جس اخلاقی پستی اور معاشرتی انتشار میں مبتلا ہیں اور وہاں خاندانی نظام جس اخلاقی پستی کو پہنچا ہوا ہے اس میں دوسری چیزوں کے علاوہ مخلوط تعلیم کا بھی زبردست حصہ ہے۔"(2)

دیکھا جائے تو مولانا مودودیؒ کے تعلیمی نظریات وافکار میں ہمیں تعلیمات نبوی ﷺ اور قرآن مجید کے افکار کی گہری اور واضح چھاپ دکھائی دیتی ہے۔اپنی تصانیف میں انہوں نے ایک ایسا تصور تعلیم پیش کیا ہے کہ اگر اسے بروئے کار لایا جائے تو وہ ہمارے ملک میں اسلامی کردار کے خسران، جفاکشی اور دیانت داری کے بحران اور حب الوطنی کے فقدان کے مسائل کو حل کر سکتا ہے۔

---

[1] ۔اسلامی نظام تعلیم، ص:۳۱

[2] ۔ماہنامہ آئین، اپریل 1976ء

فصل دوم

مولانا مودودیؒ اور مروّجہ نظام تعلیم کے بنیادی نقائص

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں نہ صرف بہت سے نقائص ہیں بلکہ اس کی بنیاد ہی درست نہیں، بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو ہمارا موجودہ نظام تعلیم قومی ضرورت سے قطعاً ہم آہنگ نہیں۔ گذشتہ ستر برس سے اس قومی المیے کی نشاندہی ہوتی رہی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ دیکھا جائے تو اس ہم آہنگی کا فقدان تین صورتوں میں واضح نظر آتا ہے، یعنی نظریاتی، معاشی اور معاشرتی میدان میں۔ ملک خداداد ایک خاص نظریے کے تحت وجود میں آیا تھا اگر اسے لادینی نظریے پر ہی قائم ہونا تھا تو پھر آزادی کی ضروورت ہی کیا تھی؟ بلکہ ہندوستان میں اس لادینی نظریے کے پھیلنے اور پروان چڑھنے کے امکانات زیادہ تھے مگر منطقی اعتبار سے ہمارے نظام تعلیم کو اس اسلامی نظریے سے ہم آہنگ ہونا چاہیے تھا جس پر اس ریاست کا قیام عمل میں آیا تھا۔ معاشی میدان کی بات کی جائے تو ہمارا نظام تعلیم ملکی معاشی ضرورت کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے ملک کی اقتصادی ترقی کی ناکامی اپنی جگہ پر، بے روزگاری کے مسئلہ نے ہر تعلیم یافتہ شخص کو ایک شدید نفسیاتی الجھن سے دوچار کر دیا ہے۔ نظام تعلیم کی تیسری ناکامی معاشرتی حوالے سے بیان کی جا سکتی ہے، ہمارے معاشرے کو بے انتہا بدیانتی، اقرباپروری، نااہلی، قومی وسائل کا ضیاع اور ناجائز استعمال جیسی امراض لاحق ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے بہت پہلے پاکستان کے نظام تعلیم کو موضوع بنایا اور اس کے بنیادی نقائص کی نشاندہی کچھ اس طرح کی ہے۔

مذہبی نظام تعلیم اور بنیادی نقائص

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ہمارے مروّجہ اسلامی نظام تعلیم (مدارس اسلامیہ) میں نقائص، خامیوں اور غلط فہمیوں کی طرف بھرپور اور موثر انداز میں توجہ دلائی۔

> "ہمارا مدارس کا نظام تعلیم جو قدیم دور سے چلا آرہا ہے جس کے بارے میں تصور ہے کہ یہ ہمارا قدیم مذہبی نظام تعلیم ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مذہبی نظام تعلیم نہیں بلکہ یہ سول سروس کا نظام تھا جو اس وقت کی مسلمان حکومتوں کی ضروریات کے لیے بنایا گیا تھا لیکن انگریز حکومت قیام کے بعد اس نظام کی عملاً افادیت ختم ہو گی تھی چونکہ اس نظام تعلیم میں ہماری صدیوں کی تہذیبی میراث موجود تھی اور مذہبی ضروریات پورا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ سامان موجود تھا اگرچہ کافی نہ تھا"[1]

---

[1] تعلیمات، ص:128

مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"چنانچہ اس دور کے اہل علم نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس نظام کو باقی رکھا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی آبائی میراث سے منقطع ہو جائیں اور ہمارا قومی وجود ہی ختم ہو جائے۔اسی حکمت اور مصلحت کے پیش نظر انہوں نے اس نظام کو جوں کا توں رکھا لیکن حالات اور وقت کے بدلتے تقاضوں کی وجہ سے اس کی اہمیت اور افادیت کم ہو کر رہ گئی۔اگرچہ اس نظام میں تہذیبی سرمایہ تو موجود تھا لیکن کچھ بنیادی خامیاں بہر حال موجود تھیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔"[1]

مولانا مودودی مروّجہ اسلامی نظام تعلیم کے خلاف تھے۔ان کے نزدیک یہ نظام و نصاب ہندوستان میں ایک وقتی مصلحت کے پیش نظر اختیار کیا گیا تھا جو اس وقت کی ضرورت تھی،اب اس کی اہمیت ختم ہو گئی ہے۔کیونکہ دور جدید میں یہ اسلامی ملت کی رہنمائی کے لیے ناکافی ہے۔

دینی مواد کی کمی

ہمارے مدارس اسلامیہ کے نصاب میں دینی عنصر کی کافی کمی نظر آتی ہے خاص طور پر سیرت اور تاریخ کے خاص پہلوؤں سے صرف نظر اور اس کے علاوہ منطق اور فلسفہ جیسے مضامین کو قدیم انداز کے مطابق سامنے رکھنا،جبکہ ان مضامین میں نئے دار کے تقاضوں کے پیش نظر نئی جہات کے مطابق ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے۔مولانا مودودیؒ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آج ہم غنیمت سمجھ کر اس (مدارس عربیہ کے نظام تعلیم) کو اپنی دینی تعلیم سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کے اندر دینی تعلیم کا عنصر بہت کم ہے۔اس میں جس قدر زور اس دور کے فلسفہ،منطق،ادب اور صرف و نحو وغیرہ کے علوم پر دیا جاتا ہے،قرآن وحدیث اور دین کی اساسی تعلیمات پر نہیں دیا جاتا،آج بھی کوئی عربی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے نصاب تعلیم میں پورا قرآن مجید داخل ہو"۔[2]

اسلامی نظام سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

"اسلامی نظام تعلیم سے مراد ایسا نظام تعلیم ہے جس میں تعلیمی نصاب کے جملہ اجزاء کو اسلامی اصول نظریات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہو معلمین و متعلمین دونوں کی دینی واخلاقی تربیت کا خاص خیال

---

[1] تعلیمات،ص:128

[2] ۔ایضاً،ص:129

رکھا گیا ہو اور عربی زبان اور کتاب وسنت کی ضروری واساسی تعلیمات کو نظام تعلیم کا جز لازم قرار دیا گیا ہو۔"(1)

ہمارے مذہبی نصاب تعلیم میں جس قدر زور غیر اہم امور پر دیا گیا ہے اتنا اگر دینی اساسی تعلیمات پر دیا جاتا تو اس وقت ہمارے مدارس سے قرآن وحدیث کے جید علماء اور مجتہدین پیدا ہوتے، اب درسگاہوں میں نہ وہ حیات روحانی ہے جو طالب علموں میں سوز دروں پیدا کرے، نہ وہ وحدت اجتماعی ہے اس کی وفاداری کو استواری بخش سکے۔ جو حال قرآن مجید اور تفسیر کے ساتھ ہے یہی صورت حال حدیث رسول ﷺ کے ساتھ ہے اس کی بھی باقاعدہ تعلیم نہیں دی جاتی جو کہ طالب علموں میں محدثانہ صلاحیتیں پیدا کرے۔ فقہی اور عقائد کی احادیث پر زیادہ بحث کی جاتی ہے جبکہ وہ احادیث جن کا تعلق جدید معاشیات اور سیاسیات کے ساتھ ہوتا ہے یکسر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں۔

"درس احادیث کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ یہ ہے کہ جب فقہی اور اعتقادی جھگڑوں سے متعلق کوئی حدیث آجاتی ہے تو اس پر دو دو تین تین دن صرف کر دیے جاتے ہیں باقی رہیں وہ احادیث جو دین کی حقیقت سمجھاتی ہیں یا جن میں اسلام کا معاشی، سیاسی، تمدنی اور اخلاقی نظام بیان کیا گیا ہے ان پر سے استاد اور شاگرد اس طرح رواں دواں گزر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی بات قابل توجہ ہے ہی نہیں"۔(2)

بلاشبہ یہ نصاب تعلیم جدید عصری مسائل حل کرنے سے قاصر نظر آتا ہے اب تک یہ جدید معاشیات کے بارے میں بالکل خاموش ہے فقہ کی کتب میں بیوع کے جو مسائل بیان کیے جاتے ہیں موجودہ معاشی سرگرمیوں سے ہم آہنگی بالکل نہیں رکھتے۔ کلامی کتب میں کلامی انداز میں جن مسائل کو زیر بحث لایا جاتا ہے وہ گروہ اور مسائل عصر حاضر میں وجود نہیں رکھتے، اب کلامی بنیادوں پر اس فن کو فکری انداز میں نئی جہات کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مدارس اسلامیہ کے نصاب میں تاریخ اسلام کی کمی ہے جسکی وجہ سے ایک عالم دین اہم تاریخی واقعات سے بے خبر ہوتا ہے۔ ہمارے اکابر نے جہاں قرآن وحدیث کی نشر واشاعت میں اپنا لوہا منوایا ہے وہاں تاریخ میں بھی امثال نقوش چھوڑے ہیں، حافظ ابن کثیر نے تاریخی میدان میں البدایہ والنہایہ جیسی تحقیقی کتاب لکھی اور امام جریر طبری کی تفسیری خدمات عیاں ہیں لیکن تاریخ طبری کی صورت میں ان کی تاریخی خدمات بھی ناقابل انکار حقیقت ہیں۔ اسی طرح امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی تصنیفات جو تاریخ اسلام پر مبنی تھیں ضائع ہوئیں۔

---

[1] ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل ومسائل، المنار بک سنٹر، لاہور، 1984ء، ص:35

[2] ۔ تعلیمات، ص:129

نصاب تعلیم میں اہلیت امامت کی کمی

اللہ رب العزت نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں جن کو اگر شمار کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، انسانی وجود جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن ان تمام انسانی اعضاء میں سب سے اہم اور قیمتی تین اعضاء ہیں، سمع، بصر اور فواد جن کا تذکرہ کتاب الٰہی میں پروردگار نے بار بار کیا ہے۔

﴿إِنَّ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡبَصَرَ وَٱلۡفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔولٗا ٣٦﴾ [1]

ترجمہ: بے شک سمع بصر اور فواد ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا ہے انسان کو اس کے علم کی بدولت زمین کی خلافت ملی، اسے سمع بصر اور فواد تینوں چیزیں عطا کیں گئی جو دوسری مخلوقات کو نہیں عطا کی گیں یا اس کی بہ نسبت کم دی گئیں اور اسی وجہ سے وہ خلافت کا حقدار ٹھہرا۔ اگر فلسفہ علم پر غور کیا جائے تو وہ ہمیں سمع بصر اور فواد میں ہی پنہاں نظر آتا ہے اور قرآن مجید میں بھی ان مطلق بلکہ حقیقی مطالب بیان کیے گئے ہیں۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"کلام الٰہی میں تینوں لفظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کردہ معلومات حاصل کرنا ہے، بصر سے مراد خود مشاہدہ کر کہ واقفیت بہم پہنچانا ہے اور فواد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کو مرتب کر کہ نتائج اخذ کرنا ہے یہی تینوں چیزیں مل کر علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔" [2]

قدرت کی نعمتوں میں سے یہ وہ تین اعضاء رئیسہ ہیں جن کا تعلق علم سے اور پھر علم کا تعلق منصب امامت سے ہے جب مسلمانوں نے ان اعضاء سے کام لینا چھوڑ دیا یعنی وہ سابقہ علم پر ہی انحصار کر کہ بیٹھ گے جو علم حاصل ہوا تھا اس پر اکتفا کیا اور اس میں مزید اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں سمجھی، جو نتائج اخذ کیے جا چکے تھے ان میں اصلاح و ترقی کی ضرورت محسوس نہیں کی، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ ماضی و حال کی معلومات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کرتا، خود مشاہدے سے مزید معلومات اکٹھی کرنے میں لگا رہتا اور پھر ان دونوں کو ملا کر نتائج اخذ کرتا اور پھر ان نتائج سے کام لیتا۔

1۔ الاسراء، 36/17

2۔ تعلیمات، ص:48

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"اس دور عروج کے بعد (سابقہ) کے بعد جب اس گروہ (موجودہ) کے زوال کا وقت آتا ہے تو وہ تھک کر اور اپنے کیے ہوئے کام کو کافی سمجھ کر مشاہدے سے مزید معلومات حاصل کرنے اور فواد سے مزید اخذ نتائج کی کوشش چھوڑ دیتا ہے اور راس کا تمام علمی سرمایہ صرف سمع سے حاصل شدہ معلومات تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے اب اس کے لیے علم کے معنی صرف جاننے کے ہوتے ہیں"۔[1]

آج مغرب بصر اور فواد سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھا نتیجتاً وہ امام اور باقی مقتدی بن گے۔ مدارس اسلامیہ جو کہ اصل تحقیق اور ریسرچ کے مراکز تھے جہاں پر سمع بصر اور فواد کا استعمال کر کہ نتائج اخذ کرنے اور پھر ان نتائج کی روشنی میں امت کی بھاگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لینی تھی۔ لیکن افسوس: آج وہاں جمود طاری ہے تحقیق کا کام رک گیا، علماء صرف شروحات پڑھانے تک محدود ہو گے اور صرف سمع پر انحصار کر لیا گیا۔ مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں:

"جب تک آپ ناخداشناس لوگوں (اہل مغرب) سے دنیا کی امامت اور منصب چھین کر خود اس پر قبضہ نہ کریں اور اس کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ مجرد سماعی علم پر قناعت کا خیال چھوڑ دیں اور پھر فواد سے نہ صرف کام لیں بلکہ اس دنیا کے تمام گروہوں پر فوقیت لے جائیں"۔[2]

اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ ہم اہل مغرب سے دنیا کی امامت صرف اسی وقت چھین سکتے ہیں کہ جب ہم علمی میدان میں ان سے آگے ہوں سمع بصر اور فواد سے کام لے کر تحقیق اور ریسرچ کا کام شروع کریں۔

جدید نظام تعلیم اور بنیادی نقائص

جدید نظام تعلیم کے زیادہ تر مقاصد نصاب انسانی دنیوی زندگی کی فلاح و بہبود پر انحصار کرتے ہیں اور ان اداروں کے فضلاء ملازمت حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں:

"یہاں جس قسم کے آدمی تیار کرنا اس (انگریز) کے پیش نظر تھا ان کے اندر اولین صلاحیت وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ باہر سے آ کر حکومت کرنے والی قوم کے بہتر آلہ کار بن سکیں"۔[3]

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:49

[2] ۔ ایضاً، ص:51

[3] ۔ ایضاً، ص:92

نصاب تعلیم میں اسلامی مواد کا فقدان

انگریز نے جو جدید نظام تعلیم رائج کیا اس میں اسلام کے متعلق کوئی چیز نہیں تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ خود یورپ میں ان علوم کا ارتقا ملحدانہ اور ناخداشناس لوگوں کے زیر سایہ ہوا تھا۔ انگریز نے اپنے انہی علوم کو لا کر انہیں کتابوں کے ساتھ اس ملک میں رائج کیا اور آج تک انہیں علوم کو اسی طرز پر یہاں پڑھایا جارہا ہے۔ اس نظام سے پڑھے لوگ خود بخود دینی اخلاق اور دینی فکر سے روز بروز بعید ہوتے چلے جاتے ہیں اس پورے نظام میں خداپرستی کہیں نظر نہیں آتی بلکہ ہر جگہ دنیاپرستی نظر آتی ہے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو شخص اپنی تعلیم کے نقطہ آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تعلیم تک دنیا کے متعلق جتنی معلومات بھی حاصل کرے اگر وہ خداپرستی کے نقطہ نظر سے خالی ہوں تو اس کے ذہن میں آخر خدا کا اعتقاد کیسے جڑ پکڑ سکتا ہے، اس کی درسی کتب میں کہیں خدا کا ذکر ہی نہ ہو، وہ تاریخ پڑھے تو پوری انسانی زندگی اپنی قسمت آپ ہی بناتی اور بگاڑتی نظر آئے، وہ فلسفہ پڑھے تو اس میں کائنات کی گھتی خالق کائنات کے بغیر ہی سلجھانے کی کوشش ہو رہی ہو، وہ سائنس پڑھے تو اس میں سارا خانہ ہستی کسی صانع حکیم اور ناظم و مدبر کے بغیر چلتا ہوا دیکھا جائے۔"(1)

اس نظام تعلیم کی فطرت ہی یہی تھی کہ وہ ہماری نوجوان نسلوں کے دین، ثقافت اور قومی خودی پر ڈاکہ ڈالے اور انہیں مغربی سامراجیوں کا مطیع بنائے۔ جدید نظام تعلیم نے بچوں کی کردار سازی جیسے نہایت اہم اور بنیادی کام کو پس پشت ڈال دیا ہے، ہمارے نوجوانوں نے مغربی قوموں کے عیوب اختیار کر لیے لیکن ان کی خوبیوں سے یکسر محروم نظر آتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس (نظام) کے زیر سایہ اثر پرورش پا کر جو نسلیں اٹھ رہی ہیں وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو ماشاءاللہ پوری طرح آراستہ ہیں مگر ان کی خوبیوں کی چھینٹ تک ان پر نہیں پڑی۔"(2)

تعمیر سیرت کا فقدان

جدید نظام تعلیم میں تعلیم برائے تعلیم پر زور دیا گیا ہے اس میں نہ ان کی اخلاقی اور سماجی نشو نما کو اہمیت دی گی ہے نہ ان کی شخصیت سنوارنے اور ان کی تخلیقی قوتوں کے اظہار کے لیے مواقع فراہم کرنے کی کوشش کی گی ہے محض لکیر کا

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:93

[2] ایضاً، ص:94

فقیر بنا دیا گیا ہے مستقبل کا معمار نہیں، ایک صحت مند اخلاقی اور حیات بخش فضا میں طالب علم کا کردار ڈھالنے پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی، طالب علم کو اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے والے ان گنت خطرات کا نشانہ تو بنا دیا جاتا ہے لیکن ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی اعانت اور رہنمائی نہیں کی جاتی۔ تعلیم اور تربیت کے بین یہی وہ تفریق ہے جس نے ہماری درس گاہوں کو بگاڑ کا سرچشمہ بنا کرر رکھ دیا ہے۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے اندر اسلامی کریکٹر پیدا ہو، اسلامی طرز فکر اور اسلامی ذہنیت پیدا ہو خواہ وہ سائنٹسٹ ہو خواہ وہ علوم عمران کا ماہر ہو، خواہ وہ ہماری سول سروس کے لیے تیار ہو رہا ہو جو بھی ہو اس کے اندر اسلامی ذہنیت اور اسلامی کریکٹر ہونا چاہیے۔"[1]

مولانا کے نزدیک ہمیں ایسے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی ضرورت ہے کہ جو نوجوانوں میں اسلامی سوچ و فکر کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی صفات اور کردار کی بلندی پیدا کرے۔

دین و دنیا کی تفریق کا تصور

اسلام ایک مکمل دستور العمل ہے اس میں د دین و دنیا کی تفریق کا تصور غیر معقول ہے۔ بد قسمتی سے اس وقت ملک خداداد میں دو نظام ہائے تعلیم بیک وقت رائج ہیں دونوں نظامہائے تعلیم کا وجود متوازی ہے جو تعلیم یافتہ افراد کو دو قطعی متضاد خطوط پر تیار کر رہے ہیں، ایک طرف اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کا نظام تعلیم ااور دوسری طرف مدرسوں خانقاہوں اور دارالعلوموں کا نظام تعلیم ہے۔ کسی ملک کے لیے اس سے زیادہ مہلک اور تنزلی کی کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی کہ اس میں بیک وقت دو متضاد نظامہائے تعلیم پائے جاتے ہوں۔

چنانچہ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"ہمیں اپنے نظام تعلیم میں بطور اصول جو چیز پیش نظر رکھنی چاہیے اور اسکی بنیاد پر ہمارا نظام تعلیم بننا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم دین اور دنیا کی اس تفریق کو ختم کر دیں، دین اور دنیا کی تفریق کا یہ تخیل ایک عیسائی تخیل ہے یا بدھ مذہب یا ہندوؤں اور جوگیوں کا ہے اسلام کا تخیل اس کے بالکل برعکس ہے۔"[2]

اگر دیکھا جائے تو اس قوم کی ایک بڑی بد قسمتی ہے کہ جس نے دنیا کو نیا نظریہ دیا کہ دین اور دنیا کے درمیان کوئی تفریق نہیں جس کے نبی نے فرمایا تھا کہ ساری زمین میرے لیے مسجد اور یہ انقلابی تصور مذہب انسانیت کو دیا گیا کہ محض

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:103

[2] ایضاً

نماز روزہ ہی مذہبی عمل نہیں،روزہ رکھنا اگروہ حلال رزق سے ہے، مشینیں بنانا، لشکر کشی کرنا،اختراعات وایجادات کرنا،اگریہ سب خدا کے حکموں کو ماننے کے ساتھ ہو تو عبادت ہے۔ جس دین نے یہ انقلابی تصور زندگی دیا اس دین کے پیروکار ایسے نظام تعلیم پر مطمئن ہو گے کہ جس میں ایک طرف دینی تعلیم دی جاتی ہے لیکن وہاں دنیا کے مسائل کو ہوا تک نہیں لگتی اور دوسری طرف سیکولر بنیادوں دنیاوی تعلیم دی جاتی ہے لیکن اس طرح کہ کوئی اخلاقی حس بیدار نہیں ہوتی،ان تمام علوم کا کوئی تعلق زندگی کے مقاصد سے تمدن سے مربوط نہیں ہو پاتا۔

مولانامزید اس وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے لیے اس سے بڑی کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنے نظام تعلیم میں اپنے نظام تمدن میں اور اپنے نظام مملکت میں دین اور دنیا کی تفریق کے تخیل کو قبول کر لیں،ہم اس کے بالکل قائل نہیں ہیں کہ ہماری ایک تعلیم دنیوی ہو اور ایک تعلیم دینی۔ (1)

مولانا کے نزدیک علوم کو دینی اور دنیاوی الگ قسموں میں تقسیم کرنا حقیقت میں دین اور دنیا کی علیحدگی کے تصور پر مبنی ہے اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی اور غلط ہے دراصل اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔

ملک خداداد میں جو دو نظامہائے تعلیم عملی صورت میں موجود ہیں جو پورے تعلیمی سرچشمے کو مسموم کر رہے ہیں،دنیوی ادارے ایک قسم کے افراد تیار کر رہے ہیں جبکہ ددینی ادارے اس بالکل مختلف قسم کے انسان تیار کر رہے ہیں۔دنیوی نصاب تعلیم میں دینی عنصر کا فقدان ہے،اسی طرح ہمارے دینی اداروں کے نصاب میں اصلاح کی ضرورت ہے ایسی اصلاح کہ جس کے پڑھنے کے بعد طلباء جدید دور کے تقاضوں اور عصر حاضر کے چیلنجز سے نبرد آزما ہو سکیں۔

---

[1]۔ تعلیمات،ص:102

فصل سوم

مروجہ اسلامی نظام تعلیم سے تیار افراد کا کردار

مدارس نے جہاں تعلیمی فروغ کے لیے اقدامات کیے ہیں وہیں اسلامی فکر و ثقافت کی تعمیر و تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مدارس اسلامیہ کی چار دیواری سے ایسے علماء و فضلاء تیار ہوئے جنہوں نے علم و عمل کے میدان میں بے مثال اور عہد ساز کارنامے سر انجام دیئے جن کے احسان سے نسل انسانی کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتی۔

"قدیم دینی نظام تعلیم اور عام طور پر عربی یا دینی مدارس کہلاتے ہیں وہ بعض ایسی خصوصیات کے مالک ہیں اور محافظ ہیں جو جدید تعلیمی نظاموں میں مفقود یا بہت نایاب ہیں، اور ان کی بناء پر ہر بدلے ہوئے زمانہ اور ترقی یافتہ جدید دور اور ایک نوخیز و ترقی پذیر معاشرہ میں ان کی قدر و قیمت اور ضرورت و افادیت سے انکار نہیں کی جا سکتا۔"[1]

مدارس اسلامیہ نے قرآن کریم، حدیث رسول ﷺ، اسلامی فقہ، عربی و فارسی زبانوں اور اس سے متعلقہ علوم کی حفاظت کی، اور اپنے نصاب (درس نظامی) تعلیم کو باقی رکھا جس کو انگریز حکومت ختم کرنا چاہتی تھی۔ مسلمانوں نے نہ صرف اپنے عقیدہ و فکر کی حفاظت کی بلکہ توحید و سنت کے ساتھ وابستہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس خطہ میں انگریز کی تمام تر کوششوں کے تدارک کرتے ہوئے سد سکندری ثابت ہوئے۔ مسلمانوں نے منکرین حدیث، منکرین ختم نبوت، شرک و بدعات کا خاتمہ اور دیگر تمام فکری و اعتقادی اور عملی فتنوں کا کھل کر مقابلہ کیا۔

مثبت معاشرتی کردار

دینی تعلیم کی آگاہی

مدارس اسلامیہ کی افادیت و ضرورت اور اثرات و ثمرات کا سب سے بڑا پہلو یہ سامنے آیا ہے جو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستانی معاشرے میں قرآن و سنت کے علوم و روایت اور مسلمانوں کی تہذیبی اقدار کی حفاظت ڈیڑھ صدی کے دوران انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے اور ان کی صبر آزما جدوجہد کے باعث اسلامی علوم ماضی کا حصہ بننے اور آثار قدیمہ میں شامل ہونے سے نہ صرف محفوظ رہے ہیں بلکہ ایک زندہ تحریک اور فعال نظام کی صورت میں آج کے تعلیمی نظام کا باقاعدہ حصہ ہیں۔

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، دینی عربی مدارس، تربیتی اور وطنی کردار، شعبہ نشر و اشاعت ندوۃ العلماء، لکھنؤ، طبع: اول، ص: 3

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"ان (مدارس) کی بدولت ہمارے اندر قرآن و دین کا کچھ نہ کچھ علم پھیلتا ہے، دین کے متعلق لوگوں کو کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل ہو جاتی ہے اور ہماری مذہبی زندگی میں کچھ نہ کچھ حرارت باقی رہ جاتی ہے۔"(1)

اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کرام نے مدارس، مکاتب اور مساجد کے ذریعے بچہ کی ولادت کے وقت کان میں آذان دینے سے لے کر نماز جنازہ پڑھانے تک مسلمانوں کی مذہبی، سماجی اور تعلیمی رہنمائی کی ہے کہ کوئی بھی ان خدمات سے محروم نہیں ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے شہروں میں اسلامی نظام تعلیم کے تحت قائم دار الافتاء اور دار القضاء جہاں قرآن وسنت کی روشنی میں ان کے مسائل کا حل بتاتے ہیں وہاں لوگوں کو عدالتوں اور کچہریوں کا چکر لگانے سے بچاتے ہیں۔ اور یہ فوائد عوام کو کو بغیر کسی اجرت اور معاوضہ کے حاصل ہوتے ہیں۔

تحقیق و تصنیف

اسلامی نظام تعلیم میں تحقیقی، تالیفی اور تصنیفی کام آج بھی جاری و ساری ہے اگرچہ ان کا طریقہ جدید یونیورسٹیوں کی طرز کا نہیں لیکن بہر حال تحقیق کا کام جاری ہے۔ مولانا زاہد الراشدی تحقیقی و تصنیفی کام کو سراہتے ہوئے فرماتے ہیں:

دینی مدارس تحقیقی و تالیفی تقاضوں اور اہمیت سے بے بہرہ نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے ذوق، ماحول، فکری دائرے اور تربیتی پس منظر کے مطابق اس شعبے میں بہر حال مصروف عمل ہیں۔

"بلاشبہ مدارس اسلامیہ نے ایسے افراد تیار کیے ہیں جنہوں نے معاشرے میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم سے روشناس کروایا اور ہماری مذہبی زندگی میں دین کی کچھ نہ کچھ حرارت باقی ہے۔"[2]

منبر و محراب سے عوام کی اصلاح کرنے کے لیے ایسے خطباء تیار کیے جنہوں نے لوگوں کو اخلاق حسنہ اور عبادات و معاشرت کے سنہرے اصولوں سے عوام کو متعارف کروایا۔ منبر و محراب سے لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم کو باقی رکھنے اور اس کی اشاعت میں ائمہ مساجد اور خطباء نے کلیدی کردار ادا کیا، آج اگر جنوبی ایشیا کے معاشرے میں اسلامی تعلیمات کی بقا ہے تو اس کا کریڈٹ انہی کے سر ہے۔ آفاقی اور آسمانی تعلیمات نہ صرف حفاظت کر رہے ہیں بلکہ سماج میں اس کی عملی تطبیق کا نمونہ بھی باقی رکھے ہوئے ہیں۔

---

[1]۔ تعلیمات، ص:128

[2] ایضاً، ص:90

دنیا کے طول و عرض میں مسلمانوں کی ترقی وخوشحالی اور فلاح بہبود کے لیے کام کرنے والی جتنی بھی انجمنیں، تنظیمیں اور جماعتیں ہیں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلامی نظام تعلیم کا اہم کردار ہیں کیونکہ مسلمانوں کی معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی اور اخلاقی سطح پر سرپرستی کرنے والے اسلامی نظام تعلیم کے ہی فضلاء ہوتے ہیں۔ ابوالحسن علی ندی فرماتے ہیں۔

"ان طلبائے مدارس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاقی اصول، دینی تعلیمات اور تہذیب و آداب کی پابندی ہے۔ جو وہ قرآن و حدیث، سیرت نبویؐ اور علمائے سلف کے تذکروں سے سیکھتے ہیں، اپنے اساتذہ میں اس کا نمونہ دیکھتے ہیں اور ت ان سے ان کی تعلیم وتاکید پاتے ہیں جس کی اس بگڑے ہوئے معاشرے میں بڑی ضرورت ہے۔"[1]

اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو ان کی معاشرتی خدمات کی لمبی فہرست ہے، جن میں لاکھوں ان لوگوں کی مدد ہے جو بنیادی ضروریات سے محروم ہیں، معاشرتی خواندگی، قرآن وسنت کی اشاعت، مسلمانوں کی دینی و مذہبی رہنمائی، مسلمانوں کے عقائد وعبادات، مسلمانوں کے کلچر وثقافت اور خاندانی نظام کی حفاظت، لبرل، سیکولر اور عقل پرست لوگوں کے اعتراضات وشبہات کا جواب دینا، مغربی ثقافت اور یلغار کو روکنے لیے ان کی خدمات قابل ستائش اور لائق تحسین ہیں۔

عصر حاضر اسلامی نظام تعلیم سے فارغ ہونے والے افراد عام طور پر امام مسجد، دینی مدارس اور اسکول اساتذہ اور اب کچھ عرصے سے کچھ مدارس کے طلباء پاکستان فورسز میں بھی جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ قابل ستائش اور لائق تحسین ہے،

اسلامی نظام تعلیم کی ان گراں قدر خدمات کی بنا پر مغرب انہیں اپنا دشمن سمجھنے کے ساتھ ساتھ اپنی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ گردانتا ہے اور اس پورے نظام کو ختم کرنے یا کم از کم سرکاری تحویل میں لا کر بے اثر بنانے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ اہل مدارس اسی صورت میں کام کر سکتے ہیں جب کہ سیاسی اثر ورسوخ اور تسلط سے آزاد ہوں، مالی طور پر خود مختار ہوں ، بظاہر یہی وجہ ہے جس کو یہ اپنے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں اور اس کو روکنے لے لیے کوششیں بھی کرتے ہیں۔ لیکن ان کو ایک قدم آگے بڑھنے کی ضرورت ہے ایک انقلابی قدم کی ضرورت ہے کہ پورے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھال سکیں کیونکہ عصری اداروں کے فاضلین بھی مسلم امہ کی قیادت کی اہلیت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان لوگوں پر اعتماد کیا جا سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مغرب سے مرعوب ہیں۔ گذشتہ ستر برس کی قیادت کی کلید اپنے ہاتھ میں رکھنے کے باوجود ایک منتشر اور متزلزل طبقہ ہے جو مغربی فکر کو مسلم معاشرے پر مسلط کر رہے ہیں۔

---

[1] دینی عربی مدارس، تربیتی اور وطنی کردار، ص:8

منفی معاشرتی کردار

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی نظام تعلیم کے فضلاء نے تاریخ ساز کارنامے سرانجام دیئے لیکن اس صدی کی گذشتہ دو دہائیوں کے دوران عالمی سطح اس نظام کے خلاف بحث وتمحیص کا سلسلہ شروع ہوا جو ہنوز جاری ہے۔ اس بحث وتمحیص سے انکی خوبیاں اور خامیاں کھل کر سامنے آگئیں ہیں۔

مسجد و مدرسہ تک محدود

اس نظام سے فارغ ہونے والے طلباء مسجد اور مدررسے تک محدود ہو کر رہ گے ہیں یقینا پاکستان جیسی نظریاتی ریاست کے اندر ان صرف یہی کردار ناکافی ہے جسے وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"اب جو لوگ اس نظام تعلیم (مدارس اسلامیہ) کے تحت پڑھ رہے ہیں اور تربیت پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف نہیں کہ وہ ہماری مسجدیں سنبھال کر بیٹھ جائیں یا کچھ مدرسے کھول لیں۔"[1]

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اسباب وعلل اور نصاب تعلیم پر غور کیا جائے فارغ التحصیل علما کو عصری مسائل اور معاشرتی قیادت سے محروم رکھے ہوئے ہے۔

فرقہ واریت کی ترویج

اگرچہ اس نظام تعلیم کے فضلاء کو بحثیت اایک طبقے کے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا کیونکہ ان میں ایسے کثیر افراد موجود ہیں جو اس خطرے کا صحیح شعور رکھتے ہیں اور اس کے تدارک کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ لیکن ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مذہبی منافرت پھیلانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

"لیکن اہل مذہب میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو ان حالات کا احساس اور ادراک نہیں رکھتا وہ جو زبان بولتا اسے آج کا انسان نہیں سمجھتا اور ایسی کتابیں لکھتا جن میں آج کے ذہن کی اپیل نہیں۔ وہ ابھی تک فروعی اختلافات کے جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں جس کا عوام کو سوائے انتشار کے کوئی فائدہ نہیں۔"[2]

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:128

[2] نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، ص:47

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"(اسلامی نظام تعلیم کے فضلاء) طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے ہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔"[1]

چنانچہ وہ جزوی موضوعات اور گروہی مناقشت میں الجھاتے ہیں جو لوگوں کو نفس مذہب سے قریب لانے کے بجائے دور لے جانے کا باعث ہے وہ مخصوص قسم کے مذہبی تعصبات اور تکفیری مشغلوں میں مبتلا ہیں۔ یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو معاشرے کو قریب کے بجائے دور لے جانی والی ہیں۔ بلاشبہ علماء نے آج تک معاشرتی اصلاح کے لیے غیر معمولی خدمات سرانجام دی ہیں اور آج بھی دے رہے ہیں لیکن ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو وقت کی ضرورت کو نہیں سمجھتے اور ان چند کی وجہ سے دوسرے مخلص اور بے لوث علماء پر حرف آتا ہے اسی طرح حالات سے ناواقفیت، جدید علمی وسائل سے لاعلمی اور سیرت و کردار کی تھوڑی سی بھی کمزوری معاشرتی کردار میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جو معاشرتی اصلاح سے انحراف کا باعث ہیں اور جب تک ان کا مناسب انداز میں تدارک نہ کیا جائے حالات کو یکسر نہیں بدل سکتے۔

جدید نظام تعلیم سے تیار افراد کا معاشرتی کردار

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کا بہتر سے بہتر نظام تعلیم بھی اسی وقت ہی نتیجہ خیز اور بارآور ثابت ہو سکتا ہے جب اس نظام میں ڈھلے افراد اپنا مثبت معاشرتی کردار ادا کر سکیں۔ تعلیم ایک ایسی طاقت ہے جو کسی قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مثبت تبدیلی لاتی ہے اور قوموں کے منتشر شیرازے کو مجتمع کرتی ہے لیکن اس کے لیے تعلیم اور نظام تعلیم کا از خود مثبت ہونا ضروری ہے۔ ملک پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد ہمارے جدید تعلیمی اداروں نے ہماری مذہبی، سیاسی، تہذیبی، معاشی اور سماجی ضرورتوں کو پورا نہیں کیا، ارباب اختیار نے متحدہ ہندوستان کے نظام تعلیم کو فروغ دیا نصاب تعلیم فرسودہ اور محدود مقاصد کے لیے تھا جس میں کوئی توازن، استحکام اور مطابقت نہ تھی اور علوم فنون کا فقدان تھا۔ چنانچہ آج بھی جدید تعلیمی ادارے سرکاری اور غیر سرکاری جو ملک کی معیشت، اقتصادیات اور جدید علوم کو سنبھالنے کا دعوی کرتے ہیں وہ اپنے مقاصد میں ناکام دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارا جدید نظام تعلیم صرف دفتری کلرک پیدا کر رہا ہے۔

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:128

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"اس (جدید) نظام تعلیم کے تحت جو لوگ پڑھتے رہے ان کا ذہن قدرتی طور پر بغیر اپنے قصور اور اپنے کسی ارادے کے آپ سے آپ اس طرح بنتا چلا گیا کہ وہ دینی نقطی نظر سے دینی اخلاق سے اور دینی طرز فکر سے روز بروز بعید تر ہوتے چلے گے۔"[1]

اس نظام تعلیم نے بچوں کی کردار سازی اور اخلاق سازی جیسی بنیادی صفات کو پس پشت ڈال دیا ہے، اسکولوں اور کالجوں محض خالی چند اصول رٹا دیے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جدید تعلیمی ادارے جو بظاہر ہمارے نوجوانوں کو جدید علوم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اس دعوی کے پس پردہ ان کے قلوب واذہان میں مغربی علوم وتمدن کے تفوق کے ذریعہ مغرب کی بالادستی کو راسخ کرنا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے اپنے علوم، تہذیب وتمدن اور قومی تشخص ان کی نظروں میں حقیر اور بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

منفی معاشرتی کردار

بلاشبہ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی، ذہنی اور فکری ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے اور ان میں زندگی کے ان مقاصد سے لگاؤ پیدا کرتی ہے جنہیں اس نے اختیار کیا ہے۔ تعلیم ایک ذہنی جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد اونچے درجے کے ایسے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے جو اچھے انسانوں کی حیثیت سے کسی ریاست میں بطور ذمہ دار شہری اپنے فرائض سرانجام دے سکیں۔

اخلاقیات کی کمی

بدقسمتی سے ہمارے جدید نظام تعلیم سے فاضل طلباء اپنے اندر وہ اوصاف حمیدہ اور صفات جلیلہ نہیں پیدا کر سکے جو معاشرے میں مثبت معاشرتی کردار ادا کر سکیں وہ اعلیٰ اخلاق سے محروم ہیں۔ جدید نظام تعلیم ملکی نوجوانوں میں بنیادی انسانی اخلاقیات بھی پیدا نہیں کی جن کے بغیر کسی قوم کا وجود بھی مشکل ہے۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"یہ (جدید) تعلیم خدا پرستی اور اسلامی اخلاق سے تو خیر خالی ہے ہی غضب یہ ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں وہ بنیادی انسانی اخلاقیات بھی نہیں پیدا کرتی جن کے بغیر کسی قوم کا دنیا میں ترقی کرنا تو درکنار زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔"[2]

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:131

[2] ۔ ایضاً، ص:132

اس نظام تعلیم سے جو قوم تیار ہو کر نکل رہی ہے وہ مغربی عیوب سے تو پوری طرح آراستہ ہیں اور ان پر فخر کرتے نظر آتے ہیں اہل مغرب کی جو خصوصیات اور اچھی صفات تھیں وہ ان نوجوانوں میں ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتی نہ ان میں احساس ذمہ داری ہے نہ فرض شناسی نہ مستعدی اور جفاکشی، یہ وہ صفات لازمہ تھیں جن کی بنا پر وہ معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کر سکتے تھے۔

تربیت کا فقدان

ان تعلیمی اداروں میں اسباق تو یاد کرا دیے جاتے ہیں لیکن ایک صحت مند اخلاقی اور حیات بخش فضا میں طالب علم کو اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے والے ان گنت خطرات کا نشانہ تو بنا دیا جاتا ہے لیکن ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے اس کی کوئی اعانت اور رہنمائی نہیں کی جاتی، یہی وہ تفریق ہے جس نے ہماری درس گاہوں کو بگاڑ کا سرچشمہ بنا کر رکھ دیا ہے، جب یہ نوجوان عملی زندگی میں نکلتے ہیں تو حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے حتی کہ فرض سے بھی جی چراتے نظر آتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

> "ان (جدید تعلیم یافتہ) میں بدترین قسم کے رشوت خور، خویش پرور، سفارشیں کرنے والے اور سننے والے، بلیک مارکیٹنگ کرنے اور کرانے والے، ناجائز برآمد کرنے اور کرانے والے، انصاف و قانون اور ضابطے کا خون کرنے والے، فرض سے جی چرانے والے اور لوگوں کے حقوق پر ڈاکا ڈالنے والے اور اپنے ذرا سے مفاد پر اپنی پوری قوم کے مفاد اور فلاح کو قربان کر دینے والے، ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہر شعبہ زندگی میں ہر جگہ آپ کو کام کرتے نظر آتے ہیں۔"[1]

جدید تعلیمی اداروں میں تربیت کا فقدان ہے جس کے برے اثرات پورے شعبہ ہائے زندگی پر پڑتے ہیں اور معاشرہ اخلاقی طور پر پستی کا شکار ہے۔ اگرچہ یہ بیماریاں دوسرے طبقے میں بھی کسی حد تک موجود ہیں لیکن اکثریت کا تعلق اسی نظام تعلیم سے ہے۔

سیاسی بگاڑ

یہ جدید نظام تعلیم کی خرابی ہی کی پیداوار ہے جس نے سیاسی اور معاشی بگاڑ پیدا کر دیا ہے جو ہماری سیاست اور سماج کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے ان بے سیرت و بے کردار لوگوں نے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالی تو ملک کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:132

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"انگریز کے ہٹ جانے کے بعد مملکت کو چلانے کی ذمہ داری کا بار اسی تعلیم کے تیار کیے ہوئے لوگوں نے سنبھالا ہے اور چند سال کے اندر ان بے سیرت کارکنون کے ہاتھوں ملک کا جو حال ہوا ہے وہ ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔"(1)

ہماری قوم کی اکثریت کو محض اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں بلکہ بنیادی اور معقول پیشہ ورانہ تعلیم کی ضرورت ہے ہمارے نوجوان تخلیقی صلاحیتوں سے محروم ہیں ان کو صرف مغرب کا اندھا مقلد بنا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم کہ سکتے ہیں کہ آج کا تعلیم یافتہ صحیح حقیقی اور مثبت معاشرتی کردار ادا کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔

مثبت معاشرتی کردار

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حقیقی علم کے وارث خدا خوفی علمائے حق کی ہی شان ہے اور قرآن مجید نے بھی اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔ وطن عزیز کے علماء میں ایسے جید علماء موجود ہیں جو بہت بڑے بڑے مدارس اور خانقاہیں چلا رہے ہیں ملکی اور عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔

انتظامی صلاحیت

لیکن جہاں تک بات ملکی انتظام و انصرام اور عالمی تناظر میں معاملات کو دیکھنے کا ہے وہ عملاً اس ماحول میں نہیں رہتے، مسجدوں اور مدرسوں کے ماحول میں ہی رہتے ہیں بیرونی دنیا میں روابط کے کم مواقع ملتے ہیں اس لیے وہ بیرونی معاملات کی اونچ نیچ سے اس طرح واقف نہیں ہوتے جس طرح جدید علوم پڑھنے والے اور اس ماحول میں پلنے والے لوگ واقف ہوتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں

"انگریز کے ہٹ جانے کے بعد مملکت کو چلانے کی ذمہ داری کا بار اسی (جدید نظام) تعلیم کے تیار کیے ہوئے لوگوں نے سنبھالا ہے۔"(2)

تحریک آزادی میں ان طلباء (جدید نظام تعلیم کے فضلاء) نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے، اور اب بھی ملک کی بھاگ دوڑ ان کے ہی ہاتھوں میں ہے نظام مملکت کو چلانا، ملک کے معاشی و اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور سماجی مسائل کا حل اور بین الاقوامی مسائل کو عالمی تناظر میں دیکھنا اور پھر ان کے حل کے لیے ممکنہ اقدامات کرنا انہی کے سر ہے۔ طلبہ ہی اس

1۔ تعلیمات، ص:133

2۔ ایضاً، ص:133

پاک دھرتی کے سپاہی اور مستقبل کے معمار اور علمبردار ہیں ان میں خوابیدہ صلاحیتیں ملک کی ترقی اور خوشحالی کی ضامن بن سکتی ہیں۔

فصل چہارم

نصاب تعلیم میں اسلامی وعصری ضروریات کا فقدان

مروّجہ اسلامی نظام تعلیم

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اسکی بنیاد اسلام ہے یا یوں کہیے کہ اس ملک میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو حاصل ہے اور ہمارا کام ایک ایسے معاشرے کی تعمیر و ترقی ہے جس میں لوگ قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، ان کا ہر کام قرآن وسنت کے مطابق ہو، حکم خداوندی کا اتباع ان کی زندگی کا مقصد اولین ہو اور پیروی اسوہ حسنہ ان کا شعار ہو، لہٰذا ہمارے نصاب کی تدوین کا بنیادی اصول اسلامی ضابطہ حیات ہونا چاہیے۔

معاشرے کی تعمیر و ترقی کا انحصار مدرسوں اور اسکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب پر ہوتا ہے جس قسم کا نصاب تعلیم ہوگا اسی قسم کا معاشرہ وجود میں آئے گا۔

ہمارا اسلامی نظام تعلیم (مدارس) کا انحصار جس کے متعلق یہ غلط فہمی ہے کہ یہ ہمارا مذہبی نظام تعلیم ہے حالانکہ یہ مذہبی نہیں بلکہ سول سروس کا نظام تھا جو اس وقت کی حکومتوں نے اپنی ضرورت کے لیے ترتیب دیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کی افادیت ختم ہو گی۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں

> "جہاں تک ہمارے پرانے نظام تعلیم کا تعلق ہے اس کے متعلق یہ غلط فہمی ہے کہ یہ ہماری قدیم مذہبی تعلیم کا نظام تھا۔ دراصل یہ مذہبی تعلیم کا نہیں بلکہ سول سروس کا نظام تھا جو قدیم زمانے میں مسلمان حکومتوں کی ضروریات کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ اس نظام کی افادیت عملاً اس دن ہی ختم ہو گی تھی جس روز انگریزی حکومت یہاں مسلط ہو گی۔"(1)

انگریز حکومت قائم ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنی نوعیت کا نظام تعلیم رائج کر دیا اور اس کے مقابل میں مسلمانوں کا منظم کرتا نظام ختم کر دیا گیا اور یہ شرط عائد کر دی گی سرکاری ملازمتوں کے دروازے صرف سرکاری مدارس کے فضلاء کے لیے کھلے ہوئے ہیں مسلمانوں نے سرکاری مدارس کا بائیکاٹ کر کہ مزید مشکلات میں پھنس گے اور سیاسی طور پر بھی کمزور ہو گے۔ اس نظام کے فضلاء کے لیے انگریز حکومت میں کوئی جگہ نہیں رہی خاص طور پر معاش کے دروازے بند کر دیئے گے لیکن مسلمانوں کو خطرہ لاحق ہوا کہیں ہماری تہذیب وثقافت ہی ہم سے نہ چھن جائے جسکی وجہ سے ہمارا کہیں وجود ختم ہو جائے۔ نصاب تعلیم اگرچہ ہماری ضروریات پورا کرنے کے لیے ناکافی تھا لیکن صدیوں کی

---

[1]۔ تعلیمات، ص:128:127

میراث اس میں موجود تھی اوراس کے علاوہ مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اچھا خاصا مواد موجود تھالہذا اسی نصاب کو مدارس اسلامیہ نے اپنے لیے تجویز کر لیا اور وہ نصاب تعلیم آج تک ہمارے اسلامی نظام کا حصہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گی۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس (نصاب تعلیم) میں ہماری صدیوں کی تہذیبی میراث موجود تھی اور ہماری مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی اس میں کچھ نہ کچھ سامان پایا جاتا تھا اس لیے دودر غلامی کے آغاز میں ہماری قوم کے ایک اچھے خاصے بڑے عنصر نے یہ محسوس کیا کہ اس نظام کو جس طرح بھی ہو سکے قائم رکھا جائے تاکہ اپنی آبائی میراث سے بالکل منقطع ہو کر ہمارا قومی شیرازہ منتشر اور ہمارا قومی وجود بالکل ہی ختم نہ ہو جائے۔"[1]

ہمارا اسلامی نصاب تعلیم دینی عنصر سے بہت حد تک خالی ہے اس میں فلسفہ اور منطق کی کتب شامل ہیں اور زیادہ زور عربی ادب نحو و صرف وغیرہ کی کتب پر دیا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں اسلامی نصاب تعلیم پر اتنی محنت نہین کی جاتی۔

مولانا مودودیؒ اسی کمی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"حقیقت میں اس (نصاب) کے اندر دینی تعلیم کا عنصر بہت کم ہے۔ اس میں جس قدر زور اس دور کے فلسفہ، منطق، ادب اور صرف و نحو وغیرہ علوم پر دیا جاتا ہے قرآن و حدیث اور دین کی اساسی تعلیمات پر نہیں دیا جاتا۔"[2]

اسلامی نظام تعلیم میں (مدارس) زیادہ تر زور قدیم فلسفہ اور عربی بلاغت پر رکھا جاتا ہے طلباء کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں ان پر خرچ ہو جاتی ہیں ان کے اندر تحقیقی مہارتیں نہیں پیدا ہوتی نتیجتاً وہ پیش آمدہ مسائل حل کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ مولانا مزید لکھتے ہیں:

"تحقیقی مطالعہ قرآن جو آدمی کو مفسر بنا سکے کسی مدرسے کے نصاب میں شامل نہیں۔ یہی صورت حال تعلیم حدیث کی ہے اسکی بھی باقاعدہ تعلیم جیسی ہونی چاہیے اور جیسی محدث بننے کے لیے درکار ہے کہیں نہیں دی جاتی۔"[3]

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:128

[2] ۔ایضاً، ص:129

[3] ۔ایضاً

اس نظام میں جو نصاب پڑھایا جارہا ہے یہ وہی نصاب ہے جو ملا نظام الدین سہالوی نے ترتیب دیا تھا اس کے بعد یہ نصاب انہی کے نام سے موسوم ہو گیا۔اس نصاب میں علوم عربیہ۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام، فلسفہ و منطق، ریاضی اور ہندسہ وغیرہ علوم شامل ہیں۔ چنانچہ اس دور کے تمام ضروری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے اندر وہ تمام علوم سمو دیئے گئے تھے جن کی معاشرے کو ضرورت تھی، لیکن اب جدید دور کے نئے تقاضے ہیں جدید اور قدیم فلسفہ میں تضاد ہے لہٰذا عصر حاضر کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اس نظام کے نصاب میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔اگرچہ اس نظام کے تحت کام کرنے والے ادارے ایک حد تک قرآن و سنت اور ان سے متعلقہ علوم کا کام کر رہے ہیں لیکن انگریزی زبان اور عصری علوم سے لاتعلقی اور غلط تعلیمی ترجیحات کی بنا پر ان کا دائرہ کار نہایت محدود ہے اور یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء عصر حاضر کے علمی و عملی تقاضوں سے بالکل بے خبر اپنی ہی دنیا میں مگن ہیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ جدید عقلی دور میں دین کی فہم اور اس کے مطابق ایک نظریاتی اسلامی مملکت کی تشکیل میں یہ نظام تعلیم موثر کردار نہیں ادا کر رہا ہے۔

جدید نظام تعلیم

پاکستان ایک مخصوص نظریے کے تحت وجود میں آیا ہے وہ نظریہ اسلامی نظریہ حیات ہے اشتراکی مالک کو چھوڑ کر جن کا اپنا نظریہ حیات ہے، دنیا کے اکثر ممالک کسی نہ کسی مذہب سے ضرور تعلق رکھتے ہیں لہٰذا عوام کی خواہشات اور امنگوں کا خیال رکھتے ہوئے نصاب کی تدوین کرنی چاہیے تاکہ مذہبی اور روحانی قدروں کو بھی تسکین مل سکے۔انسان بعض ایسے نفیس اور لطیف جذبات رکھتا ہے جن کی تشفی کے لیے مذہبی اور روحانی بنیادوں پر نصاب مرتب کیا جانا بہت ضروری ہے تاکہ شخصیت کی تعمیر مادیت اور روحانیت کا حسین امتزاج ہو اور شخصیت کی تکمیل اسلامی عقد کے مطابق کی جاسکے۔ ہمارے فلسفہ حیات میں دینی اور روحانی قدریں لازمی عنصر ہیں اور ان کو نصاب سازی میں نمایاں جگہ ملنی چاہیے تاکہ ہمارے بچے تعلیم و تربیت کے بعد اسلامی قدروں کو ٹھوس بنیادوں پر اپنا سکیں۔ان کے اخلاق و کردار کی تعمیر اسلام کے زریں اصولوں پر ہو سکے اور ان میں وسعت نظری، عدل و انصاف، مساوات اور بین الاقوامیت کا جذبہ کارفرما ہو۔ محمد صلاح الدین لکھتے ہیں۔

> "نظام تعلیم کی روح اور اس کے مزاج و کردار کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کا مقصد اس دنیا میں عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کا قیام، اس مقصد کی تکمیل کے لیے اعلیٰ ترین انسانی کردار کی تشکیل اور اس تشکیل کے لیے اولیٰ ترین اخلاقی اقدار پر مبنی نظام تعلیم و تربیت کا انتظام ہے۔"[1]

[1] محمد صلاح الدین، حضورؐ کے قائم کردہ نظام تعلیم و تربیت کی روح، مجلہ لاہور، تنظیم اساتذہ پاکستان، جون 1985ء، ص:10

لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ہمارا جدید نظام تعلیم جس میں نہ صرف دینی اور اسلامی عنصر کا فقدان ہے بلکہ وہ معاشرے کو بے دین بنانے کا ایک زبردست آلہ بھی ہے ملک وملت سے اس کی ملکی لاتعلقی اور ان جدید اداروں میں پڑھائے جانے والے مضامین کے ناخداشاس رنگ نے ہماری نوجوان نسلوں کے تصور دین، شعور حیات اور انفرادی اخلاق پر نہایت تباہ کن اثرات مرتب کیے ہیں۔ کیونکہ یہ وہی نظام تعلیم ہے جو انگریز نے اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد ہندوستان میں قائم کیا اور پھر تقسیم کے بعد من وعن اسی نظام کو پاکستان میں لاگو کر دیا گیا جو تاحال جاری وساری ہے۔ ظاہر ہے انگریز کے اس نظام سے مقاصد اور نتائج اور تھے بہ نسبت جو مسلمانوں کے کے نزدیک ہو سکتے تھے۔ مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں

"(انگریز نے یہاں جو نظام تعلیم قائم کیا) یقیناً انگریز کے سامنے انسانیت کا وہ نقشہ ہر گز نہیں تھا جو مسلمانوں کے سامنے ہونا چاہیے۔ انگریز نے یہ نظام تعلیم یہاں اس لیے قائم نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں کی تہذیب کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لیے کارکن تیار کرے۔؟ ظاہر بات ہے یہ چیز اس کے پیش نظر نہیں ہو سکتی تھی۔"(1)

یہ اس جدید نظام تعلیم کی ہی فطرت تھی کہ وہ ہماری نوجوان نسلوں کے دین، ثقافت اور قومی خودی پر ڈاکہ ڈالے اور انہیں مغربی سامراجیوں کا جی حضور بنا کر رکھ دے۔

اسلام کے نام پر بننے والے ملک کے جدید تعلیمی اداروں میں اسلام اور اسلام کا شائبہ تک نہیں دین اسلام اس مملکت کا سرکاری مذہب ہے کے بنیادی ماخذ سے استفادہ تک نہیں حالانکہ عہد نبوی میں نصاب تعلیم کا مرکز ومحور قرآن مجید تھا تاہم آپ ﷺ نے دوسرے علوم وفنون مثلاً ریاضی، طب، خطاطی، علم الانسانیت، نشانہ بازی اور قانون وراثت سیکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عربی ادب کے علاوہ دوسری زبانوں کی تدریس کو بھی آپ ﷺ ضروری خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت کو دوسری زبان سیکھنے کا حکم دیا، آپ ﷺ کے نصاب سے مسلم مفکرین نے بڑے اہم نتائج اخذ کیے ہیں۔

ان میں سے کچھ تصورات درج کیے جاتے ہیں۔

((طَلَبُ العلمِ فَرِيضَة عَلىٰ كُلِ مُسلمٍ))(2)

ترجمہ: طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

1۔ تعلیمات، ص: 130،131

2۔ سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی، ابو قاسم الطبرانی، (متوفٰی 360ھ)، المعجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، پہلی طباعت، 1415ھ/1994م، الریاض، ج10، ص: 195، حدیث، 1043

علامہ زرنوجی اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ :

"ہر فرد جو دنیاوی کا سرانجام دے اس کے احکامات قرآن مجید اور احادیث سے معلوم کرے تاکہ دنیاوی کام دین کی بنیاد پر سرانجام دینے سے اس کے لیے عبادت بن جائے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ایک فرد تمام علوم حاصل نہیں کر سکتا تاہم ہم جو بھی کام کرے اس کے اصول وضوابط کا جاننا فرض ہے جیسے نماز فرض ہے اس سے متعلق فرائض وواجبات اور دیگر اصولوں کو جاننا بھی فرض ہے اگر کوئی تاجر ہے تو تجارت کے بارے میں تمام اسلامی احکامات کا جاننا فرض ہے۔"[1]

امام غزالیؒ احیاء العلوم کے مقدمے میں اسلامی نظام تعلیم کے پیش نظر سارے علوم کو ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں لیکن آداب متعلم کی بحث میں دینی اور غیر دینی کی تقسیم کر کہ دینی علوم کو فرض قرار دیتے ہیں وہ علوم کو محمود اور مذموم کی دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

"جو علم متعلم اور عوام الناس کے لیے فائدہ مند ہو وہ علم محمود ہے اور جو خود متعلم کے لیے اور عوام الناس کے لیے ضرر رساں ہو مذموم ہے۔"(2)

کس مضمون کو کتنی اہمیت اور افادیت دی جائے ؟امام غزالیؒ کا خیال ہے کہ مضامین کی اہمیت اور افادیت کے تحت ایک مربوط نصاب تعلیم ترتیب دیا جائے۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں

"یہ (جدید) تعلیم خدا پرستی اور اسلامی اخلاق سے تو خیر خالی ہے ہی غضب یہ ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں وہ بنیادی انسانی اخلاقیات بھی پیدا نہیں کرتی جن کے بغیر کسی قوم کا دنیا میں ترقی کرنا تو درکنار زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔"(3)

حقیقت یہ ہے کہ نصاب کسی قوم کی نظریاتی، معاشی معاشرتی، اور سیاسی امنگوں کا آئینہ ہوتا ہے کوئی نصاب اس وقت تک موثر اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اسے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے۔ معاشرے میں ہمہ گیر تبدیلیاں لانے کے لیے تمدن کے جدید تقاضوں کے تحت نصاب تیار کیا جائے، تعلیم کو بامقصد بامعنی اور مربوط بنانے کے لیے بہترین نصاب کی تدوین ضروری ہے۔ تعلیم کی اہم حیثیت کا تقاضا ہے کہ نصاب کی تیاری پر زیادہ سے زیادہ

---

[1] برہان الدین الزرنوجی، تعلیم المتعلم، مترجم ڈاکٹر طفیل ہاشمی، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، 2017، ص:15

[2]۔ ابو حامد، محمد بن محمد غزالی، احیاء العلوم، باب العلم، 2009، قرآن اکیڈمی، جھنگ، ج:1، ص:

[3]۔ تعلیمات، ص:132

تجربہ کار، دانشورانہ کاوش صرف کی جائے تاکہ تعلیمی عمل فی الواقع ایسے نتائج پیدا کر سکے جن کے لیے تعلیم جدید سے امیدیں وابستہ کی گئی ہیں۔

ہر قوم اپنا تعلیمی نظام نئی نسل کو مخصوص طرز زندگی کا خوگر بنانے کے لیے وضع کرتی ہے معاشرے کو بلند مقام پر لے جانا تعلیم کی اہم ذمہ داری ہے لہٰذا تعمیر نصاب میں پاکستانی ماحول اور معاشرے کے تقاضوں اور قدروں کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

> "جدید تعلیم و تہذیب کے مزاج اور اس کی طبعیت پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اسلامی مزاج اور اس کی طبعیت کے بالکل منافی ہے، اگ ہم اسے بجنسہ لے کر اپنی نوخیز نسلوں میں پھیلائیں گے تو انھیں ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے کھو دیں گے۔"[1]

اسلام کا اپنا ایک تمدن اور نظام ہے اس لیے بچوں اور نوجوانوں کی تربیت اس طرز پر کی جائے کہ وہ انسانیت و شرافت محبت اور ہمدردی عدل و انصاف اور وفاداری کا مجسمہ بن سکیں۔ نصاب میں ایسے مضامین بھی رکھے جائیں جن کے مطالعے سے بچے اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنا سیکھیں اور دوسروں کی مدد کرنے کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھیں، اتحاد و تعاون سے ایک دوسرے کے کام آسکیں۔

---

[1]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ منصورہ ملتان روڈ، لاہور، پاکستان، مارچ 2017ء، ص:138

خلاصہ باب

باب دوم سید وبوالا علیٰ مودودیؒ کے تعارف اور تعلیمی نظریات پر مشتمل ہے جس کو مزید چار فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل میں مولانا مودودیؒ کے حالات زندگی کو بیان کرتے ہوئے ان کی بنیادی تعلیم و تربیت سے لے کر وفات تک واقعات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس فصل میں مولانا مودودیؒ کی تحریری، تقریری اور تحریکی سرگرمیوں کو بھی بیان کی گیا ہے۔اس فصل میں مولانا مودودیؒ کے جدید اور اسلامی نظامہائے تعلیم کے بارے میں افکار و نظریات ، تعلیم نسواں کی اہمیت و ضرورت ، مخلوط نظام تعلیم کے منفی اثرات اور انگریزی زبان کے حوالہ سے ان کے نقطہ نظر کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسری فصل نظامہائے تعلیم کے ان نقائص اور خامیوں کی وضاحت میں ہے جن کی نشاندہی مولانا مودودیؒ نے کئی مواقع پر کی تھی۔اسلامی نظام تعلیم (جس کو قدیم نظام تعلیم سے تعبیر کرتے ہیں) کی کمیاں اور جدید مغربی نظام تعلیم کی خامیاں کی نشاندہی کرتے ہوئے دین ودنیا کی تفریق کے تصور کو باطل قرار دیتے ہیں۔

تیسری فصل میں مروّجہ نظامہائے تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کے عمل و کردار پر بحث کی گئی ہے۔اس فصل میں ایک طرف اسلامی نظام تعلیم سے فارغ التحصیل افراد کی مثبت و منفی معاشرتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے تو دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ افراد کے مفید اور مضر معاشرتی پہلوؤں کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔

چوتھی اور آخری فصل میں نظام تعلیم میں ریڑھ کی حیثیت رکھنے والے اہم اور بنیادی رکن نصاب تعلیم میں مولانا مودودیؒ کے نزدیک اسلامی و عصری ضروریات کے فقدان پر گفتگو کی گئی ہے۔مولانا مودودیؒ کے افکار کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی نظام تعلیم میں عصر حاضر میں جن اسلامی اور عصری ضروریات کی کمی محسوس کی گئی ہے ان کی نشاندہی کی گئی ہے اسی طرح جدید نظام تعلیم جن اسلامی ضروریات کا متقاضی ہے اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

باب سوم

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تعلیمی افکار و نظریات

فصل اول: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا تعارف و تعلیمی نظریات

فصل دوم: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور مروّجہ نظام تعلیم کے بنیادی نقائص

فصل سوم: نصاب تعلیم کی اصلاحات اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا نقطہ نظر

فصل چہارم: مروّجہ نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کی فکری صلاحیتوں کا جائزہ

فصل اول

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا تعارف اور تعلیمی نظریات

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ماضی قریب کے نامور، جید اور بیشتر اوصاف کے پیکر عالم دین تھے، بیسوی صدی کے عظیم دانشور، محقق، تاریخ داں، مفکر اسلام اور ملت اسلامیہ کا سرمایہ تھے۔ وہ ایک فلسفی، مصنف، صوفی، ماہر تعلیم، ماہر معاشیات، متکلم اور مفسر تھے، قرآن و حدیث پر ان کی محققانہ نظر انہیں معاصر علماء میں ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ تاریخ وسیر پر ان کی محکم گرفت انہیں ایک بالغ نظر مؤرخ کی حیثیت دیتی ہے۔ تعلیم وتربیت پر ان کی گہری نظر انہیں ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے ممتاز کرتی ہے۔انشاء کی بے پناہ صلاحیت انہیں ایک ممتاز ادیب کی فہرست میں شامل کرتی ہے۔ قلم اور زبان بیان پر نمایاں قدرت کی وجہ سے انہیں ایک عظیم صحافی بھی کہا جاسکتا ہے۔ جرات، نمایاں انداز، خداداد صلاحیت متنوع اور منفرد خیالات کی بنیاد پر ہم انہیں ایک جامع علوم دانش ور کہہ سکتے ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ حسنی و حسینی سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔[(1)]

ان کے آباؤاجداد موضع مانہ شیخوپورہ ضلع مونگی[2] ر صوبہ بہار کے رہنے والے تھے جو سادات زیدی الواسطی بارہ بستیوں میں سے ایک ہے۔ یہ بارہ مواضعات بارہ گاؤں کہلاتے ہیں جہاں سید احمد جاجنیری کی اولاد آباد ہے۔[(3)]

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا آبائی پیشہ کاشتکاری اور ذمہ داری تھا۔ان کے پردادا میر شجاعت علی کی پہلی شادی موضع چوارہ نزد شیخوپورہ ضلع مونگیر میں ہوئی۔ دوسری شادی موضع گیلانیؒ ضلع پٹنہ میں بی بی قبولن سے ہوئی۔اس طرح میر شجاعت علی گیلانیؒ کے باشندے ہوگے۔

ولادت: مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ 9ربیع الاوّل 1310ھ بمطابق یکم اکتوبر 1892ء کو اپنے ننھیال موضع استھانواں[4] ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے ان کا تاریخی نام "مناظر احسن" ہے۔"[(5)]

---

[1] ۔ ابو سلیمان شاہجہان پوری، مولانا سید مناظر احسن گیلانی شخصیت اور سوانح، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ (بھارت)، 2002ء، ص:6

[2] ہندوستان کا تاریخی شہر ہے۔(انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا)، جلد:15ص:187

[3] ۔ مظفر گیلانی، مضامین گیلانی، اردو اکادمی، بہار پٹنہ، (بھارت)، 1986، ص:42

[4] پٹنہ ضلع بہار انڈیا میں موجود ہے۔

[5] ۔ مظفر گیلانی، مضامین گیلانی،، شخصیت و سوانح، ص:7، صدق جدید، لکھنؤ، 15جون 1956، حیات مولانا گیلانی، ص:36

مولانا کی پرورش وپرداخت کا بڑا حصہ دادھیال گیلانیؒ میں گذرا جہاں مولانا اس وقت مولانا ابدی نیند سورہے ہیں اور جس سے آپ کو بے انتہا انس ومحبت تھی۔آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے دادا کا انتقال ہو چکا تھا چچا مولانا حکیم ابو نصر صاحبؒ اور والد بزرگوار حافظ ابوالخیرؒ کے زیر سایہ آپ کی پرورش ہوئی،آپ کی والدہ بھی ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور دیندار تھیں۔گھر کا ماحول مولوی خاندان ہونے کی وجہ سے دیندارانہ، مومنانہ ومخلصانہ تھا اسی ماحول میں آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی، آپ کے چچا حکیم ابو نصیر کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے آپ کی ساری توجہ اپنے اس بھتیجے (مناظر احسن) پر مرکوز تھی کہ کسی طرح یہ خاندان کی عظمت اور عزت کا نشان بن جائے اور دادا کی خالی مسند اس سے رونق پذیر ہو۔[1]

تعلیم وتربیت

مولانا گیلانیؒ کے چچا حکیم ابو نصیر نے مولانا گیلانیؒ کی تعلیم وتربیت صغر سنی سے ہی اپنے ذمہ لے لی تھی اگرچہ اس وقت انگریزی تعلیم کا چرچہ عام ہو چکا تھا لیکن چچا نے خاندانی روایت کے مطابق انہیں اسکول اور کالج کی تعلیم سے مبرا رکھا۔ مولوی ابو نصیر خود بھی حکیم اور عالم تھے اور منطق وفلسفہ میں اپنے والد مولانا محمد احسن کے نقش قدم پر گامزن تھے[2]

ابتدائی تعلیم قرآن مجید، اردو، فارسی اور عربی صرف ونحو کی کتابیں گیلانی میں ہی ہوئیں اور اس کا بڑا حصہ خود چچا محترم نے پڑھایا۔[3] ابتدائی تعلیم کے بعد دوسرا دور جو تقریباً آٹھ برس کی مدت پر پھیلا ہوا تھا، ٹونک[4] کے مدرسہ خلیلیہ میں گزارا۔[5]

مولانا گیلانیؒ کو اللہ تعالی نے بچپن ہی سے ذہانت وفطانت کی اعلیٰ خوبیوں سے نوازا تھا اس لیے آپ کے چچا کی یہ خواہش تھی کہ ان کو بہتر سے بہتر تعلیم دلوائی جائے۔قسمت سے اس وقت مولانا احسن کے ایک شاگرد حکیم دائم علی صاحب ریاست ٹونک میں سرکاری طبیب تھے اور انہوں نے منطق وفلسفہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، ان کے فرزند ارجمند حکیم برکات نے مدرسہ کو چار چاند لگادیئے۔شاید اس وقت فلسفہ ومنطق میں کوئی ہندوستان میں ان کا ثانی

---

[1] ۔ ظفیر الدین مفتاحی، مولانا، حیات مولانا گیلانی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1994ء ص:38

[2] ۔ مضامین گیلانی، ص:16

[3] ۔ حیات مولانا گیلانی، ص:38

[4] برطانیہ کی بالادستی معاہدے کے تحت 1857ء میں ایک نوابی ریاست تھی، یہ ریاست موجودہ بھارت کے ضلع ٹونگ میں واقع ہے۔

[5] ۔ احمد اللہ ندوی، حکیم، تذکرہ مسلم شعرائے بہار (حصہ چہارم)، کراچی، 1968ء، ص:219

نہ تھا۔ مولانا گیلانیؒ کی تعلیم کے سلسلہ میں ابو نصر صاحب کی نظر مولانا برکات احمد پر پڑی اور اپنے بھتیجے کو مولانا برکات احمد کے پاس راجپوتانہ کی دور دراز ریاست ٹونک میں چھوڑ آئے۔ اس وقت مولانا گیلانیؒ کی عمر تیرہ سال تھی، وہ تقریباً سات سال تک ٹونک میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔[1]

"مولانا گیلانیؒ 1913ء میں دیوبند آکر داخل ہوئے اور 1914ء میں سالانہ امتحان دے کر فراغت حاصل کی۔"[2]

طالب علمی کے ادوار

(پہلا دور (ابتداء سے 1331ھ/1906ء تک)

پہلا دور گیلانیؒ میں گزرا جہاں آپ نے ناظرہ قرآن، اردو، فارسی اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں۔ وہاں کے اساتذہ میں صرف مولانا کے محترم چچا مولانا سید ابو نصر کا نام بحثیت استاد کے آیا ہے ممکن ہے کوئی اور بھی رہا ہو مگر ان کا نام کہیں اور نہیں مل سکا۔

دوسرا دور (1324ھ۔1331ھ/1906ء۔1913ء)

دوسرا دور طالب علمی ٹونک میں گزرا اور سب سے لمبا زمانہ تھا۔ وہاں آپ نے معقولات میں ایسا غوطہ لے کر اور اصول فقہ عربی ادب، ریاضی، فلسفہ، ہیئت کا پورا نصاب ختم کیا۔ وہاں کے اساتذہ میں معقولات کے استاد حضرت مولانا برکات احمد صاحب تھے اور فنون کے استاد حضرت مولانا محمد اشرف صاحب تھے۔

تیسرا دور (1331ھ۔1332ھ/1913ء۔1914ء)

تیسرا دور طالب علمی کا دار العلوم دیوبند میں گزرا۔ یہاں آپ نے صرف ایک سال رہ کر علم حدیث کی تکمیل کی۔ اس دور کے اساتذہ میں استاذ العلماء شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانیؒ عارف باللہ حضرت مولانا میاں سید اصغر حسینؒ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا غلام رسولؒ صاحب حضرت مولانا گل محمد خاںؒ صاحب، مولانا حکیم احمد حسنؒ صاحب برادر شیخ الہند، یہاں پہنچ کر طالب علمی کا رسمی دور ختم ہو گیا۔[3]

1۔ مضامین گیلانی، ص:20:19

2 ۔ حیات مولانا گیلانی، ص:91

3 ۔ ایضاً، ص:91،92

تحریراوراسلوب بیان

مولانا گیلانیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میدان میں بھی اپنے فضل کا خصوصی حصہ ودیعت فرمایا تھا۔ ویسے آپ کی شخصیت بہت ساری خوبیوں کا مرقّع تھی لیکن تحریر وتصانیف خاص پہچان بنی، علامہ سید سلمان ندوی اسی لیے آپ کو سلطان القلم کہا کرتے تھے۔ سب سے بنیادی وصف جو ان کی تحریروں میں کارفرما ہے وہ ان کے قلب کا گداز اور جان کا سوز ہے۔ جو حروف والفاظ اور مواد تحریر میں روح تاثیر کی طرح جاری وساری ہوتا ہے۔[1]

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تبحر علمی اور قلم روانی کا یہ عالم تھا جب لکھنے بیٹھ جاتے تو گھنٹوں بیٹھے رہتے اور لکھتے جاتے، اس خوبی کے بارے میں مولانا عبدالباری ندوی بیان کرتے ہیں:

"لکھنے کا بھی یہی حال کہ نہ لکھتے تو مہینوں سالوں کچھ نہ لکھتے اور لکھنے پر آجاتے تو دن رات ایک کر دیتے، رات رات بھر پلک نہ جھپکاتے، پہلو میں تکیہ دبائے نیم دراز پلنگ پر لیٹے لیٹے اور اکثر پنسل ہی سے ہفتوں کیا دنوں میں سینکڑوں صفحات کی کتاب پوری کرڈالتے۔"[2]

بلاشبہ مولانا گیلانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر واسلوب کا ملکہ عطا کیا تھا، جب وہ لکھتے تو لکھتے چلے جاتے۔ ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ جب وہ کوئی بات شروع کرتے پھر بات سے بات نکلتی چلی جاتی اسطرح وہ بہت دور نکل جاتے لیکن کمال یہ تھا کہ تحریر کا فکری ربط اور معنویت کہیں نہیں معدوم ہونے دیتے تھے جس سے قاری کو بُعد مسافت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ تحریر میں ان کے جملہ ہائے معترضہ دور تک پھیل جاتے تھے بعض اوقات فصلوں سے بڑھ کر ابواب تک پہنچ جاتے تھے اس طرح وہ ایک فن کے اندر کئی علوم کو سمو دیتے تھے۔

وفات

مناظر احسن رضی اللہ علیہ تعالیٰ عنہ الولی الوکیل 25 شوال 1375ھ/25 جون 1956ء

خان کلم تبعد علیٰ متعبدیلی اکل من تحت اتراب بعید من تلمیذه ممنون برو متشکر

لا حسانه محمد مخدوم محی الدین الحید آبادی۔[3]

1۔ مولانا مناظر احسن گیلانی شخصیت اور سوانح، ص:76

2۔ منت اللہ رحمانی،، مکاتیب گیلانی، دارالاشاعت رحمانی، خانقاہ مونگیر، بھارت، 1972ء، ص:43

3۔ عبدالماجد دریاآبادی،، صدق جدید، ہفت روزہ، لکھنؤ، 14، اکتوبر 1957ء، ج،7، ص:40

مولانا گیلانیؒ نے بوقت صبح سات بجے داعی اجل کو لبیک کہا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، بعد از نماز ظہر جنازہ ادا کیا گیا جس میں آس پاس کے سب مسلمانوں نے شرکت کی، نماز جنازہ اس علاقہ کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا سید فصیح احمد استھانویؒ نے پڑھائی اور اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کردیئے گے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔(1)

مولانا گیلانیؒ کی تصنیفات

تصنیف وتالیف کے لحاظ سے وہ عصر حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔انہوں نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کیا ہے وہ بیسوں آدمیوں کو مصنف اور محقق بنا سکتا ہے۔اس ایک آدمی نے تن تنہا وہ کام کیا جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور جماعتیں کرتی ہیں، مولانا کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

1۔سوانح قاسمی (3 جلدیں) 2۔ہزار سال پہلے 3۔احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن 4۔اسلامی معاشیات 5۔ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (2 جلدیں) 6۔امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی 7۔ تدوین قرآن۔8۔تدوین حدیث 9۔النبی الخاتم 10۔دربار نبوت کی حاضری 11۔مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ 12۔عبقات 13۔مقالات احسانی 14۔الدین القیم۔15 تدوین فقہ 16۔تذکرہ شاہ ولی اللہ 17۔حضرت ابوذر غفاری۔(2)

مولانا گیلانیؒ کے تعلیمی نظریات

تعلیم کی تعریف

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز بڑا منفرد اور جدا تھا۔ تعلیم کے بارے میں ان کے اپنے خیالات اور نظریات ہیں جو کہ مسلمانوں کے افکار کی ترجمانی کرتے ہیں۔

> "نہ جانی ہوئی چیزوں کو جاننے کی انسان میں جو قدرتی صلاحیت ہے اس کو اُبھارنا۔ طلباء میں ایک ایسی استعداد اور اس کا راسخ ملکہ پیدا کیا جائے تاکہ تعلیمی زندگی سے الگ ہونے کے بعد اپنے متعلقہ فنون کے حقائق و مسائل تک استاد کی اعانت کے بغیر اس کی رسائی ہونے لگے، خود سوچنے کی، دوسروں کی سوچی ہوئی باتوں کے سمجھنے کی، خواہ وہ کسی کی پیچیدہ اور دقیق تعبیر میں پیش کی گئی ہوں، تنقید یا صحیح کو غلط سے جدا کرنے کی صلاحیتوں کو مدرسہ سے لے کر باہر نکلے۔"[3]

---

[1] ۔ظفیر الدین مفتاحی،، حیات مولانا گیلانی، صدق جدید، لکھنؤ، ہفت روزہ، 15 جون 1956ء برھان، ماہنامہ دہلی، جولائی 1956ء، ج 37، ص: 302

[2]۔ http://www.elmedeen.com/author-165-حضرت-علامہ-سید-مناظر-احسن-گیلانی-صاحب

[3] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص: 350/1

مولانا گیلانیؒ نے یہ ایک جامع تعریف کی ہے جس سے ان کے تصور علم پر روشنی پڑتی ہے

مقاصد تعلیم

مولانا گیلانیؒ کے نزدیک تعلیم وہی معتبر ہے جو معلومات کے بجائے عملاً زندگی کا حصہ ہو۔ تعلیم کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تعلیم کا بنیادی مقصد ایک مسلمان کے لیے یہ ہونا چاہیے کی کم از کم بنیادی اسلامی تعلیمات سے نہ صرف آشنا ہو بلکہ اس کو اپنی زندگی کا حصہ بھی بنانا چاہتا ہو۔"[1]

مولانا گیلانیؒ نے اپنے نظریات کے پیش نظر اپنے تعلیمی مقاصد بیان کیے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

(الف) تعلیم و تربیت کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ۔ علم الانسان مالم یعلم۔ یعنی انسان جو نہیں جانتا اسے جاننے کی انسانی فطرت میں جو قدرت صلاحیت ہے اس کو جہاں تک ممکن ہو بروئے کار لانے کے لیے چمکایا جائے دھویا جائے صاف کیا جائے۔[2]

(ب) تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم سے پہلے سوچنے والے جو کچھ سوچ چکے ہیں ان باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی ہم میں پیدا ہو۔[3]

مولانا گیلانیؒ کے نزدیک تعلیم وہی معتبر ہے جو عمل و کردار سے ثابت ہو۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی اس کو خوب پالش کیا جائے اور اکابر و اسلاف کی سوچ و فکر کو سمجھتے ہوئے علم میں آگے بڑھا جائے۔

نظریہ وحدت تعلیم

مولانا گیلانیؒ نظام تعلیم کی اساسی تشکیل کو خاص توجہ کا مستحق سمجھتے تھے۔ مولانا نظام تعلیم کے احوال پر ایک کتاب تصنیف کی، "ہندوستان کے مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" اس کتاب میں انہوں نے مؤرخانہ اور ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے گفتگو کرتے ہوئے نظام تعلیم کی وحدت کا خاکہ پیش کیا۔ اس کا مقصد ان کی نگاہ میں یہ تھا کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں جو ثنویت آ گئی ہے اسے ختم کیا جائے تاکہ ان کی اصطلاح میں مسٹر اور ملّا کے نام سے جو دو الگ الگ طبقات بن گئے ہیں وہ ختم ہو جائیں۔

---

[1] دار المصنفین، معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ، دہلی، ج، 56، جولائی 1945، ص: 11

[2] ایضاً

[3] ایضاً

ان کے خیال میں مسلمانوں میں دو نظام تعلیم رائج ہیں، ایک قدیم مدارس کا روایتی نظام تعلیم ہے، دوسرا مروّجہ مغربی نظام تعلیم ہے، وہ چاہتے تھے کہ مسلمان ایک ہی نظام کے تحت تعلیم حاصل کریں۔ اس کا خاکہ انہوں نے یہ بنایا کہ مسلمانوں کو جدید علوم بھی حاصل ہوں اور قدیم علوم میں سے قرآن وحدیث اور فقہ وسیرت کے خاص حصہ کی تعلیم حاصل ہو جائے، پھر کسی کو دینی علوم میں تخصص کرنا ہو وہ اسلامی علوم کے مرکزی مدارس میں تعلیم حاصل کرے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس کے سوا اور کیا چاہتا ہوں کہ اسلام کے اساسی علوم (قران و حدیث وفقہ) کو لازم قرار دے کر قدیم علوم کی جگہ جدید علوم وفنون کو قبول کر لیا جائے اور اسلامی علوم کے کسی خاص فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے تخصیصی درجے قائم کر دیئے جائیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طریقے سے نصاب کی دوئی کو ختم کر کہ مسلمانوں کے لیے ایک ہی تعلیمی نصاب کے قائم کرنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔"[1]

مولانا گیلانیؒ نے جو وحدت تعلیم کا خاکہ پیش کیا اس کا مرکزی خیال یہی ہے کہ دو طرح کے نظاموں کی دوئی اور شنویت کو ختم کر کے ایک ہی نظام اور سانچہ سے پوری قوم کو گزارا جائے۔

متعدد خطوط میں تعلیمی مسائل، نصاب تعلیم، مدارس کے ماحول، اساتذہ، تربیت اطفال کے لیے اقامتی تعلیمی اداروں کے قیام پر ان کی آراء ملتی ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ جدید مغربی طرز کے اسکولز اور کالجز کو مسلمان بنالیا جائے اور دینی مدارس کے نصاب میں دینی علوم کے ساتھ جدید علوم کی تعلیم شامل کر دینے سے مسلمانوں کا تعلیمی نظام بہتر نتائج پیدا کرے گا۔

ماخذِ علم اور مولانا گیلانیؒ کا زاویہ نگاہ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے نزدیک ذریعہ علم وحی الٰہی ہے، اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے جس میں شک کرنے کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ آخری پیغام صل (نماز پڑھ) صم (روزہ رکھ) وغیرہ احکام کی جگہ پہلا خطاب جس نے نوع انسانی کو آخری پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے مخاطب فرمایا وہ اقراء (پڑھ) کا لفظ تھا جس رب نے قلم سے سکھایا۔"[2]

مولانا گیلانیؒ چونکہ ایک مذہبی مفکر تعلیم ہیں اس لیے وہ ہر چیز کو وحی الٰہی کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور تعلیم جیسے اہم موضوع کو بھی وحی الٰہی کی روشنی میں ہی دیکھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک علم کا منبع اور مبداء حقیقی وحی الٰہی ہے۔

---

[1] ۔حیات مولانا گیلانی، ص:369،370

[2] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ج،1، ص:301

فصل دوم

مروجہ اسلامی نظام تعلیم میں نقائص

عالم اور تعلیم یافتہ کی تفریق

مولانا گیلانیؒ نے نظام تعلیم پر مؤرخانہ اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے گفتگو کرتے ہوئے نظام تعلیم میں دوئی اور ثنویت پر کڑی تنقید کی۔ان کے خیال میں مسٹر اور ملا کے نام سے جو دو الگ الگ طبقات بن گئے ہیں انہیں ختم کیا جائے۔

سید مناظر احسن گیلانیؒ نے برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی نظام سے متعلق مشکلات کے بارے میں بہت سی تجاویز پیش کیں جن پر عمل کرکے مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات کو حل کیا جاسکتا ہے ان میں سے ایک تجویز یہ تھی کہ:

"مسلمانوں میں تعلیم کا مستقل نظام سکولوں اور کالجوں کی صورت میں جو حکومت مسلطہ نے جاری کر رکھا ہے اس نظام کے دوہرے معیار کو ختم کرکہ صرف ایک ہی نظام کو قبول کر لیا جائے اسی لیے خاکسار نے اپنی التعلیمی تجویز کا نام "نظریہ وحدت نظام تعلیم" رکھا ہے۔"[1]

مولا مناظر احسن گیلانیؒ بیسویں صدی کی ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ذہنی ساخت تبدیل کرنے کے لیے پیدا فرمایا تھا۔وہ عجیب وغریب ذہن لے کر پیدا ہوئے تھے ایسا ذہن جو قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین سنگم ہو، جس میں قدیم علوم کی عظمت ورفعت بھی راسخ ہو اور جدید علوم کی ضرورت وافادیت بھی۔جو قدیم ماخذ کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنا بھی جانتا ہو اور نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کی طاقت بھی رکھتا ہو۔مولانا گیلانیؒ ہر صورت عالم اور تعلیم یافتہ کی تفریق کا خاتمہ چاہتے تھے۔ان کے خیال میں اگر یہ تفریق ختم نہ کی گی تو آنے والے وقتوں میں ان میں مزید اضافہ اور بعد بڑھ جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا قدیم تعلیم یافتہ جدید تعلیم یافتہ کو مذہب سے نکالے جانے کی باتیں کرے اور جدید تعلیم یافتہ مذہب پر تنقید کرے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایسی تجویز پاکستان بننے کے بعد بھی عمل نہ ہو سکا جب معاملات خود مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے کم وبیش تہتر سال بعد اس پر آج عمل ہو جانا چاہیے۔ہم مولانا کی فکر سے تو اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس کو ناقابل عمل قرار نہیں دے سکتے۔

---

[1] ۔مناظر احسن گیلانی، مولانا، مقالات گیلانی، شیخ زید اسلامک سنٹر لاہور، 2004ء، ص:198:99

غیر ضروری نصاب دینیات

نصاب کی نوعیت یا اس کے دائرہ عمل کے تعین کا انحصار اس کی اس افادیت پر ہے جو متعلم کو انفرادی او اجتماعی زندگی میں حاصل ہوتی ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے خیال میں دینیات کا جو نصاب جدید عصری تعلیمی اداروں میں پڑھایا جارہا ہے یہ غیر ضروری اور غیر اہم ہے لہٰذا اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ مولانا سکولی دینیات کے بارے فرماتے ہیں:

"نصاب کی تیاری کے لیے کہا گیا ہے، یہ مسئلہ میری دلچسپی کا تھا۔ میری رائے ہمیشہ سے اسکولی دینیات کے نصاب کے متعلق یہ تھی، فاتحہ سے الم ترکیف یا والضحیٰ تک تسبیح و تحیات وصلوۃ اور درود وغیرہ کا ترجمہ، عقائد سے متعلق آیات، سرور کائنات ﷺ کی زندگی، خلفائے راشدین، ائمہ اربعہ اور سلاسل اربعہ صوفیہ،[1] مڈل تک اسی نصاب تعلیم کو تقسیم کر کے رکھ دینا چاہیے۔"[2]

بد قسمتی سے ہماری اسکولی دینیات کے نصاب میں اسلامی تعلیمات کا معیار اس قدر پست رکھا گیا ہے کہ اس سے اسلام کی تعلیم کا ہزارواں حصہ بھی طالب علم کے سامنے نہیں آسکتا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے تقسیم ہند سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ دلائی وہ آج بھی جوں کا توں چل رہا ہے۔ کیونکہ ہمارا نظام تعلیم ہندوستان سے اخذ کردہ ہے وہی نصاب ہو بہو کچھ تبدیلیوں کے ساتھ ہمارے نظام کا حصہ ہے۔ اس دینیات میں نہ تو سیرت کی کوئی کتاب ہے اور نہ سیر صحابہ کی کوئی کتاب کہ جس کے پڑھنے کے بعد طلبہ اسلام کو عملی شکل میں سمجھ سکیں۔

مولانا مودودیؒ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

"ہمارے اسکول کے نصاب میں صرف ایک اسلامیات کی کتاب داخل نصاب کرنے سے ضرورت پوری نہیں ہوتی مستزاد یہ کہ اس میں بھی ایسا مواد نہ ہو جو طلبہ کو اسلامی تہذیب کو سمجھنے میں مدد دے، جب تک پورے ماحول کی اسلامائزیشن نہیں ہو گی صرف ایک کتاب سے اسلام سمجھنا بہت مشکل ہے۔"[3]

ایک طرف تو ہمارے معاشرے میں نسواں تعلیمی اداروں کی قلت ہے دوسری طرف جن نسواں تعلیمی اداروں کا قیام ہو چکا ہے ان میں غیر ضروری نصاب عورتوں کو پڑھایا جارہا ہے جس کا واسطہ عملی زندگی میں بہت کم یا نہ ہونے کے

---

[1] تصوف کے چار بڑے سلسلے جن میں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ شامل ہیں۔

[2]۔ حیات مولانا گیلانی، ص:150

[3] تعلیمات، ص:183

برابر ہے۔ پاکستان چونکہ ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہے، اسلام اور دین ہماری پہچان اور نظریہ حیات ہے لہٰذا دینیات اور اسلامیات ہمارے نصاب تعلیم کی روح ہے۔ لیکن تہتر سالوں سے ہمارا دینیات کا نصاب غیر معیاری اور بے مقصد چل رہا ہے۔ خاص طور پر دینیات کا نصاب نسواں جو غیر ضروری اور غیر اہم ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بہت پہلے تقسیم سے قبل ہی اس نقص کی نشان دہی کی تھی۔

"زنانہ نصاب میں صرف نماز روزہ کے متعلق ان کے مخصوص مسائل اور کچھ ادعیہ ماثورہ[1]، خلفائے راشدین وائمہ وصوفیہ کی جگہ امہات المومنین کے حالات زندگی مدل اور میٹرک تک اسی نصاب تعلیم کو تقسیم کر کے رکھ دینا چاہیے۔"(2)

اسلام نے جتنا زور مرد کی تعلیم حاصل کرنے پر دیا ہے اسی قدر عورت کی تعلیم پر بھی دیا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن میں سے ایک کی بھی علم سے لاتعلقی کائنات کے نظام کو درہم برہم کر سکتی ہے۔ خواتین کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ بچوں کی نگہداشت اور صحیح تربیت ہے۔ بچے کی ابتدائی درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے، اگر ماں تعلیم یافتہ اور سلیقہ شعار ہو تو اولاد بھی صاحب علم اور مہذب ہو گی۔ بچے اپنی ماں سے ہی طور طریقے اور آداب واطوار حاصل کرتے ہیں۔ ایک ماں ہی اپنی اولاد کے خیالات اور کردار کو سنوارنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ جب ماں کی بنیادیں مستحکم ہوں گی تو بچے بھی معاشرے کے اہم فرد کی حیثیت سے ابھر سکتے ہیں۔ اس لیے علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں"(3)

تعلیم نسواں لازمی ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں البتہ دائرہ کار کا تعین کرنا ہو گا تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن نبھا سکیں۔ نصاب تعلیم کو بہتر بنایا جائے خاص طور پر دینیات کا نصاب بہتر کرنے کے ساتھ ساتھ اداروں میں پورا اسلامی ماحول فراہم کیا جائے جہاں اسلامی شعائر کا اہتمام ہونے ساتھ لباس شرعی تقاضوں کے مطابق ہو۔

جدید نظام تعلیم اور دینی عنصر کا فقدان

اگر ہم جدید نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کو دیکھیں تو ہمیں کہیں اسلام اور دین خال خال ہی دکھائی دیتا۔ جدید تعلیمی اداروں میں نہ اسلامی تہذیب نظر آتی ہے اور نہ جدید نصاب تعلیم میں دینی مواد نظر آتا ہے۔ اس پورے نصاب تعلیم

---

[1] وہ دعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوں انہیں ادعیہ ماثورہ کہا جاتا ہے۔

[2] ۔ حیات مولانا گیلانی، ص:150

[3] ۔ کلیات اقبال، ص:964

میں طلبہ کو طبعیات پڑھنے سے اللہ کا قانون کارفرما نظر آتا ہے اور نہ فلکیات کا مطالعہ کرنے سے خدا کی قدرت کو پہچان سکتے ہیں اگر وہ سماجیات اور عمرانیات کا مطالعہ کریں تو کہیں دین اور اسلام نظر نہیں آتا۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے تقسیم ہند سے قبل ہندوستان میں حکومت وقت سے درخواست کی تھی کہ جدید نصاب تعلیم میں دینی علوم کو شامل کریں۔

حکومت مسلطہ کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جیسے پہلے دین کا عنصر ہر زمانہ میں ایک لازمی اور ضروری مضمون کی حیثیت رکھتا تھا اب بھی وہ اپنے متعین کردہ نظام تعلیم کے نصاب میں اس دین اسلام کے عنصر کو لازم کریں اور طلبہ ان سکولوں اور کالجوں سے دین کا علم لے کر نکلیں جیسا کہ درس نظامی سے فارغ ہونے والے طلبہ دین کا علم اپنے پاس رکھتے ہیں۔اس طرح جب سکولوں اور کالجوں میں انگریزی تعلیم اور عصر جدید کے مقبول علوم کے ساتھ دین اسلام کی بھی مکمل تعلیم دی جائے گی۔[1]

مولانا گیلانیؒ کے خیال میں جدید علوم کے ساتھ دینی علوم کو شامل ہونا چاہیے جیسا کہ گذشتہ حکومتوں میں دینی علوم کو باقاعدہ نصاب کا حصہ بنایا جاتا تھا۔مولانا کی اس فکر کے مطابق ملک پاکستان کا نظام تعلیم ترتیب دیا جاسکتا ہے جس کے نتیجے میں روشن خیالی الحاد اور مغربیت کی روک تھام ہو سکے گی۔

ناقص امتحانی نظام تعلیم

اگر قدیم نظام تعلیم کے طریقہ امتحانات اور انگریز کے مسلط کردہ نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو دونوں میں واضح فرق نظر آتا ہے۔جس طرح جدید امتحانی نظام ہے کمپیوٹر کا استعمال، پیپر بنانا، چیک کرنا، پھر معروضی اور موضوعی الگ الگ بنانا قدیم نظام امتحان سے اس کو ممتاز کرتا ہے۔مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس جدید امتحانی نظام کو پیسے کا ضیاع قرار دیتے ہوئے کڑی تنقید کی ہے۔

مولانا گیلانیؒ کے نزدیک امتحانی نظام، امتحانات کے سوالات، امتحانات کی نگرانی کے لیے عملہ جوابی کاپیوں کی جانچ پڑتال، اور پھر پرچوں پر تبصرے اور تصحیح، الغرض جو قدم بھی اٹھایا جاتا ہے روپیہ کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سالانہ حکومت تعلیم پر کروڑوں، اربوں روپے خرچ کرتی ہے لیکن قدیم نظام تعلیم میں طلباء زمانہ طالب علمی ہی سے نچلی جماعتوں کو پڑھانا، بحث، تکرار، تحقیق، مطالعہ اور اعادہ جیسی خصوصیات اس قدیم نظام تعلیم کو جدید نظام تعلیم سے ممتاز کرتی ہیں۔[2]

---

[1] ۔مقالات گیلانی، ص:201

[2] ۔مناظر احسن گیلانی، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، 1944ء، ص:215

مولانا گیلانیؒ کے خیال میں اب پڑھائی کم ہو گی ہے اور امتحانات کے نظام کو وسیع کر دیا گیا ہے اور وہ اس نظام کو غیر ضروری تصور کرتے ہیں جس سے طلباء کا وقت برباد ہونے کے ساتھ ساتھ پیسے کا ضیاع ہے۔ جبکہ قدیم نظام تعلیم میں پڑھائے گے اسباق پر طلباء مستقل اور باقاعدہ اعادہ، تکرار و بحث کرتے تھے جس سے ان کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی تھیں۔

تعلیمی درسگاہوں کا آزادانہ ماحول

عصر حاضر میں جس طرح کمرہ جماعت اور صف بندی کا نظام چل رہا ہے زمانہ قدیم میں اس طرح کا کوئی انتظام موجود نہیں تھا۔ جماعت بندی کا اصول یا قانون نہیں تھا جس وجہ سے کوئی بھی طالب علم کسی بھی کمرہ جماعت میں بیٹھ جاتا اور اپنی علمی پیاس بجھاتا تھا۔ ہر طالب اپنی مرضی اور آزادی سے جو بھی کتاب پڑھنا چاہے پڑھ سکتا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ موجودہ صف بندی اور کمرہ جماعت کے ماحول سختی قرار دیتے ہوئے ہدف تنقید بناتے ہیں:

"میں مانتا ہوں کہ جماعت میں سخت صف بندی کا رواج قدیم نظام تعلیم میں نہ تھا لیکن سوال یہ ہے کہ اس فوجی صف بندی کے اصولوں کی تعلیم گاہوں میں داخل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جہاں تک خاکسار سمجھتا ہے طلبہ پر جماعت میں صف بنانے کے معاملے میں سختی نہ کی جائے بلکہ ہر پڑھنے والے کو آزادی دی جائے کہ جس کتاب کو جس وقت چاہے، مطالعہ کرے۔ چونکہ سکولوں اور کالجوں میں تنخواہ دار اساتذہ بھرتی کیے جاتے ہیں ان کی تعداد محدود ہوتی ہے اور ہر استاد ایک مخصوص کتاب پڑھانے تک محدود ہوتا ہے ہر استاد سے چند صفوف اور جماعتوں کا تعلق ہوتا ہے جسے جو کچھ بھی پڑھنا ہے ان ہی صفوف میں گھس کر پڑھنا ہے۔ انفرادی طور پر ہر طالب علم کے لیے بلکہ طلبہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے لیے کون انتظام کر سکتا ہے لہٰذا زمانہ قدیم کے نظام تعلیم کی طرح جماعت کے اندر ہر پڑھنے والے کو ہر کتاب کے پڑھنے کی آزادی دینا آج کے زمانے میں مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔"(1)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ موجودہ درسگاہوں اور صف بندی کے نظام سے غیر متفق نظر آتے ہیں۔ ان کے خیال میں قدیم زمانہ میں جس طرح کا نظام رائج تھا کہ طلباء کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی کوئی بھی طالب علم کسی بھی کتاب کے درس میں شامل ہو جاتا تھا۔

1۔ پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص: 271

فصل سوم

نصاب تعلیم کی اصلاحات اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا نقطہ نظر

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ بنیادی طور پر تعلیم و تعلم کے پیشہ سے منسلک رہے ہیں ان کی خدمات اور نمایاں خصوصیات اسلام کے تمام شعبوں پر بنیادی معلومات فراہم کرنا اور تحقیق و جستجو ہے۔ تعلیم کے موضوع پر بھی انہوں نے نمایاں ترین کام کیا ہے اس کے لیے ان کی اہم تصنیف "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ہے۔اس کے علاوہ چند مقالات اس حوالے سے قابل ذکر ہیں لیکن اصل ماخذ جس سے ان کے تعلیمی نظریات جامع انداز میں دیکھے جا سکتے ہیں وہ اسی کتاب میں مفصل انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔اس بارے میں وہ خود لکھتے ہیں:

"پانچ صفحات کے مضمون کے لکھنے کے لیے بیٹھا تھا وہی اس وقت 750 صفحات کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔"[1]

اگرچہ ان کی یہ کتاب غیر ارادی طور پر تکمیل پذیر ہوئی، لکھنے بیٹھے تھے چند صفحات کا مضمون مگر وہ ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر گیا۔

یہ جذبہ ان میں کیسے پیدا ہوا کہ ان کا علم موجیں مارنے لگا اس کے پیچھے اس وقت کے حالات اور مسائل تھے اس کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں اس کتاب میں رہ رہ کر ان ہی ٹیسوں اور ہوکوں کی بے چینیاں آپ کو محسوس ہوں گی جو ان ہی تیروں کے زخموں نے مجھ میں پیدا کیں ہیں مجھے رلایا گیا بہت رویا ہوں، ستایا گیا ہوں تب کراہ رہا ہوں ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں بعض مواقع پر میرے نالے بلند ہو گے ہوں، قلم قابو سے کہیں باہر ہو گیا ہو،اس میں مجھے معاف رکھا جائے۔میں احسان فراموش ہوتا اگر جاننے کے باوجود بھی نہ جاننے والوں کے سامنے واقعات کی حقیقی تصویر نہ رکھتا۔[2]

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے نصاب تعلیم کے بارے میں نظریات بڑے واضح ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے بعض ایسی تجاویز دی ہیں جس سے نصاب تعلیم کی اصلاحات اور تشکیل نو کا اظہار ہوتا ہے۔

---

[1] ۔ہندوستان کے مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص:9

[2] ۔ ایضاً، ص:14

اسلامی علوم کی اصلاحات

بلاشبہ اسلامی علوم کی اصلاحات اسی طرح ضروری ہے جس طرح جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا کیونکہ اسلام تاقیامت رشد وہدایت اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالی کی طرف سے اپنی مخلوق کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

مولانا گیلانیؒ کے نزدیک ہندوستان میں مسلمانوں نے جو تعلیمی نظام قائم کیا تھا جسے عمومی طور پر درس نظامی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی اس کے متعلق لوگوں کا یہ تصور درست نہیں کہ وہ صرف مسلمانوں کا دینی نظام تعلیم تھا دراصل اس نصاب میں اس دور کی سرکاری زبان فارسی کی نظم ونثر وغیرہ کی بیسیوں کتابوں کے ساتھ ساتھ حساب خطاطی وغیرہ کی مشق کرانے کے بعد اعلیٰ تعلیم عربی زبان کی کتابوں کے ذریعے دی جاتی تھی اس کی مدت پندرہ برس پر محیط تھی۔اس پوری مدت تعلیم میں اس نظام سے فارغ ہونے والے علماء حقیقی معنوں میں خالص دینیات کی کل تین کتابیں پڑھا کرتے تھے مختصر فقہی متون کے سوا قرآن کے متعلق جلالین حدیث کے متعلق مشکوٰۃ اور فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ۔[1]

مولانا گیلانیؒ کے مطابق علم اصول فقہ، علم الکلام، معانی وبیان وغیرہ ان علوم وفنون کی کتابوں کا ختم کرنا از حد ضروری ہے اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "میں نے بزرگوں کے اس طرز عمل کو پیش کرتے ہوئے یہ عرض کی تھی کہ دینیات کی عمومی تعلیم کے لیے جب تین یا زیادہ سے زیادہ چار کتابوں کا پڑھ لینا کافی خیال کیا گیا تھا اور زیادہ وقت دینی علوم ہی کی تعلیم میں صرف ہوتا تھا تو آج بھی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ غیر دینی علوم کے اس حصہ کو جس کے اکثر نظریات وسائل مسترد ہو چکے ہیں کم از کم دنیا میں ان کی مانگ نہیں رہی ہے ان کو نکال کر عصر حاضر کے جدید مقبولہ علوم اور عہد حاضر کی دفتری زبان انگریزی کے نصاب کو قبول کر کے مذہب کی تعلیم کو ان ہی تین کتابوں کے معیار کے مطابق باقی رکھتے ہوئے دینی ودنیوی تعلیم کے مدارس کی اس تفریق کو ختم کر دیا جائے۔"[2]

دینی علوم کے نصاب میں جن ضروری تقاضوں کا ہونا ضروری ہے وہ مولانا گیلانیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ہر قابل ذکر اسلامی ملک میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم میں قرآن (تفسیر) حدیث، فقہ عقائد کی علمی تعلیم صحبت وبیعت کے ذریعہ سے ہوائے دل کے تازہ واروں میں سیرت کی پختگی، کردار کی بلندی اور

---

[1] ۔ہندوستان کے مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت 2تا6

[2] ۔ایضاً، ص:2تا7

سب سے بڑی چیز بھی للٰھیت یا اخلاص باللہ میں رسوخ کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش ہر زمانہ میں کی گی ہے اور پانچ چیزوں سے مسلمانوں کا تعلیمی نظام کبھی خالی نہیں رہا۔ گویا ان مضامین کی حیثیت موجودہ نصابی اصطلاح کی رو سے لازمی مضامین کی سی تھی۔"[1]

مولانا گیلانیؒ اسلامی نصاب تعلیم میں قرآن، حدیث، فقہ اور عقائد کو ضروری خیال کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے تربیت کو ضروری سمجھتے تھے۔

جدید نصاب تعلیم کی اصلاحات

مولانا گیلانی نے نظام تعلیم میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا وہ مسلمانوں کی اساس فکر ہے اور اسی بنیادی دینی فکر کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ کاوشیں بھی کرتے رہے۔ مولانا گیلانیؒ جدید نصاب میں جن نقائص اور خدشات کا اظہار کرتے رہے وہ آج ہر درد دل رکھنے والے پاکستانی کی آواز ہے۔

اس نظام سے استفادہ کرنے والے مسلمانوں میں بتدریج اسلام اور اسلامی زندگی سے بُعد ہوتا چلا جارہا ہے کیونکہ ان کے خیال میں تعلیم کا بنیادی مقصد ایک مسلمان کے لیے یہ ہونا چاہیے کہ وہ کم از کم بنیادی اسلامی تعلیمات سے نہ صرف آشنا ہو بلکہ اس کو اپنی زندگی کا حصہ بھی بنانا چاہتا ہو۔ 2۔ قدیم عربی مدارس کے مقابلہ میں حکومتی سرپرستی میں چلنے والے انگریزی مدارس وسکول وکالج کی لزومیت سے عام مسلمانوں کی رہی سہی عقیدت جو قدیم مدارس کے ساتھ رکھتے ہیں اس کے معدوم ہونے کا اندیشہ ہے۔ 3۔ مرض کو مرض سمجھ کر اگر علاج کیا جائے تو علاج ممکن ہو سکتا ہے لیکن اگر بیماری کے بجائے بیمار ہی سے نفرت ہو جائے تو علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ انگریزی نظام تعلیم اگر بیماری ہے تو اس کے علاج کا بندوبست ہونا چاہیے نہ کہ اس کو ناپاک چیز قرار دے کر نفرت کا نشانہ بنایا جائے۔[2]

مولانا گیلانیؒ سمجھتے ہیں کہ جدید نصاب تعلیم کی فکری اصلاحات ہونی چاہئے کیونکہ یہ نصاب دینی روایت سے ہٹ کر ترتیب دیا گیا ہے اور تمام پروگرامز کو آزادی کا نام دے کر دین سے دوری پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مادر پدر آزادی کے نام پر ملک و قوم کو گمراہ کیا جارہا ہے ہر معاملے میں بنی نوع انسانی کی حدود وقیود کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اسی نصاب کی بدولت انسان اور حیوان کے درمیان فرق کو ختم کر کہ انسانی معاشرے کو جانوروں کی طرح آزاد کر یا اور اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات کو بھلا کر جدید مغربی تہذیب کا دلدادہ بنا دیا۔ پروفیسر محمد سلیم نے نواب محسن الملک کا قول اپنی کتاب نقل کیا ہے۔:

---

[1] ۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت 111/1

[2] معارف، ماہنامہ اعظم گڑھ، جولائی 1995ء ص:13

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ زمانے میں مغربی تہذیب، انگریزی تعلیم اور انگریزی سوسائٹی نے ہم مسلمانوں میں ایک نئی بیماری پیدا کر دی ہے جو تعصب اور تقلید سے بھی زیادہ مہلک ہے جس کا نام آزادی ہے۔"(1)

اگرچہ جدید نصاب تعلیم کے معاشرے پر منفی اثرات چھوڑے مسلمانوں کو دینی اخلاقی طور پر نقصانات سے دوچار کیا لیکن دوسری طرف جدید نصاب تعلیم سے ملحق لوگوں سے روابط کی وجہ سے مسلمان سائنسی علوم میں ترقی سے آشنا ہوئے گویہ مسلمانوں کی گم شدہ میراث تھی آج پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک ایٹمی قوت کے طور پر اپنی حیثیت منوا رہا ہے۔

اس حقیقت کے بارے میں کارل مارکس مشہور ماہر اقتصادیات رقمطراز ہیں:

"ہر چند کہ برطانوی حکومت خبیث ترین مفادات کی تابع تھی لیکن اس نے برصغیر کی سماجی اور معاشی ترقی میں تاریخ کے ایک لاشعوری وسیلہ کا کردار انجام دیا ہے۔ سامراجی مقاصد کے تحت حکومت ہند نے تعلیم اور مواصلات کی ترقی کے ساتھ قوم پرستی اور حکومت خود اختیار کو ترقی دی۔ جس کے بعد جمہوریت کے لیے راہ ہموار ہوئی۔"(2)

اس میں کوئی شک نہیں مسلمانوں نے اگر ماضی میں بڑی بڑی علمی شخصیات اور علمی کارنامے سرانجام دیے ہیں تو اس کے پیچھے نصاب کی وحدت تھی۔ مولانا اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسلمانوں اور اسلام کے بڑے کارناموں میں ایک کارنامہ تعلیمی نصاب کی وحدت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان میں وہی تعلیم یافتہ بھی تھے جو علماء کہلاتے تھے اور وہی علماء تھے جنہیں آج تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے فلسفی بھی پیدا ہو رہے تھے اور ریاضی داں بھی، حکیم بھی مہندس بھی، محدث بھی، طبیب بھی، فقیہ بھی، شاعر بھی، ادیب بھی، صوفی بھی لیکن یہ کیسی عجیب بات تھی کہ تعلیم کا ایک ہی نظام تھا جس سے یہ ساری مختلف پیداواریں پیدا ہو رہی تھیں۔"(3)

---

[1] ۔ سید محمد سلیم، مسلمان اور مغربی تعلیم (پاک و ہند میں) ادارہ تعلیم و تحقیق، تنظیم اساتذہ، لاہور، پاکستان، 1989ء ص:245

[2] ۔ داس کیپیٹل، ص:34

[3] ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت 238/1

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا (وحدت تعلیم) کا تعلیمی خاکہ

مولانا گیلانیؒ نے مسلمانوں کے لیے وحدت تعلیم کا خاکہ پیش کیا جس کو وہ تین درجوں میں تقسیم کرتے ہوئے اس طرح بیان کرتے ہیں:

"پہلا درجہ۔ درجہ ضروریہ

دوسرا درجہ۔ درجہ وسطانیہ

تیسرا درجہ۔ درجہ تخصص یا اسپیشلائزیشن

درجہ ضروریہ: اس کا دورانیہ 9 سال پر محیط ہے یہ ابتدائی تعلیم کا مرحلہ ہے اس میں

ابتدائی تین سال: ناظرہ قرآن مجید، اردو، حساب کتاب اور تختی نویسی۔

اس کے بعد دو سال: اردو کی جگہ فارسی کی چند کتابیں اُردو ہی کو قوی کرنے کے لیے پڑھائی جائیں۔

اس کے بعد دو سال: اس کے بعد فارسی کی جگہ عربی کی تعلیم قرآنی پاروں اور حدیث کے مختصر متن (مثلا منبہات عسقلانی اور بلوغ المرام وغیرہ) کسی فقہی متن قدوری وغیرہ کے ساتھ ہو اور اس کے ساتھ حساب وکتاب کا سلسلہ جاری رہے۔ تیسرا سلسلہ انگریزی ادب کا شروع کیا جائے۔"(1)

اس طرح طالب علم میٹرک تک اپنی تعلیم مکمل کرلے گا اس کے بعد اگلے درجہ کی صورت پیدا ہو جائے گی جو میٹرک کے طالب علم کے لیے حساب اور انگریزی کی قابلیت میٹرک والوں کے برابر پہنچ جائے گی۔ لیکن اس بارے میں مولانا نے کچھ ضروری باتوں کی طرف توجہ بھی دلائی وہ یہ ہیں۔

1۔ محض وہی اسباق پڑھائے جائیں جو استادوں سے پڑھے بغیر نہیں سیکھے جاسکتے۔

2۔ اردو کو ہر سال تک پڑھاتے چلے جانا کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ اُردو میں قوت پیدا کرکے لیے فارسی اور فارسی میں بچوں کو قوی کرنے کے لیے عربی کا سیکھنا ضروری قرار دیا جائے۔

3۔ عربی زبان کے صرف اسی حصہ کو مسلمانوں کے لیے ضروری سمجھا جائے جس میں ان کی دینی معلومات ہوں۔

4۔ عربی کو قصہ کہانیوں کے بجائے قرآنی پاروں اور فقہی وحدیثی متون کے ذریعے سے سکھانا زیادہ مفید اور ضروری ہے۔

---

[1] ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص: 258/1

5۔اسلامی ادبیات کو سکھانے والی عربی کے لیے نحوی اور صرفی قواعد کے ان طویل سلسلوں کی حاجت نہیں جو کسی زمانہ میں دماغی تمرین اور ذہنی تشخید کے لیے پڑھائے جاتے تھے۔(1)

درجہ وسطانیہ/فاضلیہ

مولانا گیلانیؒ کے خیال میں درجہ ضروریہ کے بعد درجہ فاضلیہ کا مرحلہ آتا ہے اور یہ میٹرک کے بعد ب۔بی۔اے تک عرصہ میں تکمیل پذیر ہونا چاہیے۔

اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"آئندہ کلیاتی تعلیم کے نصاب میں قرآن وحدیث وفقہ کی ان تین کتابوں کو بی اے تک کے چار سال میں دوسرے اختیاری ومناسب مضامین کے ساتھ پڑھ کر ختم کردیں جو قدیم درس نظامیہ میں دینیات کی آخری درسی کتابیں ہیں۔"(2)

تفصیل درجہ ذیل ہے۔

ایف۔اے: مشکوۃ المصابیح یا اس طرح کی کوئی اور کتاب

بی۔اے: فقہ کی ہدایہ اور وقایہ وغیرہ کو پڑھایا جائے۔[3]

درجہ تخصص/اسپیشلائزیشن

درجہ تخصص قرآن وحدیث وفقہ کی ان تین کتابوں کو بی۔اے تک کے چار سال میں دوسرے اختیاری مناسب مضامین کے ساتھ پڑھ کر ختم کر دیں۔جدید علوم کے ساتھ انگریزی کو اور دوسرے جدید علوم کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ایم۔اے کے اختصاصی درجہ میں اپنی مرضی کے مطابق جس مضمون میں خصوصیت پیدا کرنا چاہیں اس کے لیے درجہ ذیل انتخاب کیا جاسکتا ہے۔

"فقہ ہدایہ المجتہدین ابن رشد اس کے علاوائمہ و مجتہدین امام ابو حنیفہ شافعی،مالک احمد وغیرہ جیسے مضامین پر تخصص حاصل کیا جاسکتا ہے۔"(4)

---

1 ۔ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص:258/1

2 ۔ایضاً، ص:260/1

3 ۔ایضاً، ص:260

4۔ایضاً

عملی تجاویز

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس سلسلہ میں بعض عملی تجاویز بھی دی ہیں جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ مولانا گیلانیؒ اپنے تعلیمی نظریات کی تکمیل چاہتے تھے۔اور بلحاظ درجہ انہوں نے مدارس کا تعین بھی کر دیا تھا۔

"مولانا کے خیال میں عام مدارس عربیہ کو ہائی سکول کا درجہ دے دیا جائے جہاں قرآن وسنت اور دینیات کی تعلیم دی جائے۔جو کہ علماء کی نگرانی میں ہوں۔"(1)

اسی طرح درجہ فاضلیہ کے لیے دینیات کی تعلیم جو دینی نصاب پر مشتمل ہو گی اس کو جدید انگریزی مدارس میں منتقل کر دیا جائے، مراکز کو تخصص کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

"مولانا کے خیال میں اسلامی و دینی تعلیم کے لیے عام یونیورسٹیوں کو ہی مرکز بنایا جائے۔"(2)

تعلیم کا دورانیہ

مولانا گیلانیؒ جدید نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کو تقریباً قبول کرتے تھے۔اس لیے انہوں نے تعلیمی مدت بھی وہی اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔مولانا بچے کی رسمی تعلیم کا آغاز سات سال سے کرتے ہیں اور نو سال تک میٹرک کی تعلیم مکمل کرتے ہیں۔اس حوالے سے لکھتے ہیں؛

"اگر سات سال سے بھی فرض کیا جائے کہ بچے نے ابجد[3] شروع کی ہے تو سو سالہ تک پہنچنے کے لیے نو سال کی مدت ملتی ہے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اس کافی طویل مدت میں حساب اور انگریزی کی قابلیت میٹرک والوں کے برابر پیدا نہ ہو جائے"۔(4)

ذریعہ تعلیم اور مولانا کا زاویہ نگاہ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ قومی زبان اُردو کو ہی ذریعہ تعلیم بنانے کے حق میں ہیں۔لیکن اُردو کو مضبوط اور راسخ کرنے کے لیے فارسی اور عربی کی بالترتیب تدریس کی بھرپور وکالت کرتے نظر آتے ہیں وہ اُردو کی ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب پڑھانے کو پانی میں مدہانی ڈالنے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔چنانچہ وہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

---

1 ۔ مجلس دار المصنفین، معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ، دہلی، ج56، ش1، جولائی 1965ء

2 ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص:12/2

3 ابجد کسی زبان میں شامل مختلف آوازوں کو پیدا کرنے والے حروف کے ایک کامل مجموعے کو اس زبان کا ابجدیہ کہا جاتا ہے۔

4 ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص:258/1

"پانی میں پانی ملاتے چلے جانے سے کوئی نئی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔اسی طرح اُردو کی ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب دوسری کے بعد تیسری کو پڑھانے سے زیادہ بہتر ہے کہ اُردو کے بعد فارسی اور فارسی کے بعد عربی سے طلبہ کا لگاؤ پیدا کیا جائے"[1]

مولانا گیلانیؒ انگریزی زبان کو باعث نفرت نہیں سمجھتے بلکہ غیر مسلم مسلمانوں پر انگلش دشمنی کا الزام لگاتے ہیں اس الزام کو مولانا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انگریزی سے مولویوں کی نفرت اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کو حرام سمجھتے ہیں یہ قطعاً غلط ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے سے روکا"۔[2]

مولانا گیلانیؒ انگریزی کو ایک زبان کے طور پر اختیار کرنے کو قابل ترجیح سمجھتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں کسی قوم کا مقابلہ ان کی زبان پر دسترس حاصل کیے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

عربی زبان اور مولانا کا نقطہ نظر

مولانا گیلانیؒ عربی زبان کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی زبان ہونے کی بنا پر اس کی تدریس اور تفہیم ضروری خیال کرتے تھے۔ لیکن قدیم عربی جو زمانہ جاہلیت کی ہمیں ورثے میں ملی ہے اور قصے کہانیاں پڑھانا ترک کرنا بہتر ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"قرآن وحدیث کی عربی اور جاہلی شاعری اور جدید نثر کی عربی دو مختلف چیزیں ہیں۔ مسلمان ہر دور میں پہلی ذکر کردہ عربی سے ہمیشہ مانوس رہے ہیں۔اس لیے مسلمانوں کے عربی کے نصاب میں اس عربی کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔"[3]

فنی تعلیم اور مولانا کا زاویہ نگاہ

مولانا گیلانیؒ کا خیال ہے کہ ہم یورپ اور جاپان وغیرہ کا مقابلہ صنعتی میدان میں نہیں کر سکتے اس لیے غیر مقابلاتی صناعات ملک میں رائج کرنی چاہیں۔ان میں سے کچھ دستکاریوں کا ذکر مولانا نے کیا ہے۔

---

[1] ۔ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص:258

[2] ۔ایضاً، ص:297

[3] ۔ایضاً، ص:247/1

"نقل کتب کے علاوہ کاپی نویسی، مختصر نویسی، کمپوز کرنے کے کام، نامہ نگاری، وقائع نگاری[1]، اخبار نویسی یہ سب ایسے کام ہیں جو علم سے مناسبت رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ توقع کی جاتی ہے کہ جاہلوں کے ہاتھ سے نکل کر اگر اس قسم کے پیشے اہل علم کے ہاتھ میں آجائیں گے تو کام زیادہ بہتر صورت میں انجام پا سکتا ہے"۔(2)

مزید لکھتے ہیں:

"علم سے اگر کسی پیشے کو مناسبت نہ بھی ہو، مثلاً زرگری، نجاری، آہنگری[3]، خیاطی، معماری، طباخی مرغبانی مویشیوں کی پرورش باغبانی، کاشتکاری، زمینداروں کے دیہاتوں کا نظم، حساب وکتاب وغیرہ بیسوں ایسے کام ہیں یہ سارے کاروبار چونکہ مقامی ہیں یورپ سے نہ زرگر آئیں گے یہ معمار نہ طباخ نہ حلوائی اس لیے مشنری ممالک سے مقابلہ کا ان پیشوں میں خود بھی نہیں ہے"۔(4)

مولانا استاد اور شاگرد کو معاشی طور پر خود کفیل دیکھنے کے خواہاں تھے۔ کیونکہ تعلیم جیسے مقدس پیشہ میں اخلاص اور للٰھیت کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اس میں لالچ اور حرص کے پہلو استاد اور شاگرد کے درمیان حائل نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم عربی مدارس میں حصول تعلیم کے ساتھ فنی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ جاتی تھی تاکہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسب معاش کی سے آزاد ہو کر تعلیمی سرگرمیوں اور خدمت دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر سکیں اور اس کے علاوہ مشاہیر اسلام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ مولانا کے خیال میں یہ پیشے خوف خدا رکھنے والے اختیار کریں گے تو تعلیم و تربیت کا عمل زیادہ ہو گا۔

---

1 علم التاریخ میں ایک اہم ترین صنف شمار کی جاتی ہے جس میں طویل تاریخ کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ ترتیب دیا جاتا ہے۔

2 ۔ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ، ص:77/1

3 لوہے سے مختلف چیزیں بنانے کے فن کو آہن گری کہتے ہیں۔

4۔ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص:78/1

فصل چہارم

مروجہ نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کی ذہنی وفکری صلاحیتوں کا جائزہ

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان نے ہر دور میں اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے معاشرے میں اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔بلاشبہ قوموں کا اصل اور حقیقی سرمایہ ان کی سوچ وفکر اور نظریات ہوتے ہیں جن قوموں کی اپنی کوئی سوچ وفکر اور نظریہ نہیں ہوتا وہ بحیثیت قوم اپنا وجود دیر تک قائم نہیں رکھ سکتیں،نہ صرف وہ ذہنی طور پر غلام اور بانجھ ہو جاتی ہیں بلکہ مادری اور سیاسی غلامی بھی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔اور وہ ہر میدان میں تقلیدی رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔اور یہ صورت حال حقیقت میں قوموں کی موت ہوتی ہے بظاہر تو وہ زندہ ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ مردہ ہوتی ہیں

چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے ایک شاگرد مولانا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مولانا گیلانیؒ کی دقت نظر،،وسعت فکر،علوم دینی میں ان کا تبحر اور مسائل حاضرہ پر ان کی علمی دیانت اور مجتہدانہ جرات،ان کی بے لوث خدمت اور جامعہ سے ان کی شیفتگی نے ان کی شخصیت کو ہر دور کے طلبہ اور ہر شعبہ کے اساتذہ میں وہ عظمت اور محبوبیت عطا کر دی تھی،جو ان سے پہلے یا بعد کسی کو نہ مل سکی ہے۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔"[1] ہمارے ملک میں دو طرح کے (اسلامی وجدید) نظامہائے تعلیم چل رہے ہیں ان میں طلبہ کی ذہنی وفکری صلاحیتوں کا جائزہ مولانا گیلانیؒ کے فکار کی روشنی میں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

اسلامی نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کی ذہنی وفکری صلاحیتیں

حیات انسانی اور اس میں موجود ہر چیز روحانی ہو یا مادی کسی نہ کسی مقصد کے لیے بنائی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے تکمیل انسانیت اور تنظیم کائنات کے لیے کئی علوم وفنون ودیعت فرمائے ہیں اور پھر ان کی ہدایت بھی عطا فرمائی۔لہٰذا کوئی بھی علم وفن تب ہی سود مند اور فائدہ مند ہو گا جب وہ کسی مقصد اور فکر ونظر کے پیش نظر حاصل کیا جائے۔

---

[1] ۔ مقالات احسانی، ص:2

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مِن حُسنِ اِسلامِ المرءِ تَرکُه مالا یَعنِیه)) (1)

ترجمہ: ایک آدمی کے اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ وہ بے مقصد کاموں کو چھوڑ دے۔

اسلامی نظام تعلیم میں انہیں مقاصد جلیلہ وحمیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیم دی جاتی ہے جن کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ وہ مقاصد درجہ ذیل ہیں:

تمام علوم وفنون اور تصورات و تفکرات کا مرجع اور منبع ذات باری تعالیٰ ہے اور اسی نے انسان کو مقصد حیات عطا فرمایا ہے۔

﴿قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ﴾ (2)

ترجمہ: بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

انسانی زندگی کی ابتدا اور انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے حیات انسانی کی حقیقت اور مقاصد معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ علم و تعلم کا بنیادی مقصد معرفت الٰہی ہو۔ برھان الاسلام الزرنوجی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"یَنبَغِی لِطَالِبِ العِلمِ اَن یَختارَ مِن کُلِ عِلمٍ اَحسَنه، وَما یَحتاجُ اِلَیهِ فِی اَمرِ دِینِه فِی الحالِ، ثمُ مَا یَحتَاجُ اِلَیهِ فِي المالِ، فَیُقدِمُ عِلمَ التَوحِیدِ وَالمَعرِفَةَ، وَیَعرِفُ اللّٰه تعالیٰ بِالدَلیلِ۔"[3]

ترجمہ: طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ تمام علوم میں سے اچھے علم کا انتخاب کرے (جو اس کے دین اور دنیا میں فلاح کا اور روح مادہ کی زندگی میں مکمل رہنمائی کا سبب بنے) اور جس علم کی محتاجی دین کے معاملہ میں حالیہ ہو اسے حاصل کرے پھر جس کی محتاجی آخرت میں ہو اسے حاصل کرے (تمام علوم پر) علم توحید و معرفت کو مقدم کرے اور اللہ کی ذات کو دلیل کے ساتھ (کائنات کے مشاہدات و مناظرات کی روشنی میں وجود باری تعالیٰ کو) جانے۔

اسلامی نظام تعلیم میں طلبہ کی سوچ و فکر اس طرح استوار کی جاتی ہے کہ علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حاصل کیا جائے اور جو علم حکم الٰہی کے قیام کے لیے حاصل کیا جائے گا اس میں رضا الٰہی کے علاوہ کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔

---

[1] ۔ابی عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (309تا373)، سنن ابن ماجہ، باب کف اللسان فی الفتنۃ، دار الرسالہ العالمیہ، سن اشاعت اول، 1430ھ/2009م، ج5، ص:119، حدیث، 3976

[2] ۔البقرہ، 156/2

[3] برہان الدین الزرنوجی، تعلیم المتعلم فی طریق التعلم، دار ابن کثیر، بیروت، لبنان، طبع، سوم، 2014م، ص:47

تزکیہ وتربیت

تعلیم کا مقصد ذہنوں کو نکھارنا ہے لیکن تربیت تزکیہ نفس اور قلب کی صفائی کا نام ہے۔جب تک یہ دونوں ایک ساتھ وقوع پذیر نہ ہوں حصول مقصد ناممکن ہے۔اس کے لیے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے تصوف سے روشنی لینے کی ضرورت پر زور دیا ہے کیونکہ قدیم اسلامی اداروں میں تصوف کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ حقیقت تصوف صرف علم و عمل ہے اور عمل وہی ہے جو رسولؐ نے تعلیم فرمایا ہے۔تزکیہ نفس کسی بھی استعداد اور مہارت سے زیادہ اہم ہے، یہ منزل مقصود ہے اور اس کے بغیر علم بیکار ہے۔اس حوالے سے مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں۔

"ہمارے قدیم نظام تعلیم کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ دماغوں کو تصقیل وتشخید کے بعد میدان عمل میں آنے سے پہلے عموماً قلوب کی تصحیح کا مسئلہ قریب قریب ایک لازمی مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔"[1]

مولانا دماغ سے زیادہ قلبی تصحیح اور تزکیہ پر زور دیتے ہیں۔

"علم جب تک دماغ اور تن سے تعلق رکھتا ہے اس وقت تک آستین کے سانپ سے زیادہ اس کی وقعت نہیں۔"[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((مَن تَعَلَمَ عِلماً مِما يَبتغِى بِهِ وَجهَ اللهَ لاَ يتعلمُه اِلا لِيُصِيبَ بِه عَرَضاً مِنَ الدُنيا لَم يَجِد عَرفَ الجنةَ يومَ القِيامَةِ)) (3)

ترجمہ: ایسا علم جو اللہ کی رضا چاہنے کے لیے حاصل کیا جاتا ہے جس نے اسے دنیا کی عزت پانے کے لیے سیکھا وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

اس حدیث سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ علم دو طرح کا ہے ایک وہ جس کا حصول رضا الٰہی ہے اس کو دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے سیکھنا باعث نقصان ہے جبکہ وہ علم یا فن جو مادی اور دنیاوی ترقی سے تعلق رکھتا ہو اس کو دنیا کے لیے سیکھنے میں کوئی وعید اور نقصان نہیں۔

---

[1] مناظر احسن گیلانی، مولانا، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج:2، ص:224

[2] ایضاً، ص:246

[3] ۔اابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی، (المتوفی:275ھ) سنن ابی داؤد، باب فی طلب العلم لغیر اللہ عزوجل، دار الراسالہ العالمیہ، سن اشاعت اول1430ھ/2009م، ج5، ص:505، حدیث:3664

اسلامی نظام تعلیم میں افراد کو روز اول ہی سے یہ فکر دی جاتی ہے کہ علم کے حصول کا مقصد احیائے اسلام ہے،اسلامی اقدار کی حفاظت کرنااور وہ قدریں جو کبھی عروج پر تھیں اور آج ہمیں نظر نہیں آتیں انہیں بحال کرنا بھی ضروری ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَن جَاءهُ الموَتُ وَهُوَ يَطلُبُ العِلمَ لِيُحِيَ بِهِ الاِسلامِ فَبَينَه وَبَينَ النَبِيينَ دَرَجَةً وَاحِدَةً فِي الجَنةِ)) (1)

ترجمہ: جس کو موت آگئی اور وہ احیاءاسلام کے لیے علم حاصل کر رہا تھا تو جنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ ہوگا۔

اسلام دنیا میں موجود تمام مذاہب و ادیان میں ایک کامل، جامع اور عالمگیر نظام حیات رکھتا ہے جس کا مقصد بہترین زندگی اور حسین معاشرت کا قیام ہے۔اس نظام میں افراد کو اولین فکر اور ذمہ داری یہی دی جاتی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اصلاح معاشرہ کا عظیم کام سرانجام دیں۔

جس کو حضور ﷺ نے بعثت کے مقصد کی اس صورت میں بیان فرمایا:

((اِنمَا بُعِثتُ لِاتُمِّمَ مَكارِمَ الاَخلاقِ وَمُحسِنَ الاَعمالِ))(2)

ترجمہ: بے شک میں تو مبعوث ہی تکریم اخلاق اور حسن اعمال کی تکمیل کے لیے ہوں۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ بعثت نبی ﷺ اور اسلام کا بنیادی مقصد اخلاق و اعمال کی بہتری کے ذریعے معاشرت کی تہذیب و تمدن اور سماج کی اصلاح و تعمیر ہے۔

5۔اسلامی نظام تعلیم میں افراد کو شروع سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی فکری تعلیم دی جاتی ہے کیونکہ دنیا و آخرت کی فلاح کے لیے رہنما اصول ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

1 ۔ سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی، ابو قاسم الطبرانی (متوفی 360ھ)، المعجم الاوسط، باب من اسمہ یعقوب، دار الحرمین، قاہرہ، سن اشاعت، 1614ھ/1995م، حدیث، 9454، ج9، ص:174

2 ۔ احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخسروجردی، الخراسانی، ابو بکر البیہقی (متوفی 458ھ)، باب بیان مکارم الاخلاق ومعالیھا التی من کان متخلقاً بھا کان من اھل بروءۃ التی ھی شرط فی قبول الشھادۃ علیٰ طریق الاختصار، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، سن اشاعت 1424ھ/2003م، حدیث، 20782، ج10، ص:323

﴿قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ۝١٤﴾ (1)

ترجمہ: جس نے تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾(2)

ترجمہ: بے شک مومنین کامیاب ہو گئے۔

اس کے علاوہ متعدد جگہوں پر قرآن وحدیث میں یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام فلاح انسانیت پر کس قدر حریص ہے۔اس سے اسلام کا پرچم اٹھانے والوں کی قلبی وذہنی تطہیر ہو گی اور اسلامی تعلیمات کو معاشرے میں نافذ العمل بنایا جا سکے گا۔

اسلامی ودینی ماحول

بلاشبہ افراد سازی، فکری تربیت اور تعمیر شخصیت میں ماحول کا بڑا عمل دخل ہے اچھی صحبت اور پاکیزہ ماحول نہ صرف انسان کے ظاہر میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے بلکہ مثبت سوچ وفکر پیدا کرتا ہے، جس سے سیرت وکردار نکھر کر سامنے آتا ہے۔ مولانا گیلانیؒ سمجھتے تھے کہ طلباء کے لیے اسلامی اقامت خانے قائم کیے جائیں تاکہ طلباء کے شب وروز ان اقامت خانوں میں گزریں جس بناء پر ان کی بہترین اسلامی سیرت کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں۔

"ہر تعلیم گاہ کے ساتھ ساتھ مسلمان طلباء کے لیے خاص اسلامی اقامت خانے قائم کیے جائیں اور ان اقامت خانوں کی نگرانی ارباب تقویٰ ودیانت کے سپرد کی جائے ان کا ماحول بالکل اسلامی رکھا جائے۔"[3]

علم دین حاصل کرنے والوں کو ایک اہم ترین سوچ وفکر یہ دی جاتی ہے کہ دین اسلام کو ادیان عالم پر سر بلند کرنا ہے اور پوری کائنات میں ہر طبقہ انسانی کے ہر ہر پہلو زندگی میں اسلام کو قابل عمل بنا کر انسانی اندگی کے لیے رہنما ثابت کر کے ترویج واشاعت کا کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

---

[1] ۔الاعلیٰ، 14/87

[2] ۔المؤمنون، 1/23

[3] مناظر احسن گیلانی، نظام تعلیم وتربیت، ص:9

﴿قَدۡ أَفۡلَحَ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ١﴾ (1)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک (محبوب نظام حیات) دین (کی صورت میں) اسلام ہے۔

7۔ علم دین حاصل کرنے والوں کے دل ودماغ میں روز اول سے یہ بات پختہ کی جاتی ہے کہ علم کا حصول دنیا کی عارضی کامیابی نہیں بلکہ آخرت کی ابدی کامرانی مقصود ہے۔ اگرچہ بقدر ضرورت تو اجازت ہے لیکن اسی کو مقصد بنا لینے پر منع وارد ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَن طَلَبَ العِلمَ لِيُمارِيَ بِه السُفها ءَ اَو لِيبُاهِيَ بِه العُلَماءَ اَو لِيَصرِفَ وُجُوهُ الناسَ اليهِ فَهُوَ فيِ النارِ))(2)

ترجمہ: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ بے وقوفوں پر چھا جائے یا وہ علما پر فخر کر سکے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے تو وہ جہنم میں جائے گا۔

بلاشبہ علم کے صلہ میں انسانی کو عزت بھی ملتی ہے اور لوگوں کی توجہات کا محور و مرکز بھی بن جاتا ہے لیکن یہ سب کچھ منزل اور مطمح نظر نہیں ہونا چاہیے۔

متعلم اور معلم کے باہمی تعلقات

تعلق زندگی اور تعلق کا ختم ہو جانا موت ہے دنیاوی موت زندگی میں جب جسم وروح ک کا تعلق بن جاتا ہے تو زندگی شروع ہو جاتی ہے اور جب یہ تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو موت کا نام دیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((عَجِبَ اللهُ مِن قَومٍ يدَخُلونَ الجنةَ فِي السَلاسلِ))(3)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قیامت میں ایسے لوگوں سے خوش ہوگا جو جنت میں لڑیوں کی صورت میں (تعلقات کی پختگی کے ساتھ) داخل ہوں گے۔

---

1 ۔آل عمران: 19/3

2 ۔ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، ،المتوفی 273ھ، ابن ماجہ، الصحیح السنن، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ، حدیث، 253، ج 1، ص: 93، دار احیاء الکتب العربیہ، فیصل عیسیٰ البابی الحلبی، حسنہ الالبانی

3 ۔ محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ الجعفی البخاری، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ، باب، الاساری فی السلاسل، دار طوق النجاۃ، سن اشاعت اول، 1422ھ، حدیث، 3010، ج 4، ص: 60

دنیامیں کسی سے کچھ لینا ہو تو پہلے تعلق بنایا جاتا ہے یا تعلق والے کا واسطہ ڈھونڈ ھنا پڑتا ہے دوسرے الفاظ میں ہم کہ سکتے ہیں زندگی میں تعلق کی بڑی ہی اہمیت ہے۔استاد اور شاگرد کا تعلق بھی بہت اہم اور مضبوط ہوتا ہے جو تاحیات قائم ودائم رکھنا ضروری ہے۔

مولانا گیلانیؒ اساتذہ اور طلبہ کے باہمی تعلقات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اساتذہ کا تعلیم دینے کے عوض معاوضہ لینا ناپسندیدہ ہے۔اس سے طلبہ کے دل میں عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔اس طرح اساتذہ کا اپنے شاگردوں کے کام آنا، بیماری میں تیمارداری کے لیے جانا ایک دوسرے لیے دل جوئی باہمی احترام اور محبت کے لیے نہایت ضروری ہے۔طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ استاد سے رابطہ ، تعلق اور وابستگی قائم رکھے،خود کو استاد کے روبرو رکھے،استاد کی توجہ چاہنے کے لیے ہر جتن کرے۔استاد کی قربت میسر نہ آئے،استاد کی نظر محبت نہ ملے تو پریشان ہو۔استاد کبھی تعلق نہ توڑے۔علم دین حاصل کرنے والوں کو ہمیشہ استاد کے ادب واحترام کی تعلیم وتربیت اور سوچ وفکر دی جاتی ہے۔استاد ان کی نظر میں سب سے کامیاب انسان اور مسیحا ہوتا ہے،وہ دل سے محبت کرتے ہیں جس کا سلسلہ نہ صرف فراغت کے ساتھ ختم ہوتا ہے بلکہ یہ تعلق زندگی بھر چلتا رہتا ہے،اور زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے پھر فرمایا:

((كِلاهُمَا عَلىٰ خَيرٍ وَاَحَدِهِمَا اَفضَلَ مِن صَاحِبه))[2]

ترجمہ: دونوں بھلائی پر ہیں اوران دونوں میں سے ایک جماعت دوسری سے افضل ہے

ان میں یہ اللہ سے دعا کر رہے ہیں اوراس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ گرچاہے تو انہیں دے دے اور اگر چاہے تو روک لے،اور یہ ایک دوسرے کو علم سکھا رہے رہیں یہ افضل ہیں۔

پھر فرمایا:

---

1 ۔ہندوستان کے مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص:13،12

2 ۔ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام بن عبدالصمد الدارمی التمیمی السمرقندی،(متوفٰی 255ھ)، مسند الدارمی، المعروف بہ سنن دارمی، باب فی فضل العلم ولعالم، دار المعنٰی لنشر والتوضیع، المملکۃ السعودیہ، سن اشاعت اول،1412ھ/2000م، ج1، ص:365 ،حدیث، 361

((اِنمَا بُعِثتُ مُعَلِماً))[1]

میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور انہیں میں بیٹھ گئے۔ مجلسوں میں سے جس کو اچھی مجلس میسر آئے وہ خوش نصیب و خوش بخت ہے، مجلس اختیار کرنے میں اچھی مجلس ضروری ہے۔ وہ طلبہ جو اکیلے رہ کر زندگی گزارتے ہیں اکثر اوقات ان کی عادات خراب ہو جاتی ہیں کیوں کہ انسان اکیلا ہو تو شیطان اسے برائی کی طرف مائل کر لیتا ہے، ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں جو خود کو محفوظ کر لیں۔ اکثر اس وجہ سے طلبہ غلط حرکات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلامی مدارس والوں کو ابتداء ہی سے خیر کی مجالس اختیار کرنے کی سوچ و فکر دی جاتی ہے، جب وہ ان مجالس کی پابندی کرتے ہیں تو بہت ساری برائیوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ مفکر اور اسلامی فلسفہ حیات کے ماہر تھے انہوں نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں زندگی گزارنے پر رہنمائی میں گزار دی۔ ان کی سوچ و فکر کا مرکز و محور اسلام تھا، جس کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبہ جات کی بنادیں استوار کی جائیں۔ مولانا گیلانیؒ نے جو تعلیمی نقشہ دیا اس کی بنیاد بھی اسلام ہی ہے۔ چنانچہ وہ اسی حوالے سے ایک جگہ رقمطراز ہیں:

"یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ مسلمان رہتے ہوئے اور حتی الوسع اسلامی زندگی سے اپنی زندگی کی آبیاری کرتے ہوئے مسلمان کس طرح تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔"[2]

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا طلباء کی اسلامی فکری تربیت کے حامی اور حق میں تھے۔

اسلامی اداروں میں فکری اصلاحات اور مولانا گیلانیؒ کا نقطہ نظر

فکری اصلاحات کے لیے فکری تربیت ضروری ہے اسلامی اداروں کے منتظمین، مدرسین اور علماء کو عالمی ماحول، کشمکش، تہذیبی لڑائی اور اس کے مقابلہ کے لیے تیاری کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ قرآن و سنت کا مطالعہ کیونکہ ہر چیز اس میں موجود ہے، فقہی کتب میں مسائل کی عصر حاضر کے مطابق نئی تعبیرات کی ضرورت ہے جبکہ روایتی طریقہ تعلیم میں اس انداز سے مطالعہ کرنے کی تربیت نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کی اس فکری کشمکش میں ان داروں سے تیار افراد اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اس کے لیے اساتذہ کو پہلے تربیت دی جائے تاکہ وہ طلبہ کی اس انداز سے تربیت کر

---

1 ۔ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق، بن موسیٰ بن مھران الاصبھانی، (متوفی 4309)، المسند المستخرج علیٰ صحیح الامام مسلم، باب الرجل امراته، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن اشاعت اول، 1417ھ/1996م، حدیث، 4391، ج4، ص:164

2 ۔ مناظر احسن گیلانی، (مولانا) میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ج، 56، ش، 1، جولائی 1945ء

سکیں۔ چنانچہ اکرام چغتائی اپنی کتاب سوانح مولانا مناظر احسن گیلانیؒ عالم بے بدل میں مولانا گیلانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"آزاد ہندوستان میں بڑی تیزی کے ساتھ مذہب بیزاری کا صور پھونکا جا رہا ہے اور اس کے پروپیگنڈے پر بڑی طاقتیں کافی سرمایہ خرچ کر رہی ہیں۔ نوجوانوں میں ایسا لٹریچر پھیل رہا ہے جوان کو مذہب سے دور کر دے۔ مسلمانوں میں اس سیلاب پر آہنی دیوار مدارس ہیں۔ اور 1857ء کے بعد یہی اسلامی قلعے شمار ہو رہے تھے مگر یہ بھی اس نرغے میں آتے جا رہے ہیں ایسی صورتیں سامنے لائی جا رہی ہیں کہ مدارس اسلامیہ خود مسلمانوں کی نظر میں بے وقعت ہو جائیں اور اسی کے ساتھ علماء سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھتا چلا جائے۔"[1]

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نوجوانوں کی تربیت اس طرح کی جائے کہ خدا اور مذہب بیزاری کا جو سیلاب آنے والا ہے اس کا راستہ روک سکیں۔

"اگر ہمارے علماء نے دور اندیشی سے کام نہ لیا تو یہ آہنی دیوار جو ہمارے اسلاف نے قائم کی تھی مسمار ہو کر رہ جائے گی اور خدا بیزاری کا دیو ملک میں دندناتا پھرے گا اور مذہبی طبقہ کی زبانوں پر قفل چڑھ جائے گا وہ بولنا چاہیں گے مگر نہیں بول سکیں گے یا کچھ بولنے کی سعی کریں گے تو کوئی سننے پر آمادہ نہیں ہو گا بلکہ یہ بولنے والے مطعون کیے جائیں گے۔"[2]

مولانا گیلانیؒ کے پیش نظر اس وقت کے حالات کو سامنے رکھیں تو آج بھی حالات و واقعات بعینہ وہی ہیں۔ آج ملک خداداد پاکستان بھی انہیں حالات سے دوچار ہے مغربی تہذیب و ثقافت پوری طرح ہماری تہذیب و ثقافت اور دین اسلام پر حملہ آور ہے۔ لہٰذا ان حالات میں مولانا گیلانیؒ کی فکر کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے اسلامی اداروں میں طلباء کی ذہنی و فکری تربیت کرنی چاہیے تاکہ جدید مغربی یلغار سے بھرپور نبرد آزما ہو سکیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ طلبہ کو مجموعی طور پر کیا سوچ و فکر دی جائے؟ اجتماعی سوچ تو دیں لیکن بنیادی کیا ہو؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ کا اجتماعی ذہن بنایا جائے، انہیں یہ بتایا جائے ملک و ملت کے کیا تقاضے ہیں، عالمی صورت حال کے کیا تقاضے ہیں، مذہبی اور دینی کیا تقاضے ہیں، آپ کے مسلک کے کیا تقاضے ہیں۔ انہیں کوئی اجتماعی سوچ و فکر دینی ہو گی اس کے ساتھ ضمنی ترجیحات الگ نوعیت کی ہیں۔ دیکھا جائے تو فکری طور پر ہم خلفشار کا شکار ہیں، ہم پر مغرب کی فکری اور

---

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی عالم بے بدل، ص: 237

[2] ایضاً، ص: 237

تہذیبی یلغار ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عصر حاضر فکری ارتداد والحاد کا زمانہ ہے۔ان مدارس میں طلبہ محدود چار دیواری میں محصور ہوتے ہیں لیکن جب یہی باہر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے دل ودماغ کو جانچنے کی کوشش کرتے ہیں بظاہر وہ ان کی عزت واحترام بھی کرتے ہیں ،جب ان جدید دماغوں کی سوچ وفکر کا جائزہ لیں گے تو اس میں شک ارتداد اور ارتیاب ضرور موجو ہوگا، کسی نہ کسی طرح وہ موجودہ فکری ارتداد کی لہر سے متاثر ہوگا۔ مغربی نظام تعلیم نے بھی ہمارے ذہنوں کے اندر انتشار اور خلفشار پیدا کر دیا ہے جو ہمیں اس جدید نظام تعلیم کی بدولت پہنچا ہے۔

"اگر ہم اصلاح چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ نہیں کہ ہم چند مضامین میں تغیر و تبدل کر لیں یا مغربی علوم وفنون کے ساتھ اسلامیات کے اجزاء بڑھا دیں بلکہ اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ مغرب نے جن حقائق کو اپنے باطل نظریات کے مطابق مرتب کیا ہے انہیں ہم اس کے نظام فکر سے الگ کر کے اسلامی نقطہ نظر کے مطابق پھر سے مرتب کریں۔"[1]

ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب حل وعقد اور اہل مدارس کو جدید مغربی فلسفہ ،عالمی کشمکش،اور تہذیبی جنگ پر اساتذہ کرام کو بریفنگ دی جائے اور نصاب میں بھی ایسی کتب شامل کی جائیں جن سے درست فکری آبیاری ممکن ہو۔ فکری تربیت ملکی مقاصد اور مسلک کے اصل اہداف کے حوالے سے ہمیں تھوڑا سا ماضی کی طرف پلٹ کر اپنے بزرگوں کو دیکھیں اور اس کے مطابق علمی کمال، روحایت اور ملی غیرت وحمیت کی خصوصیات اپنے طلبہ میں پیدا کر کے اجتماعی مقاصد اور ضروریات کے لیے ان کو تیار کریں۔

جدید نظام تعلیم سے تیار ہونے والے افراد کے فکری صلاحتیں

فکری آزادی

مولانا گیلانیؒ کا تعلق قدیم اسلامی نظام تعلیم اور جدید نظام تعلیم دونوں سے رہا تھا۔ جب عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت معلم گئے تو ذہن وفکر میں تبدیلی رونما ہوئی،اس ماحول نے مولانا گیلانیؒ کو جدید وقدیم علوم کا سنگم بنا دیا۔ یونیورسٹی کا ماحول چونکہ آزادانہ تھا، جدید مغربی علوم وفنون اور آزاد ماحول کی چھاپ نے طلباء کو ذہنی وفکری طور پر مفلوج کر دیا تھا، طلباء مغربی سوچ وفکر اور تہذیب وثقافت سے مرعوب تھے،اور تاحال یہی سلسلہ ہماری یونیورسٹیوں میں جاری وساری ہے۔ مولانا گیلانیؒ نے طلبا کی اسلامی بنیادوں پر ہر طرح کی ذہنی وفکری تربیت کی۔ چنانچہ محمد اکرام چغتائی نے مولانا گیلانیؒ کے سوانح میں ان کی تربیتی سعی اور کوشش کے بارے لکھا ہے۔

---

[1] عبدالحمید صدیقی، مقالات تعلیم، ص:38

"جن طلباء کو آپ نے پڑھایا تھا آپ کے وکیل اور مخلص بن گئے اور یہ ذہن نشین ہو گیا کہ تحصیل علم کا اصل مقصد ذہنی غلامی سے آزاد ہونا ہے اور اس میں کوتاہی جرم ہے۔۔۔۔یونیورسٹی کا یہ ڈھانچہ ان کی ذہنی صلاحیت کو کارآمد بنانے کے لیے ہی عمل میں آیا ہے۔ ریاست کی اس ساری تعلیمی سرگرمی کا ماحاصل نوجوانوں کی ذہنی وفکری اصلاح ہے۔"[1]

مولانا نے طلباء کی ذہنی وفکری تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور طلباء کو بھی مولانا سے قلبی لگاؤ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ان کو اپنے نجی معاملات میں بھی شریک کرتے تھے۔ایک شاگرد اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"طلباء پر مولانا کی شفقت قدیم اساتذہ کے لطف وکرم کی ایک زندہ یادگار تھی۔ان کی شفقت افادہ علم تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اپنے شاگردوں کے حقوق کے لیے وہ جامعہ اندر اور باہر ہمیشہ پوری قوت صرف فرماتے تھے۔ بلکہ بعض صورتوں میں ان کے نجی معاملات مثلاً شادی بیاہ میں بھی مولانا کے الطاف برابر شامل رہتے تھے۔"[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صرف درسگاہ کی حد تک مربی نہیں تھے بلکہ عملی زندگی میں ہمہ وقت طلباء کے معاملات میں شریک ہوتے اور دستگیری فرماتے۔

مادیت پسندانہ ذہن سازی

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس نظام تعلیم کے اندر ذہنی وسعت اور فکری بلندی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں، صرف مادیت، مفادات اور دنیاوی فائدے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، پیسہ پیسہ اور بس پیسہ، دنیاوی عیش وعشرت سے اوپر کوئی چیز نہیں۔اس روش کو لوگ عقل مندی کی دلیل سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فکر آخرت کرنے والوں کو قدامت پسند اور حالات حاضرہ سے نابلد کہتے ہیں۔

مولانا گیلانیؒ تعلیم وتعلم میں مادیت کے خلاف ہیں۔ان کی نظر میں جب تک استاد اور شاگرد میں حرص اور لالچ رہے گا اس وقت تک خلوص اور للٰھیت نہیں آسکتی جو کردار سازی کے لیے اساسی شرط ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"ہر قابل ذکر اسلامی ملک میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم میں قرآن (تفسیر) حدیث فقہ، عقائد کی علمی تعلیم، محبت اور بیعت کے ذریعے سے ہوائے دل کے تازہ داروں میں سیرت کی پختگی، کردار کی بہتری

---

[1] محمد اکرام چغتائی، مولانا مناظر احسن گیلانی عالم بے بدل، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور (س۔ن)، ص:216

[2] مقدمہ مقالات احسانی، ص:16

اور سب سے بڑی چیز بھی للٰہیت یا اخلاص باﷲ میں رسوخ کی کیفیت ہر زمانہ میں کی گی ان پانچ چیزوں سے کسی زمانہ میں مسلمانوں کا تعلیمی نظام خالی نہیں رہا۔"(1)

علامہ شبلی نعمانی ایک ماہر تعلیم اور مصلح امت تھے جدید تعلیم یافتہ اصحاب سے انہیں جو شکایت تھی وہ انہیں کی زبانی سنیئے:

"معلوم ہوا کہ انگریزی قوم نہایت مہمل فرقہ ہے۔ مذہب کو جانے دو، خیالات کی وسعت، سچی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے نام ہیں۔ یہاں ان چیزوں کا ذکر نہیں بس خالی کوٹ پتلون کی نمائش ہے۔"(2)

علامہ شبلی نعمانی بھی مغربی تہذیب کے بڑے نقاد ہیں انہوں نے جدید مغربی نظام تعلیم پر کڑی تنقید کی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب وثقافت اور تعلیم کی جدیدیت یہ سب کھوکھلے نعرے اور ظاہری چمک دمک ہے۔

جدید تعلیم یافتہ کے شکوک وشبہات

مولانا گیلانیؒ نے جدید نظام تعلیم میں دین کے حوالے سے طلباء کے ذہنوں میں اٹھنے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا۔ اس حوالے سے مولانا عبدالباری ندوی لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا گیلانیؒ کی اس موہوب ندویت کے لیے واہب العطایا یا جل مجدہ نے عثمانیہ یونیورسٹی کا میدان بھی خوب ہی عطا فرما دیا تھا۔ اس سٹیج پر ان کے خصوصی کمالات کا پہلا نظارہ سالہا سال تک دینیات لازم کی کرسی سے ہوتا رہا اس میں ایک طرف انٹر سے لے کر بی اے و بی ایس سی، آرٹ، سائنس کے سینکڑوں، ہزاروں طالب علموں کے جدید ذہنی سانچہ اور اس میں ابھرنے والے دینی شکوک وشبہات کے جاننے پہچاننے کا بھرپور موقع ملا۔ دوسری طرف ان کے ازالہ و امالہ کا جدید تعبیرات واصطلاحات ہی کے ذریعہ اپنی وہبی قابلیتوں سے خوب خوب کام لینے کا۔[3]

جدید مغربی نظام تعلیم کی جو چھاپ ہمارے نظام تعلیم پر پڑ گئی ہے اس نے ہمارے نوجوانوں کے قلوب اذہان میں دین اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیے ہیں جس کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ ذہنی وفکری طور پر دین کے بارے میں تردد کا شکار ہے۔

---

[1] ۔ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص:111

[2] ۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2003ء، ص:228

[3] مقدمہ مکاتیب گیلانی، ص:57

الحاد ودہریت

ہندوستان میں جب انگریز حکومت مسلط ہو گئی اور مسلمانوں کے لیے اس نے جو نظام تعلیم ترتیب دیا اس فلسفہ میں یہ بات شامل تھی کہ مسلمانوں کو الحاد اور دہریت کی طرف لے کر جانا ہے۔اس صورت حال کو اکرام چغتائی یوں بیان کرتے ہیں۔

"انگریزی دور حکومت میں حکومت کے ہی ایماء سے مسلمانی اذہان وافکار میں شکوک وشبہات کا ایک سیلاب تھا جو چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے دور بہالے اور الحاد و دہریت کے غار میں ڈال دے اور اس وقت کے کالج، یونیورسٹیوں کا حال تو مت پوچھیئے کہ وہاں پڑھنے والے مسلمان نوجوانوں کا ذہن انگریزی پروپیگنڈے سے کس طرح مسحور تھا اور اپنے یہاں وہ دینی احکامات کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔"[1]

لیکن مولانا گیلانیؒ نے براہ راست اس ماحول کا مشاہدہ کیا اور طلباء کی اسلامی نہج پر فکری تربیت کی اور ان کے ایمان کو بچایا۔ مولانا عبدالباری ندوی لکھتے ہیں۔

"نہ جاننے والے اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ جدید علوم وفنون کے معلمین، ان کی تعلیم گاہیں اور ان میں تعلیم وتربیت کا ماحول، سب مل ملا کر دین حق کے لیے ایسے سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں کہ کوئی بڑا بطنی سعید ہی عمل تو عمل ایمان کو بھی صحیح سلامت لے کر ان سے باہر آپاتا ہو گا لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت گیلانیؒ کے زیر درس دینیات لازم کے سینکڑوں طالب علموں میں کوئی بہت بڑا بطنی شقی ہی ہوتا ہو گا جو ہر روز تازہ بتازہ درسوں سے تازہ بتازہ ایمان لے کر نہ باہر آتا ہو۔"[2]

مغرب ایک سازش کے تحت الحاد اور ارتداد کو عوام وخواص کے اندر پھیلانے کی جدوجہد کر رہا ہے اور جدید تعلیم یافتہ کو مذہب بیزار بنانا چاہتا ہے۔اکرام چغتائی اپنی کتاب مناظر احسن گیلانیؒ بے بدل عالم میں لکھتے ہیں۔

"وہ (جدید) تعلیم یافتہ کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ مذہب خواہ کوئی بھی ہو، معاشی ملکی ترقی میں آہنی دیوار کی حیثیت رکھتا ہے۔جب تک اس آہنی دیوار کو گرایا نہیں جاتا اور تعلیم یافتہ اس کے مسمار کرنے میں

---

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی عالم بے بدل، ص:220-21

[2] مقدمہ مکاتیب گیلانی، ص:50

تعاون نہیں کرتے نہ قوم و ملت سر بلند حاصل کر سکتی ہے اور نہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔"[1]

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ فلسفہ اتنی تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے کہ جدید تعلیم یافتہ بڑی اسانی سے اس فلسفہ کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنے دین سے کس قدر دور ہو چکے ہیں۔"[2]

یہ اسی کا تسلسل ہے کہ کس طرح جدید نظام تعلیم، نصاب تعلیم، درسگاہیں اور ماحول ہمارے نوجوانوں کو اسلام سے دور بہالے جانا چاہتا ہے۔ان تعلیم گاہوں میں ایک سوچے سمجھے پروپیگنڈے کے تحت کس طرح مغربی نظریات کو فروغ دیا جارہا ہے۔علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے خطبات میں لکھا ہے۔

جدید تعلیم میں مذہبی اثر نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ سینکڑوں تعلیم یافتہ مذہبی مسائل کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں، اخباروں میں آرٹیکل نکلتے ہیں کہ اسلام کا قانون وراثت خاندان کو تباہ کر دینے والا ہے، اس لیے اس میں ترمیم ہونی چاہیے، ایک صاحب نے مضمون لکھا کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے، پیغمبر تھے، مدینہ جا کر بادشاہ ہو گئے اور اس لیے قرآن مجید میں جو مدنی سورتیں ہیں وہ خدائی احکام نہیں بلکہ شاہانہ قوانین ہیں، ایک موقع پر مجھ سے لوگوں نے لکچر دینے کی درخواست کی میں نے پوچھا کس مضمون پر لکچر دوں؟ ایک گریجویٹ مسلمان نے فرمایا کہ اور چاہے جس مضمون پر تقریر کیجئے لیکن مذہب پر نہ کریں، ہم لوگوں کو مذہب نام سے گھن آتی ہے (نقل کفر کفر نہ باشد) یہ صرف دو چار شخصوں کے خیالات نہیں، مذہبی بے پرواہی کی عام وبا چل رہی ہے، فرق یہ ہے کہ اکثر لوگ دل کے خیالات دل ہی میں رکھتے ہیں اور بعض دلیر طبع لوگ ان کو ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔(3)

علامہ موصوف کے نزدیک ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مغرب اپنی تہذیب وثقافت کو پھیلا رہا ہے۔اور اپنے باطل اور غلط افکار و نظریات کی ترویج کر رہا ہے جس میں پیغمبر اسلام ﷺ اور اسلام پر براہ راست حملے کیے جاتے ہیں۔

---

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی عالم بے بدل، ص:222

[2] ایضاً، ص:222

[3] ۔علامہ شبلی نعمانی، خطبات شبلی، مرتب (سید سلیمان ندوی)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان، 1989، ص:58-59

کاروباری ذہن اور عقائد کا ضعف

جدید تعلیم نے ہمیں جہاں بہت سے فوائد پہنچائے وہاں کاروباری ذہن، ابن الوقتی، عقیدے کا ضعف، سطحیت، اور مقاصد عالیہ کے معاملہ میں سہل اور تساہل پسندی بھی اسی تعلیم کی بدولت پیدا ہوئی۔ یہ ساری چیزیں اس لیے پیدا ہوئی کہ ہم نے تعلیم کا کوئی فلسفہ پیش نظر نہیں رکھا، جبکہ انگریزوں کے زمانے میں ان کا اپنا فلسفہ تھا اور ہمارے لیے معاشی مسئلہ سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

"لیکن تعلیم صرف معاش کے لیے نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ اس کا مقصد اعلیٰ انسان پیدا کرنا ہوتا ہے، جو باضمیر ہوں، شہری زندگی کے آداب سے واقف ہوں اور دوسروں کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوں۔"[1]

جدید تعلیم بے اثر اور بے کیف ہے جو ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں کو اپیل نہیں کرتا۔ علامہ اقبال نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
سینہ روشن ہو تو ہے سوز سخن عین حیات
ہو نہ روشن تو سخن مرگ دوام اے ساقی"[(2)]

مولانا گیلانیؒ نے اس بے مقصد تعلیم کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

1۔ اس نظام (جدید نظام تعلیم) تربیت پانے والے نوجوان مسلمان رفتہ رفتہ اسلام اور اسلامی طرز زندگی سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

اس حوالے سے فرماتے ہیں:

"تعلیم کا بنیادی مقصد ایک مسلمان کے لیے یہ ہونا چاہیے کہ وہ کم از کم بنیادی اسلامی تعلیمات سے نہ صرف آشنا ہو بلکہ اس کو اپنی زندگی کا حصہ بھی بنانا چاہتا ہو۔"[(3)]

---

[1] سید عبداللہ، تعلیمی خطبات، ص:64تا65

[2] ۔ کلیات اقبال اردو، (بال جبریل)، ص:550

[3] ۔ معارف، مہنامہ، اعظم گڑھ، جولائی 1945ء، ش، 15، ص:13

جدید نظام تعلیم میں بے مقصد بے جہت اور بے اثر تعلیم دی جاتی ہے جس سے طلبہ کی فکری صلاحیتوں کی پرورش نہیں ہوتی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔

علامہ اقبال جو جدید نظام تعلیم کے پروردہ اور یورپی دنیا اور وہاں کے لوگوں کی عیاریوں و مکاریوں سے خوب واقف تھے، انہوں نے انہی حالات کے مطالعہ و مشاہدہ کے بعد کہا تھا کہ:

"ہم سمجھتے تھے لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ"[1]

جدید تعلیمی اداروں میں فکری اصلاحات اور مولانا گیلانیؒ کا نقطہ نظر

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے یہ تجویز دی تھی کہ چار اسلامی کتب قرآن، حدیث، فقہ، علم کلام اور عربی زبان کا ترجمہ کروا کہ جدید تعلیمی اداروں کے نصاب تعلیم میں شامل کر دیئے جائیں تاکہ وہ جدید علوم کے ساتھ بنیادی اسلامی علوم بھی سیکھیں گے تو وہ فکری کجی اور غلط نظریات وافکار سے محفوظ رہیں گے۔ پروفیسر ابراہیم موسیٰ نے اپنی کتاب (What is Madrasa) جس کا ترجمہ وارث مظہری نے 'دینی مدارس عصری معنویت اور جدید تقاضے' کے نام سے کیا ہے، اس میں مولانا گیلانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان (مولانا گیلانیؒ) کی تجویز یہ تھی کہ آزاد ہندوستان میں مدارس کے نظام میں شامل چار کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرا کے ہائی سکول اور کالج کے نصاب میں شامل کر دیا جائے۔۔۔ کالج میں پڑھنے والے مسلم طلبہ دوسرے (جدید) مضامین کے ساتھ قرآن، حدیث، اسلامی فقہ، علم الکلام اور عربی زبان بھی پڑھ سکیں۔"[2]

یہ بات بین اور روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک وہ شخص جس کو اللہ پر ایمان و یقین نہ ہو، اور وہ آزاد، روشن خیال اور من مانی زندگی گزارنے کو روا اور جائز سمجھتا ہو اس کا نصاب اور نظام تعلیم ایک ایسے شخص کے لیے مفید و کارآمد نہیں ہو سکتا جو اللہ پر ایمان و یقین رکھتا ہو اور اپنے لیے اسلامی طرز زندگی کو ضروری سمجھتا ہو۔ جب یہ بات واضح ہو گی تو اب یہ سمجھنا آسان ہے کہ ہمیں مسئلہ کے حل کے لیے جدید نظام و نصاب تعلیم کو یکسر ختم کر کے ایک ایسے نصاب اور نظام

---

[1] ۔ کلیات اقبال، (بانگ درا)، ص:368

[2] ۔ ابراہیم موسیٰ، دینی مدارس (عصری معنویت اور جدید تقاضے)، مترجم، وارث مظہری، اقبال بین الاقوامی ادارہ برائے تحقیق و مکالمہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2017ء، ص:177

کی تشکیل کرنی ہوگی، جس سے نوجوانوں کو مثبت سوچ و فکر ملے، جو ہمارے ذاتی، قومی اور اسلامی مقاصد کی آئینہ دار ہو، تاکہ ایک مسلم معاشرے کی تشکیل نو میں نوجوانوں کی سوچ و فکر کے مثبت اثرات و نتائج مرتب ہوں۔

مولانا گیلانیؒ نے جدید نظام تعلیم میں بھی جس طرح اور جس اسلامی نہج پر طلباء کی ذہنی اور فکری تربیت کی اس کی مثال شاذو نادر ہی مل سکتی ہے۔اس ماحول میں مغربیت اپنے پورے آب وتاب سے منہ کھولے کھڑی تھی۔ یہ سب دینی اداروں میں رہنے، پڑھنے اور شیخ الہند جیسی علمی و فکری شخصیات کی صحبت اور دعاؤں کا نتیجہ تھا۔اکرام چغتائی مولانا گیلانیؒ کی فکری وذہنی تربیت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"حضرت مولانا گیلانیؒ نے ہزاروں طلباء کی ذہنی و فکری تربیت کا فریضہ ادا کیا اور اپنے رسوخ فی العلم، صاف باطنی اور اخلاص کے باعث سو فیصد کامیاب رہے۔اور ایسے افراد تیار کیے جو وہاں سے نکل کر مختلف ممالک اور خود اپنے ملک کے مختلف حصوں میں مسلمان نوجوانوں اور اسلام کی خدمت انجام دینے کا فریضہ ادا کر سکتے تھے اور کتنے ہی آج بھی یہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔"[1]

مولانا ندویؒ نے اپنے تجربے کے بعد بجا طور پر تحریر کیا ہے۔

"مغربی و اسلامی فلسفہ کے علاوہ سال دو سال مولا گیلانیؒ کی جانشینی میں دینیات لازم کے لکچروں کا بھی تجربہ ہوا۔اس سے اور بھی اندازہ ہوا کہ اسلام کی ایک اس نصرت و خدمت کی بدولت آج وہ خدا اور رسول دونوں کے حضور کیسے سرخرو ہو رہے ہیں اور کیسی رضا اور رحمتوں سے ان شاء اللہ نوازے جا رہے ہوں گئے۔"[2]

مولانا گیلانیؒ نے جدید نظام تعلیم میں رہ کر نوجوانوں کی مغربی یلغار کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سوچ و فکر کا مشاہدہ اور جائزہ لیتے ہوئے ان کی ذہنی و فکری تربیت کی تاکہ معاشرے کے کارآمد اور مفید شہری تیار ہو سکیں۔ مولانا مودودیؒ بے تربیت اساتذہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"میں صاف کہتا ہوں کہ جو استاد ہماری درسگاہوں میں ہمارے نوجوانوں کو سبق پڑھا رہے ہیں اور وہ ان کے دماغوں میں یہ فاسد خیالات بھر رہے ہیں، ان سے بڑھ کر عالم اسلام اور ملت اسلامی کا کوئی

---

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی عالم بے بدل، ص:221

[2] مقدمہ مکاتیب گیلانی، ص:58

غدار نہیں۔۔۔بد قسمت ہے وہ قوم جس کی نئی نسل اس طرح کے استادوں کی تعلیم سے پروان چڑھ رہی ہو۔"[1]

یہ بات افسوس ناک ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کی نگرانی میں و سرپرستی میں چلنے والے جدید تعلیمی ادارے بھی نصاب تعلیم، طرز تعلیم اور نظام تعلیم کے لحاظ سے عیسائی مشنری تعلیمی اداروں سے کچھ بھی مختلف نہیں، وہ ساری برائیاں اور خرابیاں جو ان اداروں میں پائی جاتی ہیں ان مسلم عصری درسگاہوں میں بھی علی وجہ الاتم موجود و باقی ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اداروں کے بانی مبانی اور سرپرست و نگراں اور ان کے اندر کام کرنے والا عملہ، یہ سب اگرچہ مسلمان ہیں مگر ان کی فکر و نظریہ بعینہ وہی ہے جو غیر مسلم دانشوروں کا ہے۔اس نظام سے تیار ہو کر نکلنے والے افراد عام طور پر بے دینی، الحاد، دہریت یا دین و مذہب کے بارے میں تشکیک و تذبذب کا شکار ہوتے ہیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملہ کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔

علامہ اقبال جو جدید نظام تعلیم کے پروردہ اور یورپی دنیا اور وہاں کے لوگوں کی عیاریوں و مکاریوں سے خوب واقف تھے، انہوں نے انہی حالات کے مطالعہ و مشاہدہ کے بعد کہا تھا کہ:

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

"ہم سمجھتے تھے لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ"[(2)]

جدید تعلیمی اداروں میں اس صورت حال سے نکلنے کے لیے اور فکری تربیت کے لیے جس سے ایک طرف علوم وفنون سے وابستگی و تعلق بلکہ ان میں اختصار و مہارت پیدا ہو، اور دوسری طرف یہ سارے علوم وفنون، معرفت خداوندی کا ذریعہ بن جائیں، اخلاق فاضلہ کے حصول کا سبب بن جائیں اور شرافت و تہذیب کی طرف گامزن کر دیں۔اس صورت حال سے چھٹکارا پانے کے لیے بڑی سنجیدگی اور غور و فکر کے ساتھ تین باتیں طے کرنی ہوں گی جس سے جدید تعلیم یافتہ کی فکری تربیت و آبیاری ہو گی۔

سب سے پہلے ہمیں نوجوانوں کو یہ فکر دینی ہے کہ اپنی حیثیت و حقیقت پر نظر کریں اور یہ طے کریں کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں اور ہمارا مقصد حیات کیا ہے؟ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا مذہب اسلام ہے، جس میں عقائد و افکار اور نظریات ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ تعلیمی درسگاہوں میں اس سوچ و فکر کو پیدا کرنا ہے

---

[1] تعلیمات، ص:170

[2] ۔کلیات اقبال، (بانگ درا)، ص:368

کہ اسلام کوئی قومیت نہیں ہے بلکہ وہ ایک پاکیزہ دین ہے جو عقائد و اقدار کا حامل بھی ہے، یہ ایک جامع نظام حیات ہے جو انسانیت کے لیے آب حیات ہے۔دوسری جس چیز سے طلبہ کو روشناس کروانا ہے جو فکر دینی ہے وہ مقصد تعلیم ہے۔آپ کیوں تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟اصل چیز تعلیم کے مقصد پر نظر کرنا اور اس کو متعین کرنا بھی ضروری ہے۔یہ سوچ و فکر دینی بہت اہم ہے کیوں کہ ہر کام اپنے مقصد کے تابع ہوتا ہے،جب تک مقصد کا تعین نہ ہوگا تعلیم اپنے اثرات و نتائج ظاہر کرنے سے قاصر ہے۔

خلاصہ باب

باب سوم مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے تعارف اور تعلیمی افکار و خیالات پر مشتمل ہے۔اس باب کو مزید چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا تعارف اور طالب علمانہ زندگی کے ادوار کو ایجاز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس فصل میں مولانا کے تعلیمی نظریات، تالیفات اور تصنیفات کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسری فصل میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار کی روشنی میں مروّجہ اسلامی اور جدید نظامہائے تعلیم میں نقائص اور خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ناقص امتحانی نظام اور درسگاہوں کے آزادانہ ماحول پر مولانا ک تنقیدی نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں مولانا نے نصاب تعلیم کے حوالے سے جن اسلامی اور عصری تقاضوں کی کمی محسوس کی ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس فصل میں مولانا کے افکار کی روشنی میں نہ صرف نصاب تعلیم میں بنیادی ضروریات کے فقدان کا اظہار کیا گیا ہے بلکہ اصلاحات بھی فراہم کی گئی ہیں۔

چوتھی اور آخری فصل میں مروّجہ نظامہائے تعلیم سے فارغ ہونے والے افراد کی فکری صلاحیتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس فصل میں اسلامی نظام تعلیم سے تیار ہونے والے علماء کے فکری محرکات اور معاشرتی اثرات جائزہ لیا گیا ہے تو دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ افراد کے فکری اسباب وجوہات اور معاشرے میں مرتب ہونے والے مثبت و منفی پہلوؤں کا الگ الگ تذکرہ کرتے ہوئے مولانا گیلانیؒ کے افکار و خیالات کی روشنی میں ذہنی اور فکری اصلاحات کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

باب چہارم

عصر حاضر میں نظام تعلیم کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے اصلاحی خاکہ

فصل اول: پرائمری وثانوی نصاب تعلیم کا مجوزہ خاکہ

فصل دوم: اعلیٰ تعلیم کے نصاب کا مجوزہ خاکہ

فصل سوم: اساتذہ اور طلباء کی تربیتی پالیسی

فصل چہارم: اسلامی وجدید تعلیمی اداروں کے منہج تدریس میں اصلاحات

فصل اول

پرائمری نصاب تعلیم کا مجوزہ خاکہ اور مولانا مودودیؒ کا زاویہ نگاہ

مولانا مودودیؒ نے نئے نصاب کا جو خاکہ پیش کیا اس میں سب سے پہلے انہوں نے چند خصوصیات کا تذکرہ بھی کیا ،وہ یہ کہ اسلامی اور جدید علوم کی انفرادیت مٹا کر دونوں کو یکساں کر دیا جائے،اختصاصی تعلیم کا طریقہ رائج کیا جائے اور واضح مقصد زندگی متعین کیا جائے۔اس کے بعد مولانا مودودیؒ نے ان ذہنی واخلاقی اوصاف کا تذکرہ کیا ہے جن سے طلبہ اور اساتذ کو آراستہ ہونا ضروری ہے۔مولانا مودودیؒ نے تعلیم کو ایک اکائی اور مرکب شکل میں پیش کیا۔ان کا کہنا ہے کہ نو خیز نسلوں کی علمی و ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کرنا ہے اور اس کے ساتھ اخلاقی اور عملی تربیت کا بندوبست کرنا بھی ضروری ہے۔نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

> "مولانا مودودیؒ نے اپنی تحریروں میں ایک جامع حکمت تعلیم،اس پر عمل پیرا ہونے کی اسکیم اور خاکہ نصاب وغیرہ مسائل پر اتنا مواد ہمارے سامنے رکھ دیا ہے کہ اگر وہ کوئی اور کام نہ کرتے تو یہی ایک کارنامہ انہیں ہماری تاریخ کی ایک عظیم شخصیت بنانے کے لیے کافی تھا۔"[1]

نصاب تعلیم کی اسلامی تدوین نو کی اہمیت وضرورت پر مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں۔

> "اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلامی کلچر پھر سے جوان ہو جائے اور زمانے کے پیچھے چلنے کے بجائے آگے چلنے لگ جائے تو اس ٹوٹے ہوئے ربط کو پھر سے قائم کیجئے۔مگر اس کو قائم کرنے کی صورت میں یہ نہیں ہے کہ دینیات کے نصاب کو جسم کی تعلیم کی گردن کا قلادہ یا کمر پشتارہ بنا دیا جائے۔نہیں بلکہ اس کو پورے نظام تعلیم و تربیت میں اتار دیجئے کہ وہ اس کا دوران خون،اس کی روح رواں،اس کی بینائی وسماعت،اس کا احساس وادراک،اس کا شعور وفکر بن جائے۔"[2]

بہترین اسلامی نظام کی خصوصیات میں وہ تمام مضامین کو خواہ سائنس ہو یا آرٹ سب کو اسلامی تصور حیات واقدار کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنے کے قائل ہیں۔

ایک مدت سے علم دین کا رابطہ دینوی علم و عمل سے کٹ چکا ہے۔اس ٹوٹے ہوئے رابطے کو دوبارہ قائم کیجئے۔دینیات کو علیحدہ سے لٹکانے کے بجائے اس کو پورے نصاب تعلیم میں اتار دیجئے۔اس کی روح رواں،اس کی بینائی

---

[1] نعیم صدیقی،المودودی،ادارہ معارف اسلامی منصورہ،لاہور،1986ء،ص:217

[2] تعلیمات،ص:27-28

اور شنوائی، اس کا شعور وادراک اس کو بنا دیجئے۔ یعنی وہ مغربی تہذیب کے تمام صالح عناصر کو اپنے اندر جذب کر لے اور ہضم کر لے۔ تہذیب حاضر کے ترقی یافتہ اسباب ووسائل سے اسلامی تہذیب کی خدمت لے۔ دوسری طرف دینی علوم کی بھی تدوین نو کر لے۔ یہاں تک کے اسلام علم و عمل کے میدان میں پھر امامت ورہنمائی کے منصب پر فائز ہو جائے جس کے لیے اسلام کو پیدا کیا گیا ہے۔[1]

کسی بھی نظام تعلیم میں پرائمری وثانوی سطح کی تعلیم مضبوط تعلیمی بنیاد فراہم کرتی ہے پرائمری وثانوی تعلیم اگر بہتر اور مضبوط ہو گی تو اگلا تعلیمی اسٹرکچر بھی بہتر اور مضبوط تر ہوتا جائے گا وگرنہ ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ ذیل میں مولانا مودودیؒ کا پرائمری نصاب تعلیم کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا مودودیؒ پرائمری تعلیم کو تعلیمی عمارت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اس سطح پر بچوں کو مروّجہ نصاب پڑھانے کے علاوہ، جدید رائج الوقت نصاب کے ساتھ ساتھ پرائمری اور ابتدائی تعلیم کے بارے میں جتنی بھی تحقیقات اور تجربات ہو رہے ہیں یا مستقبل میں ہوں گے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

اس حوالے سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس (پرائمری) تعلیم میں وہ سب مضامین پڑھایئے جو آج آپ کے پرائمری اسکولوں میں پڑھائے جا تے ہیں اور دنیا میں ابتدائی تعلیم کے متعلق جتنے تجربات کیے گئے ہیں اور آئندہ کیے جائیں ان سب سے فائدہ اٹھایئے۔"(2)

آج ہم اکیسویں صدی میں زندگی گزار رہے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے جس میں جدید ٹیکنالوجی نے برق رفتار اور حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبے میں بہت بڑا انقلاب برپا ہوا ہے۔ ایک زمانہ میں دنیا کے کسی کونے میں نادر واقعہ بریکنگ نیوز کہلاتا تھا لیکن آج ٹیلی ویژن کی نیوز چینلوں پر ہر تھوڑی دیر بعد ہمیں بریکنگ نیوز دی جاتی ہے۔ ہر دن کوئی نئی ایجاد اور نئے طریقے ہماری زندگی میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس دور میں جہاں ٹیکنالوجی کے بڑھتے اثرات نے زندگی کو تیز رفتار بنا دیا ہے وہیں تعلیم کے شعبے میں بھی ٹیکنالوجی کا اثر محسوس ہو رہا ہے۔ ہم اس ماڈرن ٹیکنالوجی کے ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے تعلیمی اداروں میں پیشہ تدریس اور انتظامی امور کو بہتر اور فعال بنا سکتے ہیں۔ تعلیم کے حصول کے الیکٹرانک ذرائع میں ای کلاس روم، اسمارٹ کلاس، اوور ہیڈ پروجیکٹر، کمپیوٹر سی ڈیز اور لیپ ٹاپ وغیرہ شامل ہیں جن کے ذریعے آج کا استاد اپنے زمانے کی تعلیم کو بہتر بنا سکتا ہے۔

---

[1] جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد، تزکرہ سید مودودی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، ص: 171

[2]۔ تعلیمات، ص: 104

مولانا کے نزدیک مروّجہ تمام مضامین پڑھانے کے ساتھ ساتھ ان میں چار چیزیں مضبوط اور پیوست ہونی چاہئیں۔

اول: بچوں کے دل و دماغ اور ذہن میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی جائے کہ اس کائنات کا مالک اور بادشاہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہ دنیا خدا تعالیٰ کی قدرت کا مظہر اور کرشمہ ہے اور دنیا میں انسان اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ کائنات کی ہر چیز بطور امانت انسان کے سپرد کی گی جس کی اس سے بازپرس ہونی ہے۔ پورے عالم میں خداوند کریم کی آیات و نشانیاں اور تجلیات پھیلی ہوئی ہیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اس دنیا پر کوئی نا کوئی حکومت کر رہا ہے۔[1]

اسلامی ذہنیت کی پختگی

مولانا مودودیؒ ابتدائی بچوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان میں مختلف مثالوں کے ذریعے اللہ رب العزت کی حقانیت کو پیوست کر دینا چاہیے۔

> "ہم چاہتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم کے لیے جس وقت بچہ داخل ہو اس وقت سے پرائمری اسکول کے آخری مرحلہ تک اس دنیا سے اسے آشنا اور روشناس ہی اس طرز پر کیا جاتا رہے کہ ہر سبق کے اندر یہ تصورات شامل ہوں۔ حتیٰ کے الف سے آٹا یا ایٹم بم نہ سیکھے بلکہ اللہ سیکھے۔ یہ وہ چیز ہے جو بچوں میں اول دن سے اسلامی ذہنیت پیدا کرنا شروع کر دے گی اور انہیں اس طرح تیار کرے گی کہ آخری مراحل تک، جب کہ وہ ڈاکٹر بنیں گے یہی بنیاد اور یہی جڑ کام دیتی رہے گی۔"(2)

اخلاقیات

مولانا مودودیؒ سمجھتے ہیں کہ نفس مضمون پڑھانے کے ساتھ ساتھ بچوں کو اعلیٰ بنیادی اسلامی اخلاقیات بھی سکھائی جائیں۔

> "دوم: بچوں میں اسلام کے اعلیٰ وارفع اخلاقیات اور اقدار پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر مضمون کو پڑھاتے وقت نیکی اور بدی میں تمیز ،اسلامی اقدار کی رغبت اور شوق اور برائی سے نفرت دلائی جائے۔ کیوں کے آج معاشرتی بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری درسگاہوں میں باقی اسباق تو پڑھائے جاتے ہیں لیکن اخلاقیات کی تعلیم نہیں دی جاتی۔"(3)

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:104

[2] ۔ ایضاً

[3] ۔ ایضاً، ص:105

مولانا مودودیؒ اخلاقیات کی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے طالب علم کو جو تعلیم دی جائے اس کے رگ و پے میں اخلاقی مضامین پیوست ہوں۔اس کے اندر رشوت خوری کے خلاف شدید جذبہ نفرت ابھارا جائے۔اس کے اندر حرام طریقوں سے مال کمانے اور کھانے والوں پر سخت تنقید کی جائے اور اس کے برے نتائج بچوں کو ذہن نشین کیے جائیں۔"(1)

سید مودودیؒ کے نزدیک بچوں میں نیکی کا شوق اور برائی سے سخت نفرت پیدا کی جائے۔

"ان کو یہ تصور دینا کے اخلاقی برائیوں کے اثرات کو میلی نگاہ سے دیکھیں اور اس کے متعلق برے خیالات کا اظہار کر سکیں۔جن چیزوں سے تعمیر انسان اور شخصیت ہوتی ہے ان کو درسیات میں بیان کیا جائے، ان کے فائدے اور نقصانات سے آگاہ کیا جائے،بچوں کو تمام اچھی صفات محمودہ اور جلیلہ جو انسانیت سازی اور خاص کر مسلمان سازی کے لیے ضروری ہیں ذہن نشین کرائی جائیں، مثلاً صداقت ،دیانت امانت کا پاس، عہد، عدل وانصاف، حق شناسی، اخوت وہمدردی، ایثار وقربانی، فرض شناسی، حلال کھانا حرام سے بچنا اور خدا خوفی یہ تمام اوصاف عملاً بچوں میں راسخ کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔"(2)

اخلاقیات اخلاقی اقدار کا ایسا مجموعہ اور نظام ہے جو ایک خوشگوار زندگی کی خاطر ہمارے رویے کو تشکیل کرتا ہے اس کے توسط سے ہم ایمانداری کی زندگی بسر کرتے ہیں جس سے ہمارے ارد گرد لوگوں سے بھروسہ اور دوستی جنم لیتی ہے۔انسان ایک معاشرتی اور سماجی مخلوق ہے جس کو گزر بسر کرنے کے لیے نہ صرف اپنوں کی حاجت ہوتی ہے بلکہ اس سفر میں دوسروں کا بھی دست نگر ہونا پڑتا ہے، مضبوط اخلاقی اقدار سے ہی ہم معاشرے میں دوستانہ راہ ہموار کر سکتے ہیں۔

اسلامی عقائد

مولانا کے نزدیک بچوں کے دل ودماغ میں اسلامی عقائد وافکار کو پیوست کر دینا چاہیے۔اس حوالے سے رقمطراز ہیں۔

---

[1] ۔تعلیمات،ص:105

[2] ۔ایضاً

سوم: بچوں میں تمام عقائد جن میں عقیدہ توحید، رسالت، آخرت اور آسمانی کتابوں پر ایمان، اس کے ساتھ کفر شرک اور دہریت کے باطل ہونے عقیدہ اچھی طرح بٹھا دینا چاہیے۔اس کے لیے الگ سے عقائد کا نصاب مرتب کرنے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ تمام مضامین روح میں ان کو سمو دیا جائے۔ بچوں میں ایمانیات اور کفریات کو غیر محسوس طریقے سے سمجھایا جائے تاکہ بچہ وسوسے اور شک وشبہ سے محفوظ رہیں۔(1)

اس حوالے مزید لکھتے ہیں:

"یہ تلقین ایسے طریقے سے ہونی چاہیے کہ بچہ یہ نہ محسوس نہ کرے کہ کچھ دعوے اور تحکمات ہیں جو اس سے منوائے جا رہے ہیں، بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ یہی کائنات کی معقول ترین حقیقتیں ہیں، ان کا جاننا اور ماننا انسان کے لیے ضروری ہے، اور انھیں مانے بغیر آدمی کی زندگی درست نہیں ہو سکتی۔"(2)

اسلام کی اساس اور بنیاد ایمان پر قائم ودائم ہے اور اس کی تعبیر ایمان مفصصل اور ایمان مجمل سے ہوتی ہے کیونکہ ان کے الفاظ انتہادرجہ مناسب، مناسب اور جامع مانع ہیں۔بچوں کو اس طور پر تعلیم دی جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ ایمان کی ایک صورت زبانی اقرار (جو اس قانونی ایمان یعنی اسلام کا رکن اول ہے جس پر تمام دنیوی معاملات کا دار و مدار ہے اور جس پر اسلامی ہیت اجتماعی کی بنیاد قائم ہوتی ہے) اور دوسری صورت تصدیق قلبی (جس پر اس حقیقی ایمان کا دار و مدار ہے جس کی بنا پر آخرت میں کوئی شخص مومن قرار پائے گا) علمی و نظری اور اصولی اعتبار سے ایمان حقیقتاً اللہ پر ہی ایمان ہے باقی تمام ایمانیات اس اصل کی فروع اور اس اجمال کی تفصیل ہے۔

اسلامی آداب معاشرت

مولانا مودودیؒ کے نزدیک چوتھی جس چیز کی تعلیم بچوں دینی ضروری ہے وہ اسلامی آداب معاشرت ہے۔

چہارم: بچوں میں اسلامی معاشرت، رہن سہن، آداب اور طور طریقے سمجھائے جائیں تمام فقہی مسائل بیاان کیے جائیں، طہارت پاکیزگی، وضو، غسل اور عبادات کے طریقے سکھائے جانے چاہیئے۔اسی طرح حقوق العباد میں والدین ، رشتہ داروں، ہمسایوں اور پڑوسیوں کے حقوق پڑھائے جائیں۔(3)

معاشرتی آداب بیان کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

1۔ تعلیمات، ص:106

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

"معاشرتی زندگی کے پسندیدہ اطوار یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر مسلمان بچے کو معلوم ہونی چاہیں، انہیں صرف بیان ہی نہ کیا جائے بلکہ ایسے طریقے سے ذہن نشین کیا جائے جس سے بچے یہ سمجھیں کہ ہمارے لیے یہی کام احکام ہونے چاہیں، یہ احکام بالکل برحق ہیں اور ایک ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے دین احکام کا پابند ہونا چاہیے۔"[1]

ثانوی تعلیم اصلاحی خاکہ (مولانا مودودیؒ کا نقطہ نظر)

مولانا مودودیؒ نے جس طرح پرائمری اور ابتدائی بچوں کے لیے ایک نقشہ اور خاکہ پیش کیا اسی طرح ثانوی اور سیکینڈری لیول کے لیے بھی باقاعدہ مجوزہ نصاب بیان کیا۔

عربی زبان

ثانوی مرحلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی جو چیز ہے وہ یہ کہ عربی زبان کو لازمی اور ضروری مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔ کیوں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا وطن اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا، ہماری تاریخ وثقافت، تہذیبی روایات اور سب سے بڑھ کر اللہ کا پیغام اور نبی ﷺ کا فرمان کا مرجع اور سرچشمہ عربی زبان ہے اس لیے عربی زبان پر مہارت حاصل کرنی ہوگی تاکہ اسلام کی حقیقی روح تک پہنچ سکیں۔[2]

سید مودودیؒ سمجھتے ہیں قرآن واحادیث کے محض تراجم سے نہیں کام نہیں چلے گا بلکہ ہر تعلیم یافتہ شخص کی عربی ادب سے واقفیت ضروری ہے۔

چنانچہ وہ عربی کی افادیت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہم عربی کو بطور ایک لازمی مضمون شامل کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک شخص جب ہائی اسکول سے فارغ ہو کر نکلے تو اسے اتنی عربی آتی ہو کہ وہ ایک سادہ عربی عبارت کو صحیح پڑھ اور سمجھ سکے۔"[3]

عربی زبان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن سنت کی زبان ہے اور ایک مسلمان اور پاکستانی کے لیے اس کی تعلیم بنیاد اور اساس کا درجہ رکھتی ہے۔ چونکہ ریاست پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ جس نظریہ کی بدولت یہ معرض وجود میں آیا وہ اس کی بنیاد اور اساس ہے یہ نظریہ جتنا مستحکم اور مضبوط ہوگا اتنا ہی ملک توانا ہوگا۔ وہ

---

[1] ۔تعلیمات، ص:106
[2] ۔ایضاً، ص:107
[3] ۔ایضاً

نظریہ اسلام ہے،اس نظریہ کی مرکزی کتاب قرآن مجید اور حضورﷺ کی احادیث مبارکہ اور ان کی تفاسیر و تشریحات بھی عربی زبان میں ہیں، ہمارے تمام عقائد وعبادات کے ماخذ عربی زبان میں ہیں اور ہماری قومی زبان اُردو بھی عربی کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرارداد مقاصد،اسلامی نظریاتی کونسل، سینٹ آف پاکستان، فیڈرل شریعت کورٹ اور قومی اسمبلی جیسے اہم اور مقتدر اداروں نے عربی زبان کی اہمت اور ضرورت کا احساس کرتے ہوئے عربی کی ترویج کے لیے قرادادیں پاس کرتے ہوئے سفارشات کیں۔

قرآن مجید

مولانا مودودیؒ کے نزدیک اس مرحلے پر نہ صرف تدریس قرآن ہو بلکہ تفہیم قرآن بھی ہو جس کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

> "اس مرحلے میں دوسرا لازمی مضمون قرآن مجید کی تدریس ہے اس کی تعلیم اس طور پر دی جائے کہ بچے اچھی طرح سمجھ کر پڑھ سکیں۔وقت کی قلت کے پیش نظر اگر مکمل نہ بھی پڑھایا جاسکے تو کم از کم دو پارے میٹرک لیول تک پڑھائے جانے چاہیے۔بلکہ مولانا سمجھتے ہیں کہ ہائی سکول کے آخری مرحلوں میں عربی کی تعلیم بھی قرآن ہی کے ذریعہ ہونی چاہیے اس سے قرآن فہمی اور عربی زبان دانی دونوں میں پختگی آئے گی۔"[1]

قرآنی تعلیم کے حوالے سے مولانا رقمطراز ہیں:

> "قرآن صرف اتنی استعداد کہ لڑکے کتاب اللہ کو روانی کے ساتھ پڑھ سکیں۔سادہ آیتوں کو کسی حد تک سمجھ سکیں اور چند سورتیں یاد ہوں۔"[2]

امت مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک آخری آسمانی کتاب ہے، جو آخری نبیﷺ پر نازل ہوئی۔اس کا پڑھنا ،سننا اور اس کے احکامات پر عمل کرنا باعث ثواب ہے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن ان کی تہذیب وتمدن ،معاشرت اور سماج کی اساس ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے
لہٰذا ضروری ہے کہ قرآن حمید کی تعلیم اس طور پر دی جائے طلبہ تجوید اور عربی لہجے میں اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے معانی اور مطالب سے پوری طرح آشنا وواقف ہوں، اور عملاً معاشرے میں اس کی جھلک پیش کریں۔

---

[1] ۔تعلیمات،ص:107

[2] ۔تنقیحات،ص:223

اسلامی عقائد

جس طرح پرائمری تعلیم میں عقائد کی تعلیم دی جاتی تھی اس مرحلہ میں تفصیلی دلائل کے ساتھ عقائد کی تعلیم دی جائے۔

" ثانوی سطح پر تیسرا ضروری مضمون اسلامی عقائد کا ہے اس میں نفس ایمانیات کے ساتھ ان کو تفصیلی دلائل سے سمجھایا جائے۔ اگرچہ پرائمری سطح پر بھی عقائد کا مضمون ہے لیکن ثانوی سطح پر تفصیلات میں جا کر قرآن وحدیث سے دلائل دے کر ذہن نشین کروایا جائے کہ ایمان کے عملی اور اخلاقی تقاضے کیا ہیں ؟اور ان کے عملی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں ؟؟"(1)

عقائد کی تعلیم کیسے دی جائے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔

اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس مضمون میں عقائد کی خشک کلامی تفصیلات نہیں ہونی چاہییں، بلکہ ایمانیات کو ذہن نشین کرنے کے لیے نہایت لطیف انداز اختیار کرنا چاہیے جو فطری وجدان اور عقل کو اپیل کرنے والا ہو۔ طلبہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کے ایمانیات دراصل کائنات کی بنیادی صداقتیں ہیں اور یہ صداقتیں ہماری زندگی سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔"(2)

اسلامی اخلاق

چوتھا لازمی مضمون اسلامی اخلاقیات کا ہے۔ اس میں صرف اخلاقی تصورات پیش کرنے کے بجائے حضور ﷺ انبیاؑ کرام اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے مواد اکٹھا کر کے طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے جس سے ان پر یہ واضح ہو کے ایک مسلمان کا کیا کردار ہے۔ سید مودودیؒ اس باب میں لکھتے ہیں:

"اسلامی عقائد کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقیات کو بھی ابتدائی تعلیم کی بہ نسبت ثانوی تعلیم میں زیادہ تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے اور تاریخ سے نظیریں پیش کر کے یہ بات ذہن نشین کی جائے کہ اسلام کے یہ اخلاقیات محض خیالی اصول اور کتابی نظریے نہین ہیں بلکہ عمل میں لانے کے لیے ہیں اور فی الوقع اس سیرت وکردار ک ایک ایسی رائے عام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔"(3)

---

1 ۔ تعلیمات، ص:108

2 ۔ تنقیحات، 222تا223

3 ۔ تعلیمات، ص:108

اسلامی معاشرت

اس مرحلہ میں تفصیل کے ساتھ نجی اور اجتماعی فلسفہ حیات کی تعلیم دی جائے۔

"پانچواں لازمی مضمون فقہ کا ہے اس مرحلہ میں زندگی گزارنے کے طور طریقے، رہن سہن، شخصی اور ذاتی زندگی، خاندانی زندگی، لین دین اور تمدن و معاشرت وغیرہ احکام و مسائل تفصیل کے ساتھ پڑھائے جائیں۔اس مرحلہ میں بچے لڑکے بن چکے ہوتے ہیں اس لیے ان کو ازدواجی زندگی کے مسائل سے بھی واقفیت ہونی چاہیے جن میں نکاح، طلاق، رضاعت، اور وراثت کے احکام شامل ہیں۔"(1)

مولانا مودودی اس مضمون کے بارے فرماتے ہیں:

"ان (طلبہ) کو یہ بتانا چاہیے اسلام تمھارے لیے انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کیا پروگرام بتاتا ہے اور یہ پروگرام کس طرح ایک صالح سوسائٹی کی تخلیق کرتا ہے۔"(2)

اسلامی معاشرت کی بنیاد تقویٰ، مساوات، اخوت، انصاف، ایثار، دوسروں کی جان ومال، عزت کی حفاظت اور تکریم انسانیت کے بلند اصولوں پر قائم ہے۔اسا سلامی معاشرت ایک عظیم معاشرت ہے جس کی عظمت ورفعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ نے توحید ورسالت کے بعد سب سے زیادہ توجہ اور اپنی تمام تر توانائیاں اصلاح معاشرہ کے لیے وقف کیں۔ لہٰذا طلبہ کو اس طرح معاشرت پڑھائی جائے کے وہ اسلامی طرز معاشرت کو اپنی زندگیوں میں حقیقی طور پر نافذ کریں۔

تاریخ اسلام

اس مرحلہ میں چھٹا لازمی مضمون تاریخ اسلام کا ہے بدقسمتی سے ہمارے طلبہ کو آج تک انگلستان کی تاریخ پڑھائی جاتی رہی ہے لیکن اسلامی تاریخ اور اپنی ملکی تاریخ سے وہ یکسر ناواقف ہیں۔جب کے اس سطح پر انہیں اسلامی اور ملکی تاریخ کے ساتھ تاریخ انبیاء، سیرت نبوی ﷺ اور حضرات خلفاء راشدین کی زندگیوں کے بارے میں مکمل معلومات ہونی چاہئیں جس کے نتیجے میں وہ اپنی سیرت اور کردار کو سنوار معیار انسانیت کے اعلیٰ مراتب تک پہنچ جائیں۔تاریخ اسلام کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

1۔ ایضاً

2۔ تنقیحات، ص:223

"اس کے (تاریخ اسلام) پڑھانے کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ طلبہ اپنے مذہب اور اپنی قومیت کی اصل سے واقف ہو جائیں اور ان کے دلوں میں اسلامی حمیت کا صحیح احساس پیدا ہو۔"[1]

آزادی سے لے کر اب تک ہمارے ملک میں پرائمری وثانوی تعلیم کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگرچہ مقداری لحاظ سے ہم نے اس سطح پر ترقی کی ہے لیکن ابھی تک معیاری تعلیم (مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور معاشرت سے منسلک ہو) سے بہت دور ہیں۔ ہمارے اسکولوں میں ابتدائی وثانوی سطح پر پڑھایا جانے والا نصاب مذہبی، سماجی، معاشرتی ومعاشی طرز زندگی سے ہم آہنگ نہیں جو کہ مضبوط نصاب کی بنیادیں ہیں۔

مولانا تقی عثمانی پرائمری وثانوی تعلیم کے لیے نصاب کا معیار تجویز کرتے ہوئے درجہ ذیل تین باتوں کو اصول بناتے ہیں۔

"اول۔ ہر جماعت کا نصاب اس دینی ضرورت کو کماحقہ پورا کرتا ہو جو عمر کے اس مرحلے میں ایک مسلمان کو پیش آتی ہیں۔ دوم۔ نصاب اتنا زیادہ بھی نہ ہو کہ وہ تمام مضامین کی مطلوبہ استعداد پیدا کرنے میں رکاوٹ بن جائے۔ سوم۔ اتنا دقیق بھی نہ ہو کہ ذہن کے لیے ایک بار ثابت ہو۔"[2]

اسی طرح ہمارے اسلامی نظام تعلیم میں پڑھائے جانے والے نصاب میں اسلامی عقائد واخلاقیات اور اسلامی آداب زندگی تو شامل ہیں لیکن جدید تعلیمی اداروں میں پڑھائے جانے والے مضامین داخل نصاب نہیں جن کی شمولیت وقت کی ناگیزیر ضرورت ہے۔ بلاشبہ نصاب ہی وہ ذریعہ ہے جس سے کوئی پیغام تمام قوم تک ایک ہی وقت میں ایک ہی طرح پہنچایا جاسکتا ہے، قوم کی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے دین ودنیا کی تفریق کو مٹا کر ایک متحد اور متوازن نصاب تعلیم کی ضرورت ہے۔

معلم مطلوب

استاد کا مقام ومرتبہ بہت بلند وبالا ہے وہ طلبہ کا روحانی باپ اور ملت کا معمار کہلاتا ہے۔ آئندہ نسلوں کی تربیت اور ہیت سازی اسی کے ذمہ ہے۔ مستقبل کے افراد تیار کرنا اور شہریوں کا بننا بگڑنا اسی کی کوششوں پر انحصار کرتا ہے۔ بچوں کی بہترین تعلیم وتربیت ایک اہم دینی وقومی فریضہ ہے یہ ذمہ داری جہاں والدین اور اساتذہ پر عائد ہوتی ہے وہاں پوری ملت، معاشرہ اور مملکت بھی اس میں شریک ہیں لیکن براہ راست ذمہ داری والدین اور اساتذہ پر ہے۔ اس لیے ان کو زیادہ فکر مند ہونا چاہیے خصوصی آج کے دور میں معمولی سی غفلت نہایت خطرناک نتائج سے دوچار کر سکتی ہے۔ تعلیمی میدان میں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ آئندہ نسلیں زیور تعلیم سے آراستہ ہوں اس مقصد کے حصول کے لیے قابل اور تربیت

---

[1] ۔ تنقیحات، ص:223

[2] ہمارا تعلیمی نظام، ص:38

یافتہ اساتذہ کی اشد ضرورت ہے۔ بچوں کو تہذیب یافتہ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ بنانے کے لیے استاد نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بچوں کے کردار اور تعمیر شخصیت میں والدین سے کہیں زیادہ استاد کا رول ہے وہ صرف معلومات کی فراہمی ہی نہیں کرتا بلکہ ان میں روح کی بلندی ذہنی پختگی اور کردار کی رفعت کے ساتھ ساتھ وطن سے محبت پیدا کرے۔

مفتی تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

"مسلمان طلبہ کو تعلیم دینے کے لیے ایسے اساتذہ کا انتخاب ناگزیر ہے جو ایک طرف اپنے تدریسی مضامین میں ماہر ہوں اور اپنے علم و فن کا ذوق رکھنے والے ہوں اور دوسری طرف نظریہ پاکستان یعنی اسلام سے کماحقہ عقیدت و محبت رکھتے ہوں۔"[1]

مولانا مودودیؒ ایسے اساتذہ کو مذہب وملت کے غدار گردانتے ہیں جو طلبہ کے قلوب واذہان میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔

آج ہمارے تعلیمی اداروں اور درسگاہوں میں ایسے اساتذہ موجود ہیں جو نسل نوخیز کے دلوں میں شب و روز اسلام کے خلاف نفرت کا بیج بو رہے ہیں انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں اسلام کسی تہذیب و تمدن کا نام نہیں، اسلام میں معاشیات کے کچھ اصول وضوابط نہیں اگر ہیں بھی تو موجودہ دور کی ضروریات کا حل نہیں پیش کرتے، اسلامی قوانین فرسودہ اور دقیانوسی ہیں جو ترقی یافتہ دور میں مناسب نہیں، مغربی برتری ان کے ذہنوں میں بٹھانے کے لیے مسلمان ہیروز کے بجائے غیر مسلموں کے کارنامے سناتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ جو اساتذہ کے روپ میں ہمارے نوجوانوں کو تعلیم دینے کے بجائے فاسد و باطل خیالات بھر رہے ہیں ان سے بڑھ کر عالم اسلام اور ملت اسلامیہ کا کوئی غدار نہیں۔[2]

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"بدقسمت ہے وہ قوم جس کی نئی نسل اس طرح کے استادوں کی تعلیم سے پروان چڑھ رہی ہو۔"[3]

بلاشبہ نئی نسل کو ایسے اساتذہ مہیا کرنا جو ہماری تہذیب وثقافت اور اسلامی اقدار کو مسخ کر کے مغربی تہذیب وثقافت اور اقدار کو پروان چڑھائیں یقیناً خودکشی کے مترادف ہے۔

طلباء وطالبات میں اسلامی افکار وجذبات پروان چڑھانے کا بہترین ذریعہ نصاب تعلیم اور اساتذہ کرام ہیں، نصاب تعلیم ایسا ہو جس میں اللہ تعالیٰ، حضور ﷺ اور آخرت پر یقین پختہ کیا جائے۔ اگر نصاب میں غیر اسلامی افکار پائے جائیں تو استاد

1۔ ہمارا نظام تعلیم، ص:27

2۔ تعلیمات، ص:170

3۔ ایضاً

اسلامی فکر کا حامل ہو تا کہ دوران تدریس ان کا کھوکھلا پن ثابت کر سکے۔اساتذہ کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ جو تربیت حاصل کرتے ہیں وہ ان تمام طریقوں کو آسان زبان میں سمجھ جائیں اور پھر اسے نہایت آسان زبان میں بچوں کو منتقل کریں اور بچے بھی ان کی بات سمجھ سکیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ اب اساتذہ کا تربیت کا نظام اُردو کے بجائے انگریزی میں کر دیا گیا ہے اب وہ بھی رٹہ لگائیں گے اور یوں حقیقی مقصد حصول تربیت ثانوی حیثیت اختیار کر جائے گی اور علم کی منزل بہت دور ہو جائے گی لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ آخر تعلیم و تربیت کا انگریزی زبان سے کیا تعلق ہے ؟

فصل دوم

اعلیٰ تعلیم کا نصاب

اس مرحلے میں مولانا مودودیؒ نصاب تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ایک کو عام جبکہ دوسرے کو خاص نصاب تعلیم سے تعبیر کرتے ہیں۔

عام نصاب تعلیم

یہ نصاب تمام طلبہ وطالبات کو بلا تخصیص پڑھایا جائے چاہے وہ کسی بھی شعبہ علم میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں۔ اس نصاب میں تین چیزیں نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ 1۔قرآن مجید 2۔حدیث کا مختصر مجموعہ 3۔اسلامی نظام زندگی کا جامع نقشہ۔

قرآن مجید کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ وہ قرآنی تعلیمات سے اچھی طرح روشناس ہو جائیں اور طلبہ کو عربی پر محنت کرائی جائے کے وہ قرآن کا مفہوم اور روح تک پہنچ جائیں۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ بیان کرتے ہیں:

> "قرآن مجید اس طرح پڑھایا جائے کہ ایک طرف طلبہ قرآن مجید کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو جائیں اور دوسری طرف ان کی عربی اس حد تک ترقی کر جائے کہ وہ قرآن کو بغیر ترجمے کے اچھی طرح سمجھنے لگیں۔"[1]

قرآن مجید ہی وہ کتاب لاریب ہے جو قیامت تک انسانوں کے لیے رشد وہدایت کا ذریعہ ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں بلند مرتبہ اور آخرت میں نجات کا حصول ممکن ہے۔اس کے لیے ضروری ہے قرآن پاک کے معانی و مفاہیم کو سمجھا جائے اس کی تفہیم کے لیے درس وتدریس کا بہترین انتظام وانصرام کیا جائے۔قرآن فہمی کے لیے ترجمہ قرآن اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔اس لیے ضروری ہے طلبہ میں قرآن فہمی کی بنیادی استعداد پیدا کی جائے تاکہ وہ روح قرآن تک رسائی حاصل کر سکیں۔

حدیث نبویہ ﷺ کی تعلیم بغیر ترجمہ کے ان احادیث مبارکہ سے جو اسلامی بنیادی اصولوں، اخلاقی تعلیمات اور سیرت ﷺ پر مشتمل ہوں دینی چاہیئے۔اس فائدہ یہ ہو گا کہ طلبہ جہاں احادیث اور دینی تعلیم سے آگاہ ہوں گے وہاں عربی زبان میں کمال حاصل کر لیں گے۔

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:145

اس حوالے سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"حدیث کا ایک مختصر مجموعہ جس میں وہ احادیث جمع کی جائیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر، اس کی اخلاقی تعلیمات پر اور نبی ﷺ کی سیرت پاک کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہوں یہ مجموعہ ترجمے کے بغیر ہونا چاہیے۔(1)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انسانیت میں افضل و اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے اور ایسی خصوصیات اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں جو دیگر انبیاء اور کل کائنات سے ممتاز کرتی ہیں۔ ذخیرہ احادیث میں ایسی بے شمار احادیث موجود ہیں جن میں آپ کی خصوصیات اور اخلاقیات کا ذکر ہے۔ لہٰذا نصاب میں ایسا مجموعہ ہو جس کے ذریعے طلبہ نبی ﷺ کی عظمت و رفعت کو پہچان کر سچی اتباع کریں اور دنیا و آخرت کی فوز و فلاح کے حقدار بن جائیں۔

اسلامی نظام حیات کے ایک جامع تصور کی تعلیم اس طور پر دی جائے جس میں اسلامی عقائد سے لیکر صلح و جنگ تک کے تمام مسائل کی احسن اور مدلل طریقے سے وضاحت کی جائے تاکہ نسل نو تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلام کی حقیقی روح کو ملحوظ خاطر رکھ سکیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

"اسلامی نظام زندگی کا ایک جامع نقشہ، جس میں اسلام کی اعتقادی بنیادوں سے لے کر عبادات، اخلاق، معاشرت، تہذیب و تمدن، معیشت، سیاست اور صلح و جنگ تک ہر پہلو کو وضاحت کے سات معقول اور مدلل طریقے سے بیان کیا جائے تاکہ ہمارا ہر تعلیم یافتہ نوجوان اپنے دین کو اچھی طرح سمجھ لے۔"(2)

خاص نصاب

یہ نصاب ہر شعبہ علم کے طلبہ و طالبات کو ان کے مخصوص شعبہ کی مناسبت سے پڑھایا جائے۔ تمام مضامین کو اسلامی خیالات و تصورات کی روشنی اور ان کے پس منظر کے ساتھ پڑھایا جائے، ہر مضمون کے طلبہ الگ ہوں۔[3]

اسلامی فلسفہ

اس مضمون میں طلبہ کو تمام جدید فلسفیانہ نظام ہائے کے ساتھ اسلامی فکر و فلسفہ پڑھانا ازبس ضروری ہے۔ لیکن اسلامی فلسفہ وہ نہیں جو مسلمانوں نے ارسطو، افاطون اور فلاطینوس سے اخذ کر کے پھر انہیں کی ڈگر پر آگے بڑھایا اور نہ ہی

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:145

[2] ۔ ایضاً

[3] ایضاً، ص:111

اس سے مراد ہمارے متکلمین کا مرتب کردہ علم الکلام ہے جو یونانی منطق و فلسفہ کے نتیجہ میں وجود میں آیا بلکہ ہمیں اس فلسفہ کو قرآنی بنیادوں پراز سر نو مرتب کرنا ہو گا جو ایک طرف انسانی علم و عقل کے حدود متعین کرتا ہے تو دوسری طرف وہ محسوسات کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقتوں کو تلاش کرنے کے درست راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور تیسری طرف وہ منطق کے ناقص طرز استدلال کو چھوڑ کر عقل عام کے مطابق ایک سیدھا سادا طرز استدلال سکھاتا ہے۔ سید مودودیؒ اسلامی فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور (اسلامی فلسفہ) ان سب کے ساتھ وہ ایک پورا نظریہ کائنات وانسان پیش کرتا ہے جس کے اندر ذہن میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب موجود ہے ان بنیادوں پر ایک نیا فن استدلال، ایک نیا فلسفہ مابعد الطبعیات، ایک نیا فلسفہ اخلاق اور ایک نیا علم النفس مرتب کیا جا سکتا ہے جسے اب مرتب کرانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ ہمارے فلسفہ کے طلبہ فلسفہ کی قدیم وجدید بھول بھلیوں میں داخل ہو کر پھنسنے کے پھنسنے نہ رہ جائیں۔"(1)

اسلامی تاریخ

تاریخ پڑھنے والے طلبہ کو دیگر تواریخ کے ساتھ اسلامی تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے ساتھ اسلامی فلسفہ تاریخ سے مکمل واقفیت دی جائے۔ مولانا سمجھتے ہیں اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ دو الگ الگ چیزیں ہیں جن کو غلط فہمی کی بنیاد پر ایک سمجھ لیا گیا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسلامی تاریخ کا مطلب بالعموم مسلمان قوموں اور ریاستوں کی تاریخ، یا ان کے تمدن اور علوم وآداب کی تاریخ سمجھا جاتا ہے اور اسلامی فلسفہ تاریخ کا نام سن کر معاً ایک طالب علم ابن خلدون کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔"(2)

اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"میں علم تاریخ کے نقطہ نظر سے ان دونوں چیزوں کی قدر و قیمت کا انکار نہیں کرتا، نہ یہ کہتا ہوں کہ یہ چیزیں پڑھائی نہ جائیں۔ مگر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ دو الگ چیزیں ہیں۔"(3)

---

1 ۔تعلیمات، ص:146

2 ۔ایضاً، ص:147

3 ۔ایضاً

عمرانیات

تمام عمرانی علوم کو اپنے اصول و قواعد اور مطمح نظر سے پڑھانے کے ساتھ ساتھ اس علم سے متعلق اسلامی تعلیمات کو ضروری داخل نصاب ہونا چاہیے۔ معاشیات میں اسلامی اصول معیشت اور سیاسیات میں اسلام کا سیاسی نظریہ اور نظام وغیرہ شامل ہوں۔[1]

فنی علوم

جہاں تک فنی علوم کا تعلق ہے اس میں اسلام بحث نہیں کرتا۔ان میں اسلامی تعلیمات کے دخول کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اخلاقی تربیت کافی ہے۔[2]

تخصص

ماسٹر لیول تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد طلبہ کو تخصص کروایا جائے جس طرح ہمارے ہاں دوسرے مضامین میں اختصاصی تعلیم کا بندوبست کیا جاتا ہے بعینہ اسی طرح علوم اسلامیہ کی تعلیم میں اسپیشلائزیشن کا بھرپور انتظام وانصرام ہونا چاہیے۔اس نہ صرف عالم پیدا ہوں گے بلکہ اعلیٰ درجہ کے فقیہ، مفسر، محدث اور مجتہدین اسلام پیدا ہوں گے۔اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں اپنی یونیورسٹیز میں علیحدہ سے اختصاصی شعبہ جات،اسلامک بلاک اور ڈیپارٹمنٹس قائم کرنے ہوں گے۔ مولانا مودودی کے نزدیک علوم اسلامیہ میں اسپیشلائزیشن کے لیے درجہ ذیل نصاب پڑھایا جائے[3]۔

عربی ادب

اس مضمون کی تعلیم سے طلبہ میں عربی ادب کی تفہیم وواقفیت کے ساتھ قابلیت اور استعداد میں اضافہ ہوگا جس سے وہ اعلیٰ درجہ کی علمی کتب پڑھنے سمجھنے کے ساتھ نہ صرف عربی زبان لکھنے میں ماہر ہوں گے بلکہ قادرالکلام بھی ہوں گے۔[4]

---

[1] تعلیمات، ص:113

[2]۔ایضاً، ص:148

[3] ایضاً، ص:114

[4] ایضاً

علوم قرآن

علوم قرآنیہ میں طلبہ کو علم تفسیر سے مکمل روشناس کروایا جائے جن میں اصول تفسیر، علم تفسیر، اور فن تفسیر کو پڑھاتے ہوئے مختلف مذاہب کی خصوصیات سے آگاہی فاہم کی جائے۔اور قرآن مجید کا تحقیقی مطالعہ بھی کرایا جائے۔[1]

علوم حدیث

اس مضمون میں طلبہ کو اصول حدیث، تاریخ علم حدیث اور فن جرح و تعدیل سے باور کروایا جائے اور اس کے بعد احادیث کی کتب پڑھائی جائیں۔طلبہ کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ احادیث کی جانچ پڑتال کر سکیں اور درایت کے اصولوں پر پرکھنے کے بعد ان کی صحت و سقم کے متعلق رائے قائم کرنے کے قابل ہو جائیں۔[2]

علم فقہ

علم فقہ میں طلبہ کو اصول فقہ، تاریخ علم فقہ اچھی طرح ذہن نشین کرائی جائے ، فقہی مذاہب تفصیلی پڑھائے جائیں اس طور پر کہ ہر مذہب کی امتیازی خصوصیات اور قرآن و حدیث سے نصوص کا طرز استدلال اور استنباط احکام کے طرق سے روشناس کرادیا جائے۔[3]

علم العقائد

علم عقائد میں علم کلام کا تعارف اور اس کی تاریخ سے آشنا کیا جائے کہ طلبہ اس علم کی حقیقت سے واقفیت کے ساتھ متکلمین اسلام کے پورے کام پر انہیں مکمل دسترس ہو[4]۔

تقابل ادیان

اس مضمون میں طلبہ کو دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کا تعارف، تعلیمات، خصوصیات اور ان کی تاریخ سے روشناس کیا جائے۔(5)

---

[1] تعلیمات، ص:114

[2] تعلیمات، ص:114

[3] ایضاً

[4] ایضاً، ص:115

[5]۔ایضاً، ص:149

ڈاکٹریٹ

اختصاصی تعلیم کے بعد علوم اسلامیہ میں تحقیق کرنے کے لیے ایک مستقل شعبہ ہونا چاہیے جو جدید مغربی یونیورسٹیوں کی طرح اعلیٰ درجہ کی علمی تحقیق کرنے پر ڈگری جاری کرے۔

اس حوالے سے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس شعبہ میں ایسے لوگ تیار کیے جائیں جو مجتہدانہ طرز تحقیق کی تربیت پا کر نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے پوری دنیا کی نظری و فکری رہنمائی کے لیے مستعد ہوں۔"[1]

ماڈل اسلامی یونیورسٹی (مولانا مودودیؒ کا نقطہ نظر)

مولانا مودودی نے 1934ء میں ماہ نامہ ترجمان القرآن میں ایک مضمون "ملت کی تعمیر نو کا صحیح طریقہ" کے عنوان سے لکھا تھا کہ مسلمانوں کی نئی نسل کی فکری و دینی تربیت کے لیے کن کن اقدامات کی اور کس ترتیب کے ساتھ ضرورت ہے۔ یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ ملت اسلامیہ کی عمارت جس ترتیب پر قائم ہوئی تھی وہ اس طرح تھی کہ پہلے قرآن مجید پھر سنت رسول پھر اہل علم کا اجتہاد تھا لیکن بد قسمتی سے اب یہ ترتیب نہیں رہی۔ مولانا نے گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس ترتیب کو بالکل ہی الٹ دیا گیا ہے جس کی بدولت جمود آ گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تعلیمی ماڈل پیش کیا جس میں فکری، دینی اور اخلاقی تربیت کا خیال رکھا گیا ہے۔ مولانا کے نزدیک امت مسلمہ کا احیاء اس وقت تک ممکن نہیں جب تک نظام تعلیم کی اصلاح نہ کی جائے اور اس کو صحیح سمت نہ دی جائے۔ اس لیے انہوں نے تعلیمی صلاحات کی تجاویز پیش کیں۔

مولانا مودودیؒ نظام اور نصاب تعلیم کی از سر نو تشکیل کے لیے جو سوچا تھا اس کو عملی شکل میں لانے کے لیے وہ ایک اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اس کا اظہار وہ اس طرح سے کرتے ہیں:

"در حقیقت عالم اسلام کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ نہ تو دار العلوم ہے جو قدیم طرز کے علماء تیار کرے اور نہ جدید یونیورسٹی جو مغربی علوم کے ماہرین پیدا کرے بلکہ ایک ایسی یونیورسٹی کی ضرورت ہے جو دنیا میں اسلام کے علمبردار تیار کر سکے، جو اخلاق و کرادر کے اعتبار سے اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مغربی طرز کے نظام تعلیم سے فارغ ہونے والوں کی بہ نسبت فائق تر ہوں۔"[2]

1۔ تنقیحات، ص:226

2۔ تعلیمات، ص:118

اسلامی یونیورسٹی کے مقاصد

1۔ایسے صالح و متقی علماء کی تیاری جو عصر حاضر میں اسلام کے مطابق دنیا کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام کے اہل ہوں۔

2۔اس کا ماحول ایسا ہو جو طلبہ میں اعلیٰ اسلامی صفات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر اسلامی ثقافت کو مستحکم کرے۔

3۔اسے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے کھلا ہونا چاہیے، تاکہ ہر جگہ کے طالب علم آزادی کے ساتھ اس میں داخلہ لے سکیں۔

4۔اسے لازماً اقامتی یونیورسٹی ہونا چاہیے جس میں طلبہ ہمہ وقت رہیں۔

5۔اس کے لیے اساتذہ کا انتخاب صرف علمی قابلیت کی بنیاد پر ہی نہ ہو بلکہ اس کے تمام اساتذہ اپنے عقائد و نظریات اور اپنی عملی زندگی کے لحاظ سے صالح اور متقی بھی ہوں۔

6۔اس کے طلبہ کو ایسی تربیت دی جانی چاہیے کہ ان کے اندر حسب ذیل اوصاف پیدا ہوں:

(ا)اسلام اور اس کی تہذیب پر فخر اور اسے دنیا میں غالب کرنے کا عزم۔

(ب)اسلامی اخلاق سے متصف اور اسلامی احکام کی پابندی۔

(ج)دینی ثقاہت اور مجتہدانہ بصیرت۔

(د)تنگ نظری اور فرقہ بندی سے پاک ہونا۔

(ہ)تحریر و تقریر، تنظیم و انتظام اور قیادت کی صلاحیتوں سے متصف ہونا۔

(و)جفاکشی، محنت، چستی اور اپنے ہاتھ سے ہر طرح کے کام کر لینے کی صلاحیت۔

(ز)اس میں صرف وہ لوگ داخل کیے جائیں جو ثانوی تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوں۔

7۔یونیورسٹی صرف علوم اسلامیہ کے ماہرین تیار کرے دوسرے علوم اسلامی علوم کے معاون کے طور پر پڑھائے جائیں۔[1]

تعلیمی مراحل

مولانا مودودیؒ کے نزدیک اس کی تعلیم تین مراحل پر مشتمل ہونی چاہیے، حسب ترتیب مرحلہ اولیٰ 4 سال، مرحلہ ثانیہ 3 سال اور مرحلہ ثالثہ 2 سال کا ہو۔

---

[1] ۔تعلیمات، ص:120۔121

مرحلہ اولی کا نصاب

اس مرحلہ کی مدت چونکہ چار سال پر محیط ہے لہٰذا حسب ذیل مضامین کو اس مدت پر مناسب طریقے سے تقسیم کر دینا چاہیے۔

عقائد اسلام: اس مضمون میں قرآن و سنت کی رو سے اسلام کے عقائد عقلی اور نقلی دلائل سے تفصیلاً پڑھانے چاہیں۔

اسلامی نظام حیات: اس مضمون میں طلبہ کو اسلامی تمدن و ثقافت اور اسلامی نظام حیات سے مکمل روشناس کرایا جائے۔

قرآن مجید: اس چار سالہ مدت میں قرآن کی مختصر تفسیر اس طرح پڑھائی جائے کہ طلبہ کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات خود بخود رفع ہو جائیں۔

حدیث: اس مضمون میں طلبہ کو تاریخ علم حدیث، علم حدیث، اصول حدیث اور حجیت حدیث مکمل دلائل سے پڑھانے کے بعد سنن کی ایک کتاب بھی پڑھا دینی ضروری ہے۔

فقہ: اس میں طلبہ کو تاریخ فقہ اور اصول فقہ سمجھانے کے بعد فقہ کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ وہ مسائل فقیہ میں فقہاء کے مذاہب سے واقف ہونے کے ساتھ وہ ماخذ شریعت سے مجتہدین کے استنباط سے بھی اگاہی حاصل کر لیں۔

تاریخ اسلام: اس مضمون میں انبیاء کرام کی تاریخ سے لے کر آج تک کی مکمل تاریخ اسلامی پڑھانی چاہیے۔

عمرانیات: سوشل سائنسز کی تعلیم کے لیے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو اسلامی نقطہ نظر سے پڑھا سکیں اور مغربی تہذیب و نظریات سے طلبہ کو دور رکھیں۔

ادیان عالم: اس مضمون میں دنیا میں پائے جانے والے بڑے بڑے مذہب سے واقفیت دی جائے۔ جدید مغربی افکار کی تاریخ: اس میں مغربی جمہوریت، اشتراکیت اور فسطائیت کے بارے میں تعلیم دی جائے۔

بین الاقوامی زبان: اس میں بین الاقوامی زبانوں میں سے کوئی ایک انگریزی، جرمن اور فرنچ زبان سکھائی جائے۔[1]

مرحلہ ثانیہ کا نصاب

اس مرحلہ میں پانچ شعبے ہونے چاہیے، تفسیر، حدیث، فقہ، علم الکلام اور تاریخ۔

شعبہ تفسیر: تفسیر کے شعبہ میں درجہ ذیل سات مضامین ہونے چاہیے:

---

1 ۔ تعلیمات، ص: 122۔123

"(1)تاریخ قرآن(2)تاریخ علم تفسیر اور مفسرین کے مذاہب و خصوصیات(3)اختلاف قرات(4)اصول تفسیر(5)قرآن مجید کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ(6)مخالفین قرآن کے اعتراضات کے جوابات(7)احکام قرآن۔

شعبہ حدیث: اس شعبے میں درجہ ذیل پانچ مضامین ہونے چاہیے۔

(1)تاریخ و تدوین حدیث(2)علوم حدیث اپنے تمام شعبوں کے ساتھ(3)حدیث کی امہات کتب میں سے کوئی ایک کتاب تفصیلی تنقید کے ساتھ تاکہ طلبہ میں محدثانہ جانچ پرکھ پیدا ہو۔(4)کتب صحاح پر ایک جامع نظر(5)مخالفین حدیث کے اعتراضات تفصیلی جائزہ اور جوابات۔"[1]

مولانا مودودی کے نزدیک امت مسلمہ کا احیاء اس وقت تک ممکن نہیں جب تک نظام تعلیم کی اصلاح نہ کی جائے اور اس کو صحیح رخ نہ دیا جائے۔اس لیے انہوں نے ہر ہر مرحلے کے لیے (ابتدائی،ثانوی اور اعلیٰ) کی اصلاح کے لیے تجاویز بھی پیش کیں۔مولانا مودودی نے تعلیم کی از سر نو تشکیل کے لیے جو خواب دیکھا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ایک اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے تھے جس میں ان کا بیان کردہ خاکہ کے مطابق نظام و نصاب ترتیب دیا جاسکے۔

---

[1] ۔تعلیمات،ص:124

فصل سوم

تربیت کا مفہوم و مقاصد

اہل لغات نے تربیت کے معنی پالنا، تربیت کرنا اور کسی کو تدریجاً نشو و نما دے کر کے حدِ کمال تک پہنچانا ہے اور تربیت مادہ ربّ سے نکلا ہے اہل لغات نے بہت سے معانی ذکر کیے ہیں ان میں سے بعض جیسے برتری، سردار، مالک، سیاستدان، وغیرہ۔

اہل عرف و عقلاء کی اصطلاح میں تربیت کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

1: انسان کی پوشیدہ اور چھپی ہوئی صلاحیتوں کی تربیت کرنا۔

2: انسان کو پستی سے نکال کر بلندی اور تکامل کی راہ پر گامزن کرنے اور اسے آگے بڑھانے میں جن صفات کی ضرورت ہو ان کی دیکھ بھال کر کے صحیح پروان چڑھانے کا نام تربیت ہے۔

3۔ یعنی کسی کے اندر مناسب رفتار پیدا کرنے اور اس کو اچھے ہدف تک پہنچانے اور اس کی استعداد کو اجاگر کرنے کے لیے کمالات کی طرف حرکت دینے کا نام تربیت ہے۔

در حقیقت تربیت کردار سازی، تزکیہ نفس، اور تعمیر سیرت ہم معنی ہیں، اور قرآن مجید میں ان کے لیے تزکیہ نفس کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيهِمۡۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ١٢٩﴾[1]

ترجمہ: اے ہمارے رب ان میں انہیں میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

تربیت میں کسی چیز کو وجود میں نہیں لایا جاتا بلکہ تربیت میں ان موجود صفات کی پرورش کی جاتی ہے جیسے مالی اور باغبان اپنے باغ میں پودوں اور پھولوں کی اچھی طریقے سے دیکھ بھال کرتا ہے اور باغ کے ہر ایک پھول ور پودے کی

---

[1] البقرہ، 129/2

پرورش کرتا ہے اور انہیں مختلف موذی امراض سے بچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے تاکہ اس سے اپنا مطلوبہ مقصد حاصل کرے۔

مندرجہ بالا آیت میں تزکیہ سے مراد پاک کرنے کے ہیں جسے موجودہ نظام تعلیم میں تربیت کا نام دیا جاتا ہے۔ تربیت اچھا انسان اور بہترین مسلمان بننے معاون ومددگار ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا﴾ [1]

تم اپنی بھی تربیت کرو تاکہ ذلت وپستی اور جہنم میں جانے کی بجائے انسان بلند مرتبوں تک پہنچو اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی بھی تربیت کرو اور ان کو بھی پستی، ذلت اور جہنم کی آگ سے بچائو گویا اس آیت کا لہجہ یہ بتلا رہا ہے کہ تربیت ایک امر واجب اور ضروری ہے کیونکہ ذلت، پستی اور جہنم سے بچنے اور کمالات کی طرف بڑھنے کیلئے تربیت ضروری ہے اور اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تربیت کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان اپنی فردی اور اجتماعی ذمہ داری کو انجام دے اور دوسروں کے حقوق کو پامال نہ کرے اور نہ ہی تجاوز کرے۔

تربیت ایک جامع اصطلاح ہے اس سے مراد محض دینی تربیت نہیں بلکہ ایمانی، اخلاقی، جسمانی، نفسیاتی، اجتماعی، فنی اور پیشہ ورانہ تربیت سب ہی اس میں شامل ہیں۔ تاہم ایک مسلمان کے لیے ہر قسم کی تربیت کی اساس اور بنیاد اسلامی تربیت ہی ہے کیونکہ یہی نظریہ اور عقیدہ ہی ایک مسلمان کی پوری زندگی سے بحث کرتا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں اس کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اہمیت وضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تربیت کیلے کتنا بڑا انتظام کیا کہ رسول بھیجے یہاں تک کہ انسان کو عقل جیسی نعمت سے نوازا ایک انسان کی تربیت کیلے خدا نے کتنا بڑا انتظام کیا کہ اپنی طرف سے انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں مختلف افراد کو اس ذمہ داری کو ادا کرنے کیلئے کبھی رسول اور آسمانی کتب جیسی نعمت دے کر تربیت فرمائی اور کبھی والدین کو تربیت کیلے مسئو لیت دے دی۔ چنانچہ افضل حسین لکھتے ہیں۔

" صحیح تعلیم وتربیت کار نبوت کا ایک اہم جزو ہے اور دیگر امور زندگی کی طرح اس معاملے میں بھی آپؐ ہی کا اسوہ حسنہ ہم سب کے لیے مستند اور قابل تقلید ہے۔"[2]

---

[1] ۔التحریم، 6/66

[2] فن تعلیم وتربیت، ص:93

ایک حد تک والدین تربیت کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول وپیغمبر کے ذریعہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا کہ تم اپنی تربیت کرواور لوگوں کی بھی تربیت کرواور ان کو ذلت وپستی اور جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ سورہ تحریم آیت ٦ میں سختی سے تربیت کی طرف متوجہ کیااور پھر پورے معاشرے کی یہ ذمہ داری قرار دی کہ تربیت میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں ایک دوسرے کا ساتھ دیں اگر رشتہ دار ہیں تو بھی اس تربیت میں اپنا مثبت کردار ادا کریں۔

اگر علماء اور دانشمند ہیں تو وہ بھی معاشرے کے تمام انداز کی تربیت کریں اور لوگوں کو انحراف اور ذلت وپستی سے نکالیں اور معاشرے کی مشکلات کو حل کریں اور اگر اساتذہ ہیں تو بھی فقط ایک کورس اور کتابوں کے نصاب کی حد تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ بھی اس تربیتِ انسانی میں مسئول ہیں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی کریں اور اگر حکومت اسلامی ہو تو اس کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں ایسے امور اور قوانین لاگو کرے کہ جس کے ذریعہ معاشرے کے تمام آفراد تربیت یافتہ اور مہذب بن سکیں اور خود معاشرے کے ہر فرد کی بھی یہی ذمہ داری ہے۔

اساتذہ کی تربیتی پالیسی

اساتذہ کو معاشرے میں ایک خاص مقام حاصل ہے اور انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جہاں تک بنی نوع انسان کی بہبود کا تعلق ہے یہ پیشہ اس سلسلے میں تمام پیشوں سے بڑھ چڑھ کر خدمات انجام دے رہا ہے کیونکہ دیگر تمام فن اور پیشے فن تعلیم کے مرہون منت ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں کی تربیت میں استاد نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ معلمی ایک ایسا شعبہ ہے جسے باقاعدہ دوسرے شعبوں کی طرح تربیت کے ذریعے سے سیکھا جا سکتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ایسی تربیت کا کوئی خاص تصور نہیں تھا بلکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک عظیم معلم پیدائشی طور پر معلم ہوتا ہے اور کوئی شخص جو اس پیشے کے لیے موزوں نہ ہو اسے کسی قسم کی تربیت کے ذریعے معلم نہیں بنایا جاسکتا۔ اگر اس اسدلال کو جزوی طور پر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہے گا کہ کیا موجودہ زمانہ میں جس قدر معلمین کی ضرورت ہے اتنے معلمین دستیاب ہو سکتے ہیں ؟ اتنی بڑی تعداد میں معلمین کسی منظم تربیتی نظام کے ذریعے سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ تربیت کے نظام کو موثر بنانے کے لیے افراد کے انتخاب ک طریقہ کار تبدیل کرنے سے ایسے خواص کے حامل افراد تربیتی اداروں میں داخل کیے جا سکتے ہیں جن کے کامیاب معلمین بننے کے امکانات زیادہ ہیں۔

ہم مسلمان ہیں مسلمان رہنا چاہتے ہیں اچھے مسلمان بننا چاہتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی اچھا مسلم بنانا چاہتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کی تربیت بھی اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے۔ اسلامی اصولوں پر تربیت اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان سے بہترین تربیت ہوتی ہے، بہترین انسان وجود میں آتے ہیں اور اعلیٰ' کردار تشکیل پاتے ہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس میں بیان کردہ عقائد کہ جن پر انسان کے اعمال اور معاشرتی اقدار کی بنیاد ہے

نہ صرف آفاقی ہیں بلکہ تمام زمانوں کے لیے راہ نما اصول اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ایمانیات، عبادات اخلاقیات اور معاملات کی تربیت اسلام ہی کے زریں اصولوں کی روشنی میں کی جائے اسلام اس کے لیے تزکیہ نفس کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا۟ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾﴾ [1]

ترجمہ: بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ انہیں میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اساتذہ کے لیے تربیتی پالیسیاں

اسلامی عقائد و نظریات

مولانا مودودیؒ مربی یعنی تربیت کرنے والے اساتذہ کے لیے کچھ اوصاف و شرائط لازمی قرار دیتے ہیں تاکہ ایک آزاد اسلامی فلاحی ریاست میں ایک بہترین اسلامی نظام تعلیم رائج ہو جس نظام کے تحت اساتذہ بھی اعلیٰ ' انسانی و اسلامی ،اخلاقی اور قومی عقائد و نظریات کے حامل ہوں۔ مولا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"تمام اساتذہ اپنے عقائد و نظریات اور اپنی عملی زندگی کے لحاظ سے صالح اور متقی ہوں۔"(2)

اسلامی نقطہ نظر سے اساتذہ کا انتخاب صرف علمی قابلیت کی ہی بنا پر نہیں بلکہ اساتذہ کے عقائد و نظریات اور عملی زندگی میں اعمال صالحہ اور تقویٰ کی بنیاد پر ہونا از حد ضروری ہے۔ تعلیم کا پیشہ روحانی صفات کا حامل ہے۔ معلم کی ذاتی خوبیاں مثلاً خلوص، ہمدردی، شفقت، علمی برتری اور اپنے پیشے سے لگاؤ بچوں کی شخصیت کے لیے بہت اہم ہیں۔ نسل نو کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا اس کا اولین فرض ہے، بچوں کے کردار کی تشکیل اور شخصیت کی تعمیر میں اس کا حصہ والدین سے

---

[1] آل عمران، 164/3

[2] ۔ تعلیمات، ص:121

کہیں زیادہ ہے۔استاد بچوں کو محض معلومات ہی فراہم نہیں کرتا بلکہ ان میں روح کی بلندی،ذہن کی پختگی اور کردار کی رفعت پیدا کرتا ہے انہیں صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے۔

ایک متوازن شخصیت کی تعمیر

ہمارا نظام تعلیم دوئی کا شکار ہے ایک طرف تو دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ ہوتے ہیں دوسری طرف جدید تعلیمی اداروں کے گریجویٹ ہوتے ہیں۔دونوں طرح کے طلبہ میں کچھ کمی رہ جاتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اساتذہ کے لیے ایسی تربیتی پالیسی بنائی جائے کہ وہ ایسے افراد تیار کر کہ معاشرے کو فراہم کریں جن کے ہاتھ میں جہاں جدید علوم کی روشنی بھی ہو وہاں ان کا پاور ہاوس اسلام کے آفاقی اصولوں اور تعلیمات سے بہرہ مند ہو رہا ہو۔

مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں:

"اساتذہ کو عالم اسلامی کے مختلف ممالک سے منتخب کیا جائے جو اعلیٰ درجے کی علمی قابلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے عقائد وافکار کے لحاظ سے بھی پورے مسلمان ہوں۔عملاً احکام اسلامی کی اتباع کرنے والے ہوں اور مغربی ثقافت سے شکست خوردہ نہ ہوں۔"[1]

دیکھا جائے تو اسلامی نظام تعلیم و تربیت کی روح بھی یہی ہے کہ اس سے انسانی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی متوازن تعمیر ہو اور اسکے نتیجے میں ایک ایسی شخصیت ابھر کر سامنے آئے جو عصر حاضر کے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور اس کے ساتھ وہ روحانی طور پر بھی مضبوط شخصیت ہو جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پوری طرح بجاآوری بھی کرتا ہو۔

اساتذہ کا طلبہ کے لیے عملی نمونہ ہونا

طلبہ کا براہ راست تعلق استاد سے ہوتا ہے وہ اس کو دستیاب نمونہ سمجھتے ہیں اور اسی کی پیروی کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اساتذہ کے لیے سیرت طیبہ کی روشنی میں ایسی تربیتی پالیساں ترتیب دی جائیں جن کی روشنی میں وہ از خود عملی نمونہ بن کر طلبہ کے سامنے آئیں۔پنے اخلاق وعادات کو بہتر بنائے۔مولانا مودودیؒ بیان کرتے ہیں:

"محض کتابیں پڑھانے اور علوم وفنون سکھا دینے سے ہمارا کام نہیں چل سکتا ہمیں اس کی ضرورت ہے ہے کہ ہمارے ایک ایک نوجوان کے اندر اسلامی کریکٹر پیدا ہو،اسلامی طرز فکر اور اسلامی ذہنیت پیدا ہو،خواہ وہ سائنٹسٹ ہو،خواہ وہ علوم عمران کا ماہر ہو خواہ وہ ہماری سول سروس کے لیے تیار ہو رہا ہو جو

---

[1] ۔تعلیمات،ص:121

بھی ہو اس کے اندر اسلامی ذہنیت اور اسلامی کریکٹر ضرور ہونا چاہیے۔ یہ چیز ہماری تعلیمی پالیسی کا حصہ ہونی چاہیے۔"(1)

اگر اس میں کچھ خامیاں ہیں تو انہیں طلبہ کے علم میں نہ آنے دے۔ اسی طرح اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ طلبہ کو علم دینے کے ساتھ عمل کا طریقہ بھی بتایا جائے اور یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے جب استاد خود کو طلبہ کے لیے ایک نمونہ اور رول ماڈل بنا دے۔

تربیت ایک صبر آزما اور محنت طلب کام ہے

تربیت اور تعلیم کسی معاشرے کی تعمیر میں دو پہیوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ ایسی پالیساں مرتب کی جائیں جن کو مشعل راہ بنا کر اساتذہ کچھ وقت طلبہ کی تعلیم کے لیے مختص کریں اتنا ہی تربیت کے لیے بھی۔ لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ تربیت کے نام پر محض چند گنی چنی باتیں ہفتہ وار بزم ادب یا اس طرح کی دوسری تقاریب میں بیان کری جاتی ہیں جو کہ کسی لحاظ سے درست نہیں۔ تربیت کے لیے بھی اس طرح کا فریم ورک اور منصوبہ بندی ضروری ہے جیسا کہ تعلیم کے لیے کی جاتی ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"نظام تعلیم میں نصاب اور اس کی کتابوں سے بڑھ کر استاد اور اس کا کریکٹر اور کردار زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"(2)

بلاشبہ استاد کا کردار بے داغ اور مثالی ہو تو بیک وقت سینکڑوں طلبہ کی شخصی تعمیر کا خوشگوار فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک مہربان، شفیق اور ہمدرد دوست ہے، وہ ان کا راہنما بھی ہے اور اپنی تعلیمات کا عملی پیکر بھی۔ بچے اپنے استاد کو دنیا کا سب سے بڑا آدمی سمجھتے ہیں، اس کی ہر بات پر غیر معمولی اعتماد کرتے ہیں، اس کی سیرت و کردار کو اپنے لیے قابل تقلید سمجھتے ہیں۔ اس لیے استاد کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی تربیت پر پوری توجہ دے، ان کے اندر اچھائی اور برائی کی تمیز پیدا کرے، علمی اور ثقافتی ورثے کو دیانت داری سے ان تک پہنچائے، بچوں کی تربیت میں انفرادی اختلافات ملحوظ خاطر رکھے، بچوں کے دلوں میں تحصیل علم کا شوق پیدا کرے، امتیازی سلوک سے اجتناب کرے اور تمام بچوں کو ان کی ضرورت کے مطابق توجہ دے۔

---

[1] ۔ تعلیمات، ص: 137 تا 138

[2] ۔ ایضاً، ص: 150

طلباء کے لیے تربیتی پالیسیاں

مولاناسید مودودیؒ نے ایک اسلامی یونیورسٹی میں طلباء کی تربیت کے درجہ ذیل اوصاف بیان کیے ہیں۔

(الف)اسلام اور اس کی تہذیب پر فخر اور اسے دنیا پر غالب کرنے کا عزم۔

(ب)اسلامی اخلاق سے اتصاف اور اسلامی احکام کی پابندی۔

(ج)دین میں تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت۔

(د)تنگ نظرانہ فرقہ بندی سے پاک ہونا۔

(ھ)تحریر و تقریر اور بحث کی عمدہ صلاحیتیں اور تبلیغ دین کے لیے مناسب قابلیتیں۔

(و)جفاکشی، محنت، چستی، اور اپنے ہاتھ سے ہر طرح کے کام کر لینے کی صلاحیت۔

(ز) تنظیم وانتظام اور قیادت کی صلاحیتیں۔[1]

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے اسلام نے تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلقہ اداروں کے لیے ایسے اصول وضع کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے دینی و دنیاوی زندگی میں کامرانیاں حاصل ہوتی ہیں۔اسی تناظر میں اگر کسی تعلیمی ادارے میں بچوں کی صحیح اسلامی تربیت کرنا مقصود ہو تو ضروری ہے کہ ایسی تربیتی پالیسیاں مرتب کی جائیں جو کہ تربیت کے لیے جہاں ایک طرف رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں تو دوسری طرف وہ ایک کسوٹی کا کام بھی دیں۔اسلام میں کسی خاص فرد کسی خاص گروہ کے مفاد کے لیے کام نہیں کیا جاتا بلکہ اجتماعی مفاد اور اجتماعی بھلائی جیسے مقاصد کو مد نظر رکھ کر کام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سب کی بھلائی کا خیال رکھے۔

استاد بھی یقیناً ایک انسان ہے اس میں بھی بہت سی خامیاں موجود ہوتی ہیں اس لیے مناسب ہے کہ بچوں کے ذہن میں کسی ایسے رول ماڈل کو بٹھا دیا جائے جس کی کوئی خامی ان تک نہ پہنچ سکے عام طور سے قائد اعظم کو رول ماڈل بتایا جاتا ہے دیکھا جائے تو قرآن مجید جیسی عظیم کتاب کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی ﷺ کو بھیجا اس کے پیچھے یہ نفسیات بھی کار فرما تھی کہ لوگ رول ماڈل کے بغیر اچھی طرح نہیں سیکھ سکتے۔اس لیے ضروری ہے کہ مربی ہر اہم موقع پر آپ ﷺ کے کردار کی مثالیں دے دے کر بچوں کی تربیت کرے تاکہ بچوں کو پتا چل جائے کہ زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ کیا ہے اور اچھے انسان میں کون کون سی صفات ہوتی ہیں۔استاد کا کام صرف تدریس نہیں بلکہ تعمیر شخصیت ہے استاد درسگاہ کی روح ہے بچوں کے کردار کی تشکیل اور شخصیت کی تعمیر میں استاد کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ بچے استاد کی ذات پر غیر معمولی اعتماد کرتے ہیں اور اس کی سیرت و کردار کو قابل تقلید سمجھتے ہیں۔

---

[1] ۔تعلیمات، ص:121

فصل چہارم

اسلامی وجدید تعلیمی اداروں کے منہج تدریس میں اصلاحات

منہج عربی زبان کے لفظ نہج سے ماخوذ ہے جس کا معنی طرز وطریقہ کے ہیں۔اور تدریس بھی عربی زبان کے لفظ درس سے نکلا ہے جس کے معنی سبق دینے اور درس دینے کے ہیں۔افضل حسین تدریس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "تدریس کے معنی درس دینا بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا یا مختلف علوم وفنون میں مہارت پیدا کرنا۔تدریس کے ذریعے معلم ایک تدریج سے بچوں کو طرح طرح کی معلومات فراہم کرتا ہے انہیں مختلف باتیں جاننے سیکھنے یاکرنے کا موقع دیتاہے اور مستقبل کی زندگی کے لیے انہیں کرتا ہے۔"[1]

اصطلاح میں تدریس سے مراد طلبہ کو کسی قسم کی معلومات،ہنر مندی یا علم مہیا کرنے کے عمل کو ہم تدریس کہتے ہیں۔اسی طرح منہج تدریس سبق یا درس دینے کے طرز وطریقے کا نام ہے۔

افضل حسین تدریسی اجزاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "تدریس کا کام اس وقت انجام پاتا ہے جب کوئی سیکھنے والا ہو(بچہ) کوئی سکھانے والا ہو(استاد) کوئی چیز ہو جو سکھائی جائے(مواد)۔[2]

تدریسی عمل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تدریس کے بنیادی تین اجزاء ہیں۔استاد۔طالب علم۔مطالعاتی مواد۔

استاد: استاد تدریس کا ایک اہم جزء ہے جس کے بغیر تدریسی عمل وقوع پذیر نہیں ہوتا۔

طالب علم: تدریسی عمل کے لیے طالب علم کا ہونا بہت ضروری ہے بلکہ تدریس سراسر اسی کے لیے ہوتی ہے۔

مطالعاتی مواد: استاد اور طالب علم کی طرح تدریسی مواد بھی تدریس کا لازمی حصہ ہے جب تک تدریسی مواد نہیں تدریس کا عمل نہیں شروع ہو سکتا۔برٹن تدریس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تدریس بچے کو ماحول سے مطابقت کرنے کا نام ہے۔جبکہ سکنر کے خیال کے مطابق کسی کو معلومات اور علم دینے کا نام تدریس ہے۔

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تدریس یا طریقہ تدریس صرف کتاب دیکھ کر پڑھانے کا نام ہی نہیں بلکہ اس طرح تدریس کی جائے کہ

1۔ حسین،افضل، فن تعلیم وتربیت،اسلامک پبلیکیشنز،پرئیویٹ لمیٹڈ، شاہ عالم مارکیٹ،لاہور،1970،ص:261

2۔ ایضاً،ص:261

1۔ طلبہ میں حصول علم کا شوق اور جذبہ پیدا ہو۔

2۔ طلبہ میں تخلیقی صلاحیتیں اجاگر ہوں۔

3۔ طلبہ سوچ و فکر سے نتائج نکال سکیں۔

4۔ طلبہ علم کو نہ صرف ذریعہ معاش سمجھیں بلکہ علم کو انسانیت کی تعمیر اور فلاح و نجات کا ذریعہ بھی جانیں۔

منہج تدریس کا مفہوم

تدریس کا مقصد طلبہ کو پڑھانا یا کسی خاص شعبے یا مضمون میں ضروری معلومات فراہم کرنا ہی نہیں بلکہ اس طرح رہنمائی کرنا کہ وہ مفید ثابت ہوں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ کسی خاص مضمون کو پڑھانے اور کسی ہنر کو سکھانے کے لیے استاد کو خاص طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ تدریسی سرگرمیوں میں استاد کا طلبہ کے نازک اور مختلف النوع ذہنوں اور مزاجوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے وہ اس کام کو سنجیدہ اور محتاط ہوئے بغیر تسلی بخش طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا جب تک وہ منصوبہ بندی نہ کرلے۔ چنانچہ استاد کو کئی عوامل مد نظر رکھنے پڑتے ہیں تاکہ مطلوبہ اہداف حاصل ہو سکیں، اسے طلبہ کی ذہنی سطح، انفرادی اختلافات، عادات، مطالعاتی مواد کی نوعیت طلبہ کے گھریلو اور معاشی مسائل، قومی تعلیمی مقاصد اور دیگر متعدد امور کو دیکھ کر تدریسی طریقہ کار اختیار کرنا ہوتا ہے۔ تدریس کو کامیاب اور موثر بنانے کے لیے جو مختلف طرز و طریقے اپنائے جاتے ہیں انہیں منہج تدریس کا نام دیا جاتا ہے۔[1]

مروّجہ اسلامی اور جدید تعلیمی اداروں میں کتب پڑھانے کے مختلف طریقے رائج ہیں اور ہر استاد اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے منہج تدریس اور طریقہ ہائے تدریس کے حوالے سے جن چیزوں کی نشاندہی کی وہ ذیل میں ذکر کی جارہی ہیں۔

مولانا مودودیؒ اور منہج تدریس و تعلیم کی اصلاحات

1۔ اصولِ مقصدیت

مولانا مودودیؒ کے نزدیک تعلیم خود منزل نہیں بلکہ منزل کے حصول کا ذریعہ ہے جبکہ حقیقی منزل نظریہ حیات اور تمدن و ثقافت ہے۔ اس اصول کے پیش نظر ایک مسلمان استاد کو طریقہ تعلیم و تدریس اور منہج تدریس کے بنیادی اصولوں میں مقصد حیات کا اصول سرفہرست رکھ کر تدریس کرنی ہوگی جس سے ہماری قومی تہذیب کو جلا ملے گی۔

---

[1] فن تعلیم و تربیت، ص:61،62

اصول مقصدیت کو بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"لازماً ہمارے پیش نظر تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قوم تہذیب کو سمجھتے ہوں اور ہماری قومی تہذیب ہمارے دین کے سوا کیا ہے؟"[1]

اصولِ وحدت تدریس

سید مودودیؒ تعلیم وتدریس کے اندر وحدت کے قائل ہیں۔ایک استاد جب کسی مضمون کی تدریس کرے تو اسے اسلامی فلسفہ حیات و نظام کو مد نظر رکھ کر کرنی چاہیے خواہ اس کا تعلق عمرانیات، معاشیات، سماجیات، جدید سائنس یا لسانیات سے ہو۔اس اصول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ کی پوری تعلیم دینی نقطہ نظر سے ہو، اگر آپ فلسفہ پڑھیں تو دینی نقطہ نظر سے پڑھیں تاکہ آپ ایک مسلمان فلاسفر بن سکیں۔آپ تاریخ پڑھیں تو مسلمان کے نقطہ نگاہ سے پڑھیں تاکہ آپ ایک مسلمان مورخ بن سکیں۔آپ سائنس پڑھیں تو ایک سائنٹسٹ بن کر اٹھیں، آپ معاشیات پڑھیں تو اس قابل بنیں کہ اپنے ملک کے پورے معاشی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں۔"(2)

اصولِ تربیت

ان کے نزدیک طریقہ تدریس میں کتابی علم سے بڑھ کر اسلامی اصولوں کی روشنی میں اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر پیدا کی جائے، تاکہ جب وہ کسی عملی میدان میں جائے اسلام سے مکمل آراستہ ہو۔تربیت اور تشکیل سیرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"تشکیل سیرت کو کتابی علم سے زیادہ اہمیت دی جائے، محض کتابیں پڑھانے اور محض علوم وفنون سکھا دینے سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ایک ایک نوجوان (طلبہ) کے اندر اسلامی کریکٹر پیدا ہو، اسلامی طرز فکر اور اسلامی ذہنیت پیدا ہو، خواہ وہ انجینئر ہو، خواہ سائنٹسٹ ہو، خواہ وہ علوم عمران کا ماہر ہو۔"(3)

---

[1] ۔تعلیمات، ص:101

[2] ۔ایضاً، ص:102

[3] ۔ایضاً، ص:103

اللہ کی وحدانیت

طریقہ تدریس میں خاص طور پر ابتدائی کلاسز میں استاد کو چاہیے کہ دوران تدریس اللہ کی واحدنیت ذہن نشین کرانی چاہیے، ہر سبق میں تصورات توحید اور آیات الٰہیہ شامل ہوں تاکہ بچے کے اندر شروع دن سے ہی اسلامی ذہنیت پیدا ہو۔

پاکیزہ ماحول کی فراہمی

مولانا کے نزدیک دوران تدریس صاف، پرکشش اور پاکیزہ ماحول میسر ہونا بہت ضروری ہے جن کی بدولت وہ اخلاق عالیہ سے متصف ہوں اور ان میں اسلامی ثقافت کی اسپرٹ اور روح پیدا ہو جو کہ مطلوب و مقصود ہے۔ فراہمی ماحول کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"پورا ماحول ایسا ہونا چاہیے جو طلبہ میں تقویٰ اور اخلا فاضلہ پیدا کرنے والا اور ان کے اندر اسلاامی ثقافت کو مستحکم کرنے والا ہو۔"[1]

مولانا مودودیؒ کے بیان کردہ طریقہ ہائے تعلیم اور منہج تدریس سے عصر حاضر میں استفادہ کرنا از حد ضروری ہے۔ اچھی اور معیاری تدریس وقت اور زمانے سے مطابقت رکھتی ہے، اگر زمانے کی ضروریات معاشرتی اقدار اور طلبہ کے ماحول سے ہم آہنگ نہ ہو تو موثر نہ ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ میں بیزاری بھی پیدا کرتی ہے۔ تدریس اس وقت موثر ہو سکتی ہے جب طلبہ کے سابقہ تجربات اور معلومات کو مد نظر رکھ کر کی جائے طلبہ کی طرف سے صحیح جوابات اور خوشگوار رد عمل اسی وقت ظاہر ہو گا جب تدریس طلبہ کی سابقہ معلومات سے مکمل مربوط ہو کیونکہ سابقہ مواد کی بدولت آئندہ کی باتیں ذہن نشین کرائی جاتی ہیں۔ موثر تدریس وہی ہوتی ہے جس کا اطلاق روز مرہ زندگی سے ہو چنانچہ طلبہ کو ایسا علم اور مواد دیا جائے جو ان کی روز مرہ زندگی میں کارآمد ہو اور ایسے رجحانات پیدا کیے جائیں جن سے وہ زندگی میں مدد لے سکیں اور ان کو آنے والے وقت کے لیے تیار کیا جائے۔ تدریس کا عمل کسی نا کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر مقصد واضح ہو اس تدریس میں طلبہ دلچسپی لیتے ہیں مقصد جس قدر قوی دلچسپ اور واضح ہو گا طلبہ کی تدریسی کوشش بھی اسی قدر موثر ہو گی۔ تدریسی مواد ایسا ہو کہ طلبہ میں مختلف پہلوؤں کی نشو و نما میں مدد ملے۔

---

[1] ۔ تعلیمات، ص:120

خلاصہ باب

باب چہارم میں مروجہ نظامہائے تعلیم کو عصر حاضر میں صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے مولانا مودودیؒ کے افکار و نظریات کی روشنی میں اصلاحی خاکہ فراہم کیا گیا ہے۔ یہ باب بھی ذیلی چار فصول پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل میں مولانا مودودیؒ کے افکار و نظریات کو مد نظر رکھتے ہوئے پرائمری اور ثانوی نظام تعلیم کے لیے اصلاحی خاکہ فراہم کیا گیا ہے۔اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ مرّوجہ مضامین کے ساتھ ساتھ پرائمری اور ثانوی سطح پر نصاب تعلیم کن بنیادی اسلامی وعصری ضروریات کا متقاضی ہے۔نیز اس فصل میں

ہوناضروری ہے۔

دوسری فصل میں اعلیٰ تعلیم کے نصاب کا تذکرہ ہے مولانا مودودیؒ نے اس سطح پر نصاب تعلیم کی خاص وعام کی تقسیم کی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کو تفصیلاً بیان کرتے ہوئے اس میں پڑھائے جانے والے مضامین کی نشاندہی بھی کی۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے بیان کردہ نظام ونصاب تعلیم کے عملی نفاذ کے لیے ماڈل اسلامی یونیورسٹی کا نقشہ پیش کیا جس میں تمام تعلیمی مراحل کے نصابات اور مقاصد کو مفصلاً ذکر کیا۔

تیسری فصل میں مولانا مودودیؒ کے نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے اساتذہ اور طلباء کے لیے تربیتی پالیسیاں ترتیب دینے پر زور دیا گیا ہے۔ تربیت کی تعریف، اہمیت وضرورت، اساتذہ اور طلباء کے لیے تربیتی مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ تربیت کے اہم پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے دور جدید کے اساتذہ اور طلباء کے لیے ذہنی اور نفسیاتی پہلوؤں کے پیش نظر قرآن وسنت کی روشنی میں رہنما اصول مہیا کیے گئے ہیں۔

چوتھی فصل اسلامی و جدید تعلیمی اداروں کے منہج تدریس پر بحث کرتی ہے۔اس میں منہج تدریس کی تعریف و مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی اور جدید تعلیمی اداروں میں روائتی اور جدید طریقہ ہائے تدریس کو احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور آخر میں مولانا مودودیؒ کے منہج تدریس کے حوالے سے رہنما اصولوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے استفادہ کر کے دور جدید کے طریقہ ہائے تدریس اور منہج میں اصلاحات لائی جاسکتی ہیں۔

نتائج بحث

پاکستان میں مروّجہ نظامہائے تعلیم کا تفصیلی مطالعہ اور تجزیہ کرنے کے بعد درجہ ذیل نکات سامنے آئے ہیں:

1۔ مروجہ نظام ہائے تعلیم ہمارے قومی اور نظریاتی تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ لہذا اسے مرحلہ وار تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ مروّجہ اسلامی نظام تعلیم عہدِ حاضر میں دینی اور عصری شعبوں میں قائدانہ کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ الا ماشاءاللہ۔ لہذا اسے بھی تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

3۔ مروّجہ جدید تعلیمی نظام ہمارے ملی اور مذہبی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں، بلکہ بے مقصد اور بے جہت مغربی نظام ونصاب تعلیم نے ہمارے معاشرے پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔

4۔ موجودہ مغربی طرز کے نظامِ تعلیم نے دینی لحاظ سے نسلِ نوخیز کو کمزور کر دیا ہے ان کو اخلاق حسنہ، مذہبی اقدار، سلف کی روایات، سیرت وکردار کی بلندی جیسی اعلیٰ صفات سے خالی کر دیا ہے۔

5۔ سائنسی علوم میں مہارت اور ادراک کسی نہ کسی درجہ میں قابلِ قدر اور لائقِ صد تحسین ہے۔ لیکن ان کا وزن منفی اثرات کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

6۔ جدید مغربی نظام تعلیم کی بدولت غیر ملکی ثقافت اور تہذیب کی جڑیں دن بدن مضبوط ہو رہی ہیں۔

7۔ ملک میں مروجہ نظامہائے تعلیم (اسلامی وجدید) کا رائج رہنا سراسر نقصان اور خسارے کا باعث ہے۔

8۔ حکومت اور مروجہ اسلامی نظام تعلیم کی انتظامیہ کے درمیان روابط اور تعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں جس کی وجہ سے کئی مسائل جنم لے رہے ہیں، لہٰذا ان تعلقات میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

9۔ موجودہ تعلیمی ثنویت نے ملکی اتحاد واتفاق کو بری طرح متاثر کیا ہے۔

10۔ مروجہ نظامہائے تعلیم (اسلامی وجدید) اخلاقی لحاظ سے ہماری قومی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔

سفارشات

اس مقالہ کی اہم سفارشات درج ذیل ہیں۔

1-اس تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ نظام تعلیم کے مزید جن پہلوؤں پر تحقیقی کا کام ہو سکتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔"مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے تعلیمی افکار و نظریات کے تناظر میں پاکستان کے نظام تعلیم کا جائزہ" کے عنوان پر مزید کام کی گنجائش ہے۔

ب۔"معاشرہ کی تعمیر وترقی میں اسلامی اور مغربی نظام تعلیم کا کردار" کے موضوع پر کام کیا جاسکتا ہے۔

ج۔"تہذیب و ثقافت پر نظام تعلیم کے اثرات مسلم مفکرین کی آراء کی روشنی میں" کے عنوان پر کام کی ضرورت ہے۔

د۔ معلمین کا انتخاب سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں" کے عنوان پر کام کی ضرورت ہے۔

2۔ملک کے تعلیمی نظام اور نصاب میں یکسانیت پیدا کرتے ہوئے تعلیمی نصاب کی تدوین نو کی جائے اور اسے مرحلہ وار نافذ کیا جائے۔

3۔پورے تعلیمی نظام میں تمام مراحل پر قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے البتہ اعلیٰ تعلیم میں انگریزی اور عربی زبان کی تدریس کا بھی مؤثر انتظام ہو تاکہ طلبہ انگریزی ماخذ اور مصادر سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

4۔ تعلیمی منصوبہ بندی کے فروغ کے لیے تعلیمی اہداف وپروگرامات کا تعین ہو،اداروں کی موئثر نگرانی کا میکنزم قائم کیا جائے۔نیز تعلیمی ترقیاتی منصوبہ جات بروقت مکمل اور معیاری ہوں۔

5۔ تعلیم نسواں کا بہترین انتظام کیا جائے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی اقدار وروایات کے مطابق اپنا مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

6۔تمام علوم وفنون کی تعلیم وتدریس اسلامی نقطہ نظر اور اسلامی طرز فکر کے ساتھ دی جائے۔تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا اہتمام بھی کیا جاسکے۔

8۔ تعلمی بہتری پر کام کرنے والے ادارے اسلامی اور جدید مغربی سکالرز کے نظریات کے استفادے کا میکنزم قائم کریں۔

فہارسِ مقالہ

a. فہرست آیات

b. فہرست احادیث

c. فہرست اعلام

d. فہرست اماکن وبلاد

e. فہرست اشعار

f. فہرست اصطلاحات

g. فہرست مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورة/آیات نمبر	صفحہ نمبر
1.	رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيهِمۡۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ	البقرة:129/2	197
2.	قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ ١٥٦	البقرة:156/2	157
3.	وَتَصۡرِيفِ ٱلرِّيَٰحِ وَٱلسَّحَابِ ٱلۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِ لَأٓيَٰتٖ لِّقَوۡمٖ يَعۡقِلُونَ ١٦٤	البقرة:164/2	67
4.	لَقَدۡ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذۡ بَعَثَ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ ١٦٤	آل عمران:164/3	200
5.	إِنَّ فِي خَلۡقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَٱخۡتِلَٰفِ ٱلَّيۡلِ وَٱلنَّهَارِ لَأٓيَٰتٖ لِّأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ	آل عمران:190/3	76
6.	إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمۡۗ	الرعد:11/13	72
7.	وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلشَّمۡسَ وَٱلۡقَمَرَ دَآئِبَيۡنِۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَ	ابراهيم:33/14	76
8.	إِنَّ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡبَصَرَ وَٱلۡفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔولٗا	الإسراء:36/17	112
9.	قَدۡ أَفۡلَحَ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ	المؤمنون:1/23	160

76	الروم:30/30	لَا تَبۡدِيلَ لِخَلۡقِ ٱللَّهِۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ	10.
72	يس:61/36	وَأَنِ ٱعۡبُدُونِيۚ هَٰذَا صِرَٰطٞ مُّسۡتَقِيمٞ	11.
75	غافر:39/40	يَٰقَوۡمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَا مَتَٰعٞ وَإِنَّ ٱلۡأٓخِرَةَ هِيَ دَارُ ٱلۡقَرَارِ	12.
74	الحجرات:11/49	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيۡرٗا مِّنۡهُنَّۖ وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِ	13.
71,5	الذاريات:56/51	وَمَا خَلَقۡتُ ٱلۡجِنَّ وَٱلۡإِنسَ إِلَّا لِيَعۡبُدُونِ	14.
7،12	الجمعة:2/62	هُوَ ٱلَّذِي بَعَثَ فِي ٱلۡأُمِّيِّـۧنَ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٖ	15.
198	التحريم:6/66	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا	16.
83	الملك:26/67	قُلۡ إِنَّمَا ٱلۡعِلۡمُ عِندَ ٱللَّهِ وَإِنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٞ مُّبِينٞ	17.
158	الأعلى:14/87	قَدۡ أَفۡلَحَ مَن تَزَكَّىٰ	18.
4	علق:1،4/96	ٱقۡرَأۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلَّذِي خَلَقَ ١ خَلَقَ ٱلۡإِنسَٰنَ مِنۡ عَلَقٍ ٢ ٱقۡرَأۡ وَرَبُّكَ ٱلۡأَكۡرَمُ ٣ ٱلَّذِي عَلَّمَ بِٱلۡقَلَمِ	19.
6	الذاريات:57/58	مَآ أُرِيدُ مِنۡهُم مِّن رِّزۡقٖ وَمَآ أُرِيدُ أَن يُطۡعِمُونِ ٥٧ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلۡقُوَّةِ ٱلۡمَتِينُ ٥٨	20.
10	فاطر:28/25	إِنَّمَا يَخۡشَى ٱللَّهَ مِنۡ عِبَادِهِ ٱلۡعُلَمَٰٓؤُاْ	21.

10	احزاب:21/33	لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	22.
66	نحل:11/16	إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ	23.
74	الانفال:1/8	فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَأَصْلِحُوا۟ ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ	24.

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتب احادیث	حدیث نمبر	صفحہ نمبر
1.	اِنمَا بُعِثتُ لِاُتمِّمَ مَکارِمَ الاخلاَقِ وَمحسن--	سنن بیہقی	20782	159
2.	اِنمَا بُعِثتُ مُعلِماً	صحیح مسلم	4391	162،4
3.	عَجِبَ اللهُ مِن قَومٍ یدخُلُونَ الجَنَةَ فِی السَلاسِل	صحیح بخاری	3010	161
4.	کِلاَهُمَاَ عَلیٰ خیرٍ وَاَحَدِهِمَا اَفضَلُ مِن صَاحِبِه	سنن دارمی	361	162
5.	مَن تَعَلَمَ عِلماً مِماَ یَبتَغِی بِه وَجهُ اللهَ لاَ یَتَعَلَمَه	سنن ابی داؤد	3664	158
6.	مِن حُسنِ اِسلامِ المَرءِ ترکُه مَالاَ یَعنِیه	سنن ابن ماجہ	3976	157
7.	مَن طَلَبَ العِلمَ لِیمُارِیَ بِهِ السُفَها ءَ اَو لِیبُاهِیَ	سنن ابن ماجہ	253	161
8.	من جاء الموت وهو یطلب العلم لیحی بہ الاسلام----	المعجم الاوسط	9454	159

فہرست اعلام

نمبر شمار	نام	تعارف	صفحہ
1.	ارسطو	یونان کا ممتاز فلسفی، مفکر اور ماہر منطق تھا، جس نے سقراط جیسے استاد کی صحبت پائی اور سکندر اعظم جیسے شاگرد سے دنیا کو متعارف کروایا۔	25
2.	پروفیسر محمد یاسین شیخ	معروف ماہر تعلیم، مدرس اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ جامعہ ملیہ کالج آف ایجوکیشن کے پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔	44
3.	ڈارون	چارلس ڈارون ایک انگریز ماہر حیاتیات تھا۔ اس نے نظریہ ارتقاء پیش کیا اور دنیا کی سوچ میں بہت بڑی تبدیلی لے کر آیا۔	26
4.	ڈاکٹر انجم رحمانی	ایک مصنف، محقق، لاہور میوزیم کے سابقہ ڈائریکٹر اور اقبال اکیڈمی کے لائف ممبر تھے۔	42
5.	ڈیکارٹ	ایک فرانسیسی سائنس دان اور ریاضی دان تھے جنہوں نے علم ہندسہ خصوصاً تحلیلی ہندسہ میں نمایاں کام کیا اور فلسفہ میں شک کا طریقہ کار اپنایا۔	25
6.	روسو	انسانی مساوات کا مبلغ جینوا کا ایک فلسفی اور انشاء پرداز، جس کی تحریریں فرانس میں انقلاب برپا کرنے کا سبب بنیں۔	25
7.	سقراط	دنیائے فلسفہ کا سب سے عظیم اور جلیل المرتبت معلم تھا جس نے پانچویں صدی قبل مسیح میں یونان میں مغربی فلسفہ کی بنیاد رکھی۔	26
8.	ملا نظام الدین	نظام الدین سہالوی دراصل ملا نظام الدین کے نام سے شہرت رکھتے ہیں جو بانی درس نظامی ہیں۔	20
9.	مولانا حسین احمد مدنی	مولانا حسین احمد مدنی مولانا محمود الحسن کے جانشین تھے۔ آپ اترپردیش ہندوستان میں پیدا ہوئے۔	101

فہرست اماکن وبلاد

نمبر شمار	نام	مختصر تعارف	صفحہ
.1	استھانواں	پٹنہ ضلع بہار انڈیا میں موجود ہے۔	134
.2	اورنگ آباد	مغلیہ سلطنت محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے نام سے موسوم ہے۔	99
.3	بجنور	اترپردیش کا ایک ضلع ہے جو ہندوستان میں واقع ہے۔	99
.4	بفیلو	ریاست نیویارک کا ایک شہر ہے۔	102
.5	ٹونک	برطانیہ کی بالادستی معاہدے کے تحت 1857ء میں ایک نوابی ریاست تھی، یہ ریاست موجودہ بھارت کے ضلع ٹونگ میں واقع ہے۔	135
.6	چوارہ	موضع چوارہ ضلع مونگیر (بہار) ہندوستان میں ایک جگہ کا نام تھا۔	13
.7	دیوبند	بھارت کے شمالی صوبہ اترپردیش کے ضلع سہارنپور میں واقع ایک قصبہ ہے۔	44
.8	سلہٹ	سلہٹ بنگلہ دیش کا ایک شہر ہے۔	101
.9	قنوج	بھارت کے ایک شہر کا نام ہے۔	18
.10	مونگیر	ہندوستان کا تاریخی شہر ہے۔	134

فہرست اشعار

نمبر شمار	اشعار	شاعر	صفحہ نمبر
.1	جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود	علامہ محمد اقبال	28،78
.2	تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش	علامہ محمد اقبال	31
.3	وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں	علامہ محمد اقبال	144
.4	عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی سینہ روشن ہو تو ہے سوز سخن عین حیات ہو نہ روشن تو سخن مرگ دوام اے ساقی	علامہ محمد اقبال	170
.5	ہم سمجھتے تھے لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ	علامہ محمد اقبال	170،173

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	تعریفات	صفحہ نمبر
2	ابجد	ابجد کسی زبان میں شامل مختلف آوازوں کو پیدا کرنے والے حروف کے ایک کامل مجموعے کو اس زبان کا ابجد یہ کہا جاتا ہے۔	153
5	ادعیہ ماثورہ	وہ دعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوں۔	143
4	آہن گری	لوہے سے مختلف چیزیں بنانے کا فن آہن گری کہلاتا ہے۔	155
8	بیعت	دینی و دنیاوی امور میں شریعت کی پیروی کرنے کے لیے کسی کو رہبر و رہنما ماننے اور اس کے کہنے پر عمل کرنے کا عہد بیعت کہلاتا ہے۔	166
7	تزکیہ نفس	تزکیہ نفس اسلامی تصوف کی ایک اصطلاح ہے، جس سے مراد نفس کو آلائشوں سے پاک کرنا۔	4،13،10
10	الحاد	الحاد کو انگریزی زبان میں atheism کہا جاتا ہے جس کا اردو زبان میں مطلب لا مذہبیت یا لادینیت لیا جاتا ہے۔	21،24
1	سلاسل اربعہ	تصوف کے چار بڑے سلسلے جن میں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ شامل ہیں۔	142
9	سیکولرازم	سیکولرازم سے مرادی دنیاوی امور سے مذہب اور مذہبی تصورات کا اخراج یا بے دخلی ہے۔	65
6	مادیت	مادیت اردو میں عربی سے ماخوذ لفظ ہے جس کے معنی ایسے نظریہ کے ہیں جس کی رو سے سوائے مادے کے دنیا میں کوئی جوہر موجود نہیں ہے یعنی مادہ پرستی۔	11
3	وقائع نگاری	علم التاریخ میں ایک اہم ترین صنف شمار کی جاتی ہے جس میں طویل تاریخ کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ ترتیب دیا جاتا ہے۔	155

فہرست مصادر و مراجع

قرآن مجید

- دریاآبادی، عبدالماجد، ترجمۃ القرآن، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، لاہور (س۔ن)

- ابراہیم موسیٰ، دینی مدارس (عصری معنویت اور جدید تقاضے)، مترجم، وارث مظہری، اقبال بین الاقوامی ادارہ برائے تحقیق و مکالمہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2017م
- ابن عبدالبر (حافظ)، جامع البیان العلوم، ندوۃ المصنفین، دہلی، بھارت، 1992م
- احمد رفیق، سعید، مسلمانوں کا نظام تعلیم، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، 1982م
- احمد، خورشید، نظام تعلیم، نظریہ، روایت، مسائل، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، (س ن)
- الاصبھانی، ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مھران (متوفٰی 4309)، المسند المستخرج علیٰ صحیح الامام مسلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1996م
- اعوان، عبدالغفور، اسلام آباد اور راولپنڈی میں انگریزی ذریعہ تعلیم کے پرائیویٹ ادارے، سروے رپورٹ ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، (س۔ن)
- اقبال، علامہ، محمد، کلیات اقبال، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، 2002م
- اقبال، علامہ، محمد، کلیات اقبال اردو، (ضرب کلیم) مکتبہ جمال، اردو بازار لاہور، (س۔ن)
- اقبال، علامہ، محمد، کلیات اقبال، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، 2014م
- انجم رحمانی، پاکستان میں تعلیم ایک تحقیقی جائزہ، پاکستان رائٹرز کوآپرٹیو سوسائٹی، لاہور، 2006م
- البانی، ابوعبدالرحمٰن محمد ناصرالدین بن الحاج نوح بن نخباتی بن آدم الاشقودری (متوفٰی 1420ھ)، مختصر صحیح الامام البخاری، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، 2002م
- پالن پوری، سعید احمد، فکر اسلامی کی تشکیل جدید، مکتبہ رحمانیہ لاہور، (س۔ن)
- ترمذی، شمیم حیدر، اسلام کا نظام تعلیم، مقالہ، طبع اول، لاہور، 1993م
- جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد، تذکرہ سید مودودی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، 1998م
- جواد، یاسر، عالمی انسائیکلوپیڈیا، ج، دوم، ناشر، الفیصل کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، 2009م
- چغتائی، محمد اکرام، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ عالم بے بدل، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، (س۔ن)

- چواروی، عبدالقیوم (سید) (مرتب) سادات، جاجنیری، مولائی انٹرپرائزز، کراچی، 1992م
- چیمہ، مسرت شوکت، تعلیم کے اسلامی آفاق، اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ، طبع اول، لاہور، ۱۹۹م
- حسین، افضل، فنِ تعلیم و تربیت، اسلامک پبلیکیشنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، 1970م
- خالد، سلیم منصور، دینی مدارس میں تعلیم، کیفیت، مسائل، امکانات، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، ادارہ فکر اسلامی، 2002م
- خان، ظفر حسین، پاکستان کا تناظر تعلیم، جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملیر سٹی، کراچی، (س۔ن)
- خان، مشاریق احمد (حکیم)، پاکستان کا نظام تعلیم ماضی وحال کے آئینے میں، ناشر، طیبہ تاجور سلطانہ، ایل۔ 885 سیکٹر ایل۔5، نارتھ کراچی، 1994م
- خان، خالد یار، تاریخ تعلیم، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، (س۔ن)
- دریاآبادی، عبدالماجد، معاصرین، مجلس نشریات اسلام، کراچی، (س۔ن)
- راہی، اختر، تذکرہ مصنفین درس نظامی، مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار لاہور، 1978م
- رحمانی، منت اللہ، مکاتیب گیلانی، دارالاشاعت رحمانی خانقاہ مونگیر، بھارت، 1972م
- رفیع الدین، محمد، قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار، تلخیص (محمد موسیٰ بھٹو) سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، لطیف آباد، حیدآبارد، 2006م
- الزرنوجی، برہان الدین، تعلیم المتعلم، مترجم، ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی، جنوری 2017م
- الزرنوجی، برھان الدین (امام)، تعلیم المتعلم فی طریق التعلم، دار ابن کثیر، بیروت، لبنان، طبع، سوم، 2014م
- السجستانی، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی، سنن ابی داؤد، دار الرسالہ العالمیہ، 2009م
- سرسید احمد خاں، مقالات سرسید، حصہ ہشتم، مرتب، (مولانا محمد اسماعیل پانی پتی)، مجلس ترقی، ادب 1962م
- السمرقندی، ابو عبداللہ بن عبدالرحمن بن فضل بن بہرام بن عبدالصمد الدارمی التمیمی (متوفی 255ھ)، مسند الدارمی، المعروف بہ سنن دارمی، دارالمغنی للنشر والتوضیع، المملکۃ السعودیہ، 2000م
- شاہ، احمد ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام، ناشر مکتبہ اسلامیہ، لاہور 23 اگست 2015م
- شاہجہان پوری، ابو سلیمان، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ شخصیت اور سوانح، خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ (بھارت)، 2002م
- شاہد، ایس ایم، ایجوکیشن ان پاکستان، مجید بک ڈپو، اردو بازار لاہور، 10۔2009م

- شبلی نعمانی، علامہ، خطبات شبلی، مرتب (مولانا سید سلیمان ندویؒ)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان، اشاعت اول، 1989م
- الشیبانی، ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ھلال بن اسد (متوفی 271ھ)، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالہ، 2001م
- شیخ، محمد یاسین، تعلیمی بنیادیں، غضنفر اکیڈمی، کراچی، 1991م
- صدیقی، مشتاق الرحمان، سید مودودیؒ کا تعلیمی نقطہ نظر، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1402ھ
- صدیقی، محمد نعیم، جامعہ خواتین کیوں اور کیسے، ترجمان القرآن، جلد 89، شمارہ: 3، مئی 1987م
- صدیقی، محمد نعیم، المودودی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ لاہور، اشاعت، سوم، 1986م
- عبد الرحمان بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمان فی تفسیر کلام المنان، تحقیق عبد الرحمان بن معلا، دار السلام، الریاض، (س۔ن)
- عبد اللہ بن عباس، تفسیر ابن عباس، مکی دار الکتب، لاہور، 2009م
- عبد المعبود، محمد، عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اُردو بازار لاہور، 2001م
- عبد الوحید، عالمی شخصیات (انسائیکلوپیڈیا)، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، 2014م
- عثمانی، محمد تقی، (مفتی)، ہمارا تعلیمی نظام، مکتبہ دار العلوم کراچی، دسمبر 2005م
- عثمانی، محمد تقی، (مفتی)، یورپ میں آزادی نسواں کے نقصانات، مکتبہ ارسلان، کراچی، 2003م
- عزمی، اختر حسین، مولانا امین احسن اصلاحی، حیات و افکار، مجلس نشریات لاہور، 2008م
- علامہ، علاالدین علی متقی بن حسام الدین، کنز الاعمال، دار الاشاعت، کراچی، 2010م
- علی عزت بیگوچ، اسلام اور مشرق کی تہذیبی کشمکش، محمد ایوب منیر (مترجم)، ادارہ معارف اسلامی، لاہور 1994م
- غازی، محمود احمد، محاضرات تعلیم، طبع دوم، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، 2004م
- غزالی، ابو حامد، محمد بن محمد، کیمائے سعادت، دار الاشاعت کراچی، ۱۹۷۸م
- غزالی، ابو حامد، محمد بن محمد، منہاج العابدین، مترجم، مولانا ذکریا، دار الاشاعت کراچی، (س۔ن)
- غزالی، ابو حامد، محمد بن محمد، احیاء العلوم، قرآن اکیڈمی جھنگ، 2009م
- غلام حسین، اسلامی حکومت میں اقلیتیں، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ لاہور (س۔ن)

- فاروقی، برہان احمد، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، سروسز کلب، علم وعرفان پبلشر اُردو بازار لاہور،1996م
- القرضاوی، محمد یوسف، دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے، مولانا سلطان احمد اصلاحی (مترجم)ادارہ معارف اسلامی، لاہور،1994م
- القزوینی، امام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ (متوفی 373ھ)، سنن ابن ماجہ، دارالرسالہ العالمیہ، 2009م
- قطب، محمد، تعلیمی مباحث: ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور،1989م
- کارل مارکس، داس کیپیٹل، دارالشعور پبلیکیشنز لاہور، (س۔ن)
- کیرانوی، قاسمی، وحیدالزمان، القاموس الوحید، دیناناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور، جون 2001م
- گورنمنٹ آف پاکستان: قائداعظم محمد علی جناح تقاریر اور بیانات بطور گورنر جنرل آف پاکستان (48-1947)، وزارت اطلاعات اور براڈکاسٹنگ، ڈائریکٹوریٹ آف فلم اور پبلیکیشنز، اسلام آباد
- گورنمنٹ آف پاکستان: قومی تعلیمی پالیسی 1979ء، وزارت تعلیمات اسلام آباد، (س۔ن)
- گیلانی، مناظر احسن، احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، (س۔ن)
- گیلانی، مناظر احسن، مقالات احسانی، ادارہ مجلس علمی، کراچی،1959م
- گیلانی، مناظر احسن (مولانا)، مقالات گیلانی، شیخ زید اسلامک سنٹر، لاہور،2004م
- گیلانی، مناظر احسن، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ، اروبازار لاہور، (س۔ن)
- گیلانی، مظفر، مضامین گیلانی، اردو اکادمی، بہار پٹنہ، (بھارت)،1986م
- گیلانی، مناظر احسن، مقالات گیلانی، شیخ زید اسلامک سنٹر، لاہور،2004م،
- گیلانی، مناظر احسن، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ناشر مکتبہ رحمانیہ لاہور، 5مارچ 2018م
- محسنی، شمس الرحمان، ہندوستانی مسلمانوں کی قومی تعلیمی تحریک (جامعہ ملیہ اسلامیہ)
- محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2003م
- محمد امین، ہمارا دینی نظام تعلیم، دارالاخلاص 49ریلوے روڈ لاہور، 2004م
- محمد سلیم، مسلمان اور مغربی تعلیم (پاک وہند میں)ادارہ تعلیم و تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان،1989م
- محمد سلیم، مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور،1986م
- محمد سلیم، اسلامی نظام تعلیم کی اساس، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور (س۔ن)
- محمد سلیم، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ، پاکستان، لاہور،1980م

- محمود حسن،، خطبہ تاسیسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ، 1930م
- مفتاحی، ظفیر الدین، حیات مولانا گیلانی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1994م
- مفتی، محمد شفیع،، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1996م
- مودودی، ابوالاعلیٰ (سید)، تعلیمات، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمٹیڈ منصورہ ملتان روڈ، لاہور پاکستان، 2016م
- میر ٹھی، سجاد، زین العابدین (قاضی)، تاریخ ملت، ج، 3، ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی، 2001م
- ندوی، ابوالحسن علی (سید)، پرانے چراغ (حصہ اول)، مکتبہ فردوس لکھنؤ، 1980م
- ندوی، ابوالحسن علی (سید)، ہندوستانی مسلمان، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، (س۔ن)
- ندوی، ابوالحسن علی (سید)، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال، مجلس نشریات اسلام، کراچی، گیارواں ایڈیشن، (س۔ن)
- ندوی، سلیمان (سید)، یاد رفتگان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 2003م
- نیاز عرفان، قومی تعلیمی پالیسیاں۔ تقابلی جائزہ، طبع اول، اسلام آباد، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔ 1996
- نیشاپوری، ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری (متوفی 261ھ)، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ ﷺ، دار الجیل، بیروت، (س۔ن)

رسائل و جرائد

- تنظیم اساتذہ پاکستان، افکار معلم، ماہنامہ، لاہور، ج، 85، ش4، جولائی 1963م
- دارالمصنفین، المعارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ، دہلی، ج79، ش4، اپریل 1957م
- ندوۃ المصنفین، برھان، ماہنامہ، دہلی، ج، 37، جولائی 1956م
- خورشید احمد، ترجمان القرآن، ماہنامہ، لاہور، ج18، جولائی 1941م
- دریا آبادی، عبدالماجد، صدق ہفت روزہ، لکھنؤ، ج، 8، ش، 15، اگست 1944م

English Books

- Encyclopaedia,Britannica, Scottish capital of EdinburghVo,20,E.B London,Ed 1968
- Feroza Yasmeen, An Overview of Federal Education,Article published in the critical assues concerning women Education, Women Division, Govt. of Pakistan,Islamabad

- Garchlait and Lee Martimee, Public domain in the USA,Confidential USA,Washington,1950
- Government of pakstan,proceedings of the Pakistan Educational conference,held at krachi 27 November to 1st December Ministry of interior(Education Division) Government of Pakistan press, Krachi,1947
- Heinz Gunther Klein & Renate N estvogel, Women in Pakistan (1973)
- Muhammad Asad,Islam at the cross roads,Publisher,7Aibak road New Anarkli LLahore,1991
- Muhammad Rafiuddin, "First principles of Education", Iqbal Academy Pakistan,Lahore,1983
- Norman Bearlay,Politics has no morals,Literary Licensing,LLC, London,1949
- Surkin Pitirn,The Crises of Our age, Dutton,New York,1985
- The Encyclopedia Americana New York,Vol,9,1968
- Women Division, Women in Education (1980) Govt.of pak,Some outstanding of Pakistani Women in the field of Education paper presented on critical issues,1980

Websites

- www.jamaat.org
- www.tajziat.com
- www.elmedeen.com